مجالس العارفین

{گیارہ بصیرت افروز مجالس کا مجموعہ}

مجالس العارفین

عمدۃ الواعظین سید المتکلمین مولانا سید عارف حسین صاحب قبلہ مدظلہ

سلطان الواعظین نادرۃ الزمن مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی مدظلہ

سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ حجۃ العصر علی اللہ مقامہ

ناشر

مکتبہ تعمیر ادب (رجسٹرڈ)

ناصر پریس بلڈنگ پیسہ اخبار لاہور

(پاکستان)

تاریخ اشاعت	فروری ۱۹۷۳ء
تعداد اشاعت	ایک ہزار
کتابت	حکیم محمد حسین الوصالحی
طباعت	تعلیمی پریس لاہور
قیمت	چھ روپے
ناشر	مکتبہ تعمیر ادب لاہور

عرضِ ناشر

ہماری نئی پیش کش "مجالس العارفین" آپ کے زیرِ نظر ہے۔ اس کتاب میں سرکار عمدۃ الواعظین سید المتکلمین مولانا سید عارف حسین صاحب قبلہ مدظلہ، سرکار سلطان الواعظین نادرۃ الزمن علامہ سید ابن حسن صاحب نونہروی مدظلہ العالی اور سرکار عمدۃ العلماء علامہ سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد اعلی اللہ مقامہ کی گیارہ نہایت بصیرت افروز مجالس شامل ہیں۔ تقسیم ملک سے بہت عرصہ قبل یہ کتاب سب سے پہلی بار میسرز نخاس بکڈپو ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ نے شائع کی تھی، ہم جناب عمدۃ الواعظین مولانا سید عارف حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی کے ممنونِ احسان ہیں کہ انہوں نے ازراہِ لطف و کرم ہمیں اس کتاب کا مسودہ مرحمت فرما کر شائع کرنے کی اجازت سے سرفراز فرمایا جس کے لئے سرکار ممدوح ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اس کتاب کے لکھنے والے ہر سہ علماءِ عظام ہمارے دینی و علمی حلقوں میں تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ سرکار عمدۃ العلماء اعلی اللہ مقامہ تو اللہ کو پیارے ہو چکے۔ لیکن ان کے بیانات کے مداح آج بھی ہند و پاکستان میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں جناب مولانا سید عارف حسین صاحب قبلہ پاکستان میں اور جناب علامہ سید ابن حسن نونہروی ہندوستان میں بفضلِ تعالیٰ آج بھی آسمانِ خطابت پر آفتابِ عالمتاب کی طرح چمک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو تادیر سلامت رکھے۔ کہ ان کے فیوضاتِ علمی سے استفادہ ہوتا رہے۔

ان مجالس میں آپ کو قرآن مجید کی تفسیر احادیث کی تشریح، اقوال آئمہ معصومین علیہم السلام، اور فضائل چہاردہ معصومین کا وہ بیش بہا خزانہ ملے گا جس کی مثال موجودہ دور میں ناپید ہے۔ جہاں تک اہل بیت رسولؐ کے مصائب کا تعلق ہے ہم دعویٰ کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ ان کو پڑھنے کے بعد اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکیں گے۔

امید ہے کہ ہماری یہ پیش کش بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائیگی۔

فہرست مضامین

مجلس	صفحہ	مضامین
۶	۱۲۵	
۷	۱۴۱	
۸	۱۷۵	
۹	۲۰۷	
۱۰	۲ ۸	
۱۱	۲۶۰	

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ

ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا میں۔ اور جن لوگوں نے رسولؐ کو اپنے یہاں پناہ دی اور نصرت رسولؐ کی۔ یہ لوگ حقیقۃً ایمان والے ہیں۔ اور انہیں کے لیے مغفرت اور رزق کریم ہے

وہ وقت کہ جب دنیا محوِ غفلت تھی باطل پرستی کا دور دورہ تھا۔ دامن حق چھوٹ چکا تھا۔ ان کی ضلالت نگاہوں سے تجاوز کر کے دلوں میں اتر چکی تھی۔ زمین کا ذرہ ذرہ ظلمت کا آئینہ معلوم ہوتا تھا۔ اور دنیا کی ہر شئی بدبختوں کی رہبر دکھائی دیتی تھی وحدت حق چھوٹنے کا انجام کثرت پرستی تھی۔ مگر نگاہ مرکزِ اصلی سے ہٹنے کے بعد کسی جگہ رکتی نہ تھی اور قدم لغزش کھانے کے بعد کسی منزل پہ ٹھہرتا نہ تھا۔ دنیا کی ہر دلفریب صورت کی طرف جبین نیاز جھک رہی تھی زمانہ کی ہر کرشمہ سازی دامن دل کو کھینچ رہی تھی۔ دماغ انسانی خارستانِ دنیا میں الجھا ہوا تھا۔ اور قلب بشری ظلمتکدہ میں ٹھوکریں

کھا رہا تھا۔ کسی کو پانی موجوں میں تصویر الوہیت نظر آنے لگی۔ کوئی سرسبز درخت میں رنگ خدائی دیکھنے لگا۔ کسی نے تراشے ہوئے پتھروں میں قدرت کا حلول سمجھ لیا۔ بہر حال ایک خدا کو چھوڑنے والے سینکڑوں خداؤں کی الجھن میں پڑ گئے۔ اور ایک حق سے کنارہ کشی کرنے والے ہزاروں جگہ باطل کے سامنے دست بستہ نظر آنے لگے۔ اور اصل معبود دیکھتا گی ڈیوڑھی کی جبین سائی سے الگ ہونے والے لاکھوں خود ساختہ معبودوں کے سامنے سربسجود ہوئے۔ سزا ہے حق چھوڑنے والوں کی جب اور جس عہد میں جس نے بھی حق چھوڑا ایک کے بجائے بہتوں کے سامنے گردن جھکانا پڑی مگر مقصد حاصل نہ ہوا۔ ایک معبود چھوڑنے والے نے خدا جانے کتنوں کی عبادت کی مگر مقصد عبادت سے دور رہے ایک خدا سے کنارہ کشی کرنے والوں نے خدا جانے کتنوں کو خدا مانا مگر خدا نہ ملا۔ ایک اصلی نبی چھوڑنے والوں نے خدا جانے کتنے نبی بنا ڈالے۔ مگر فائدہ نبوت سے محروم رہے۔ ایک امام حق سے روگردانی کرنے والے خدا جانے کتنوں کے پیچھے چلے مگر راہ حق نہ مل سکی جب آگے چلنے والا ہی خود منزل سے بھٹکا ہوا ہو تو پیچھے چلنے والوں کو منزل تک کیوں کر پہنچا سکتا ہے۔ اور جب مقتدا کو مرکز حق خود نہ معلوم ہو۔ پیروی کرنے والے حق کیوں کر پا سکتے ہیں۔ اور جب امام کی حد آخر خود جہنم ہو تو ماموم سے جنت قریب نہیں ہو سکتی۔ اسی کو قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُونَ

الی الجنۃ ومنھم ائمۃ یھدون الی النار ۔ دنیا میں
امام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو خود جنتی ہیں۔ اور اپنے پیروی
کرنے والے کو بھی جنت میں لیجاتے ہیں۔ اور کچھ وہ ناری امام ہیں۔ جو اپنے پیچھے
چلنے والوں جہنم کا راستہ دکھایا کرتے ہیں۔
مبارکباد ان لوگوں کو ہے جو کبھی ناری امام کے پیچھے نہ چلے بلکہ جب ما موم
و اسی امام کے جس کو اپنے تو اپنے غیر قسیم النار والجنۃ کہتے ہیں۔
بہر صورت ظلمتکدہ دہر کی تاریکی اس حد پر پہنچ چکی تھی کہ نیک و بد
کی تمیز فنا خیر و شر کا فرق معدوم ہو چکا تھا۔ کوئی برائی برائی نہیں رہی۔ کوئی
نیکی نیکی نہیں رہی۔ بلکہ نیکیاں قابل مذمت اور برائیاں قابل فخر بن گئیں تھیں
بالخصوص خطۂ عرب جہاں کے رہنے والے کفر و نفاق میں بہ نسبت دوسرے
ممالک کے شدید تھے۔ کسی محترم کو قتل کر دینا جرم نہ تھا۔ کسی کا مال
چھین لینا کوئی عیب نہ تھا۔ کسی کے باغ پر قبضہ کر لینا فخر اور کسی کے،
حقوق پر ناجائز تصرف پر خوش ہوتے تھے۔ نہ قتل مظلوم دل پر اثر انداز
ہوتا تھا۔ اور نہ غصب کوئی شرمناک فعل سمجھا جاتا تھا۔
بھلا اہل عرب کی یہ پرانی عادتیں دو چار سال میں دور ہو سکتی تھیں
قتل و غارت کا بازار گرم تھا اور غصب و ظلم کا دور دورہ تھا۔ زنا پر فخر
و مباہات کرنے لگے۔ کثرت پرستی کا چرچا ہو گیا۔ دنیا میں تاریکی و ضلالت
یوں پھیلی کہ کہیں روشنی کا نام نہ رہا۔ بالخصوص خطۂ عرب میں باطل
پرستی کی سیاہی یوں چھائی کہ کوئی ذرہ حق نما باقی نہ رہا۔ اگر کہیں کہیں

وہ ایک ذرۂ حق نما تھے بھی تو وہ چراغ تہِ دامن بنے ہوئے تھے جن کا نور پردۂ دل سے آگے نہیں بڑھتا تھا۔ جب ظلمت اس حد پر پہنچ گئی تو قدرت نے کارسازی کرنے کے لیے عالم کو ازسرِ نو منور بنانے کے لیے ایک بار نظر دوڑائی کہ یوں تو تاریکی ہر جگہ ہے۔ مگر جہاں زائد ظلمت ہو، وہاں میں اپنا قوی سے قوی نور جس کے تنہا نور سے سارا زمانہ جگمگا اُٹھے بھیج دوں۔ آخر تمام دنیا میں خطۂ عرب اور عرب میں حجاز اور حجاز میں ارضِ بطحیٰ کا انتخاب ہوا۔ بطحیٰ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں۔ چونکہ مکّہ کی زمین میں پتھر زیادہ پائے جاتے تھے۔ اس لیے وہاں بت پرستی کی زیادتی اور بتوں کی کثرت اور زیادہ تھی۔ اس لیے کعبہ کا انتخاب ہوا۔ کعبہ میں اگر یہ نور کسی نشیب میں ہوتا تو دُور تک نگاہوں کو فیض نہ پہنچ سکتا۔ اس لیے فاران کا انتخاب ہوا۔ بشارتوں اور پیشنگوئیوں نے اس نورِ مجسم کی اطلاع پہلے سے دیدی تھی۔ اہلِ مکّہ وقت آمد سے واقف ہی تھی۔ جس قدر وہ وقت قریب آتا جاتا تھا۔ اسی قدر نگاہیں فاران کی چوٹی کی طرف جلد جلد اُٹھ رہی تھیں۔ کہ یکایک آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے زہاد نیند آنکھیں ملتے ہوئے خواب کی تعبیر تلاش کر رہے تھے۔ عباد کعبہ لرزتے ہوئے ارکان دیکھ رہے تھے آسمان سے رحمتوں کی بارش ہو رہی تھی ملائکہ صف در صف زمین پر اُتر رہے تھے۔ کعبہ سجدۂ شکر کے لیے سربسجود ہوا۔ اصنامِ حرم نورِ ایمان سے مرعوب ہو کر مُنہ کے بھل گرنا شروع ہوئے بادشاہوں کے تخت اُلٹے۔ جادو گردوں کے جادو بیکار

ہونے۔ ستارے ٹوٹنا شروع ہوئے۔ شیطان آسمان سے محروم ہوا
طاق کسریٰ شق ہوا۔ قصر کے چودہ کنگورے گرے آتش فارس کو نور کی
بوچھار نے گل کیا۔ حجاز کی طرف نور پھیلا۔ کوثر موجیں مارنے لگا طوبےٰ
جھومنے لگا۔ حوروں نے رخساروں پر غازہ ملا۔ زمین مکہ چمک اٹھی
فاران بقعۂ نور بن گیا۔ خدا کا نبی آخر اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ط
کہتا ہوا آغوشِ آمنہ کی زینت بن گیا۔ اور اس شان سے آیا کہ مغرور سلاطین
کے تکبر کی عمارتیں ڈھاتا ہوا۔ خودار عرب کے سکوت کو توڑتا ہوا۔
مشہور بہادران قریش کے دلوں کو ہلاتا ہوا کفر کی گہری تاریکی میں ایمان
کے چراغ جلاتا ہوا۔ جن وانس سے کلمہ پڑھواتا ہوا۔ بتان کعبہ سے
سجدہ کراتا ہوا آیا۔

ملائکہ فلک سے اتر کر بتا رہے تھے کہ ہم نے آدمؑ کو سجدہ انہیں کی
وجہ سے کیا تھا۔ کعبہ جھک کے بتا رہا تھا کہ میری بنا انہیں کے لیے ہے
بادشاہوں کے تخت الٹ کے بتا رہے تھے کہ دین و دنیا کی حکومت انہیں
کے لیے ہے۔ جادو بیکار ہو کے بتا رہے کہ صاحب معجزہ ہے۔ ستارے
ٹوٹ کے بتا رہے تھے کہ آسمان وزمین پران کی حکومت یکساں ہے
آتش فارس گل ہو کے بتا رہی تھی کہ جنت میں لیجانے والا یہی ہے
طاق کسریٰ شق ہو کے بتا رہا تھا کہ کفر کا سینہ چاک کرنے والا یہی ہے۔
نور کا پھیلنا بتا رہا تھا کہ شرق و غرب میں اسلام پھیلانے والا یہی ہے
بتوں کا کعبہ میں گرنا بتا رہا تھا کہ کعبہ پاک کرنے والا یہی ہے۔ شیطان کا

اضطراب بتا رہا تھا کہ خدا پرستی سکھانے والا یہی ہے۔ قصر کسریٰ کے چودہ کنگوروں کا گرنا یہ بتا رہا تھا کہ یہ نور منفرد نہیں بلکہ چودہ شعاعوں کا مجموعہ ہے۔

جناب آمنہؑ ناقل ہیں کہ رسالتمآبؐ بصورت حمل میرے بطن میں تھے۔ تو میری پیشانی سے ایک نور ساطع ہوتا تھا۔ کہ اسکی روشنی میں شب کو سوئی تلاش کی جاسکتی تھی جب آپؐ پیدا ہو چکے تو وہ نور محو ہو گیا جہاں محمدؐ ہوتے وہیں نور چمکتا تھا۔ چنانچہ اُمّ المومنین فرماتی ہیں کہ جب میری سوئی شب کو کھوئی جاتی تھی تو میں انتظار کرتی تھی جب حضرتؐ تشریف لاتے تھے تو آپؐ کے نور کے سہارے میں تلاش کر لیتی تھی۔"

وافسوس انسان جس کی روشنی میں شب کو سوئی تلاش کی جاسکتی ہو۔ اُس کے جلو میں رہ کر اس کے وطن میں بود و باش ہونے پر اس کے پاس بیٹھ کے دن کو تو ایمان نہ تلاش کر سکے۔

وہب ناقل ہیں کہ جب حضرتؐ پیدا ہوئے تو کعبہ کے بت مُنہ کے بل گر پڑے اور ایک آواز کعبہ سے پیدا ہوئی جسے تمام اہل کعبہ نے سُنا جَاءَكُمُ النَّذِيرُ مَعَهُ عِزُّ الْأَبَدِ وَالرِّبْحُ الْأَكْبَرُ وَهُوَ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ۔ خود حضرت خاتم الانبیاءؐ تھے لیکن ساتھ دو چیزیں ایک ابدی عزت دوسری ربح اکبر۔

پیغمبر کو دنیا میں دو ہی چیزوں کی ضرورت بھی تھی۔ ایک عزت ابدی دوسری ربح اکبر۔ ربح اکبر اس لیے کہ قلعے فتح کیے جائیں۔ عزت ابدی اس لیے کہ دُنیا والوں کے دِل فتح کیے جائیں۔ پیغمبر بھی دونوں چیزیں

لے کے دنیا میں آیا۔ آخر ملک کے ساتھ دلوں کا حکمران بن گیا لیکن وہ عزت ابدی کیا چیز ہے۔ اور رمح اکبر کیا ہے۔ آپ خود تلاش کریں کہ پیغمبرؐ کے ساتھ عزت ابد کون چیز ہے۔ اگر یہ کہیئے کہ وہ معجزات تھے۔ تو خدا کی طرف سے عطا ہوئے تھے تو پیغمبرؐ نے ان معجزات کو کبھی سبب عزت نہیں سمجھا۔ اگر کہیئے کہ وہ القاب تھے جو نبی و رسول لیسین وطٰہٰ کے عطا ہوئے تو ہمارا نبیؐ کبھی کسی لقب پر خوش نہیں ہوا۔ عزت ابدی تو پیغمبرؐ کے ساتھ وہی چیز ہو گی جس کی پیغمبرؐ خود عزت کرتا ہو۔ جس کو آتا ہوا دیکھ کر استقبال کرتا ہو۔ جس کے آنے سے تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہو آپ کو تمام دنیا میں ایسی ذات کوئی نہ ملے گی۔ جس کی تعظیم کے لیے ہمارا نبیؐ اٹھ کھڑا ہوتا ہو۔ سوا فاطمہ زہرا کے جس کی تعظیم جس کا اکرام کھڑے ہو کر خود رسالتمآبؐ کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کے ساتھ عزت ابدا اگر کوئی تھا تو فاطمہؑ اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے۔ ہر باپ کی عزت اپنی لائق بیٹی سے ہوتی ہے۔ عہد نبوت میں خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال پہلے ہی ہو چکا تھا۔ نبیؐ کے گھر میں اگر عورتوں میں کوئی عزت ابد رسول کے لیے بننے کے قابل تھا۔ تو صرف فاطمۃ الزہراؑ کی ذات تھی۔ جنہوں نے اپنی تمام حیات اس عزت کے ساتھ گزار دی۔ کہ دنیا میں یوں کسی باپ کی بیٹی نے نہ گزاری ہو گی۔ ابتدائے عمر تا آخر نہ کبھی رسولؐ سے ضد کی نہ اذیت پہنچائی۔ نہ نبیؐ کے گھر شور و شغب برپا کیا۔ نہ لڑیں نہ روٹھیں۔ نہ فاقوں کی شکایت کی۔ نہ کام

کرنے کا فکر کیا۔ نہ مالِ دنیا کی تمنا نہ کی نہ دولت کی آرزو کی۔ نہ باپ کے گھر کسی کو تکلیف دی نہ شوہر سے بیجا فرمائش کی نہ خدا کے گھر بتوں کا سجدہ کیا نہ نبیؐ کے گھر میں جھگڑا یا کھیلیں۔ بلکہ حکمِ الٰہی کے مطابق فرمانِ نبیؐ کے موافق ساری زندگی گزار دی اور یوں گزار دی کہ نبیؐ کو یہ کہنا پڑا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی کا کوئی کفو نہ تھا۔

رسولؐ یوں راضی ہوا کہ ان سے فاطمہؑ کی اذیت کو اپنی اذیت اور فاطمہؑ کی راحت کو اپنی راحت قرار دیا۔ خدا اتنا خوش ہوا کہ اپنا عہدۂ امامت تاقیامت نسلِ فاطمہؑ میں قرار دیا۔ عزت ابدی صغیرؑ کو بھی ملی۔ دوسری چیز جو نبیؐ کے ساتھ تھی وہ رمح اکبر ہے۔ رمح اکبر کے معنی اگرچہ بڑے نیزے کے ہیں۔ مگر اہلِ عرب اکثر اس شخص کو جو نیزہ بازی میں کمال رکھتا تھا۔ اُسے رمح اکبر کہہ دیتے تھے۔ جس طرح تلوار کے دھنی کو تلوار کہتے تھے چنانچہ متنبی نے سیف الدولہ کی تعریف میں کہا ہے کہ رَانَ یَدْعُوْ لِبَعْضِ النَّاسِ سَیْفًا لِدَوْلَۃٍ متنبی اپنے ممدوح کو دولت کی تلوار کہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے فتحیاب اور کامیاب جنگ کرنے والے کو وہ لوگ تلوار کہتے تھے۔ جس طرح مدد کرنے والے کی امداد جب حد سے زیادہ بڑھتی تھی تو اسے مدد کہنے لگتے تھے یا زیادہ شجاع کو شجاعت کہنے لگتے تھے۔ پھر رمح اکبر بس وہی ہو سکتا ہے جو مدد جو تلوار کہلایا ہو۔ جنگ احد میں ملک نے پکار کر کہا تھا۔ کہ نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَّکَ فِی النَّوَائِبِ اسی

طرح سیف اللہ خدا کی تلوار آپ کا مشہور لقب تھا۔ تو پیغمبرؐ کے ساتھ رمح اکبر بھی آپ ہوں گے۔ یہ ظاہر ہے رمح اکبر کسی ایسے شخص کا لقب تو نہیں ہو سکتا جو جھجکا ہو۔ ڈرا ہو خوفزدہ ہوا ہو۔ رویا ہو چلایا ہو بھاگا ہو۔ رمح اکبر اسکا لقب ہو سکتا ہے۔ جس نے ہر میدان میں اپنے قدم جما کر دکھا دیئے ہوں کہ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ اسے کہتے ہیں جس نے مرحب کا سر کاٹ کر بتا دیا ہو۔ کہ شیطان پرستوں کو یوں دنیا سے مٹایا جاتا ہے۔ جس نے خیبر کا در اکھاڑ کر دکھایا ہو کہ اسلام کا در علم اتنا مضبوط ہونا چاہیئے۔ جس نے عمرو کا سر کاٹ کر بتا دیا ہو کہ ایمان کی طاقت یہ ہے۔ صفین کی جنگ میں ہاتھ روک کر بتایا ہو غیرت اس کا نام ہے۔ جنگ جمل میں اپنے فریق کو بحفاظت مدینہ پہنچا کر یہ بتایا ہو کہ حمیت اس کا نام ہے جس نے رسولؐ پر اپنے کو ہر مقام پر صدقہ کر کے بتایا ہو کہ فدائی اسے کہتے ہیں بعد رسولؐ تلوار میان میں رکھ کر سمجھایا کہ اطاعت نبیؐ اس کا نام ہے چونکہ پیغمبرؐ دنیا میں صرف اس لیے آیا تھا کہ اہل دنیا جو قعر ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں ان کو کھینچ کر خدا کے راستہ پر لگا دے اور دنیا والے دو قسموں میں منقسم ہیں کچھ با عزت نفس والے ہیں جو دوسروں کی عزت کو دیکھ کر کھنچتے ہیں۔ کچھ وہ سرکش ہوتے ہیں جو بغیر مار کھائے سیدھے نہیں ہوتے ہیں لیے پیغمبرؐ دو چیزیں اپنے ساتھ لیکر آئے ایک عزت ابد تا کہ اہل عزت کے لیے میری عزت داعی بنے۔ دوسرے رمح اکبر تا کہ سرکش گروہ کے دلوں

کو یہ نیزہ پر مار دے۔ پیغمبر جب دو چیزیں لے کے آیا ہے تو وہی دو چیزیں چھوڑ کے بھی جانا چاہیئے تاکہ ابتدا اور انتہا میں مناسبت پیدا ہو جائے اسی لیے آخری وقت فرمایا کہ۔ "إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي" جناب رسالتمآب۔ پیدا ہوئے تو سجدے میں سر رکھا ادھر رسول اللہؐ نے سجدہ میں سر جھکایا۔ ادھر اصنام کعبہ منہ کے بل زمین پر گرنے لگے۔ پیدا ہونے والے تیری شان ابھی سے نیاری تھی کہ بت پرستو! دیکھ لو۔ جس نے پیدا ہوتے ہی تمہارے خداؤں سے اپنے خدا کو سجدہ کرا لیا۔ وہ بڑا ہو کر تم سے خدائے وحدہٗ لاشریک کا سجدہ کرا کے چھوڑے گا جب آپؐ سجدہ سے فارغ ہوئے تو جناب آمنہؑ فرماتی ہیں کہ ایک ابر کے سائے میں آپؐ غائب ہو گئے اور تین دن تک غائب رہے۔ اسلامی فرقوں کی تمام تاریخوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ رسولؐ پیدا ہوتے ہی غائب ہو گئے اور تین دن تک غائب رہے۔ اس کے بعد جب حلیمہؓ لے کے واپس ہوئیں اور ایک درخت کے نیچے قریب کعبہ آپؐ کو بٹھا دیا تاکہ اپنے کپڑے درست کر لیں۔ تو تمام مورخین لکھتے ہیں آپؐ اسی جگہ سے غائب ہو گئے اس کے بعد جب کعبہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا وقت آیا تو پھر تین دن تک غار میں غائب رہے۔ یہ موقع بہ موقع غیبت رسولؐ میں خدا جانے کیا مصلحت رکھی تھی۔ لیکن اتنا میں جانتا ہوں۔ کہ جس

کی ابتدا رسولؐ غائب سے ہو۔ اس کی انتہا میں بھی غیبت ہونا چاہیئے تاکہ آخر کو اوّل سے مناسبت پیدا ہو جائے۔ اور دنیا والے دیکھ لیں کہ جس کی ابتدا غیبت سے ہوئی اُس کی انتہا اگر امام غائب سے ہو تو کون تعجب ہے۔ فدا تیری مصلحت کے اے خدا کہ رسولؐ کو پیدا ہوتے ہی غائب کا لقب دینے کے لیے غائب کر دیا۔ تاکہ جب آخری امام غائب ہو تو امتِ محمدی غیبت پر مضحکہ نہ اڑا سکے۔ کیوں کہ جب نبیؐ کے لیے غیبت عیب نہیں ہے۔ تو اس کے قائم مقام کے لیے غیبت کیسے عیب بن سکتی ہے۔

بہر صورت جب آپؐ پیدا ہوئے تو آسمان سے ایک آواز آئی کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ تمام دنیا روشن ہو گئی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ ہر پتھر کا ٹکڑا، زمین کا ہر ایک ڈھیلا دنیا کا ہر ایک درخت ہنس رہا ہے۔ اور جھوم جھوم کر تسبیح و تقدیس الٰہی کر رہا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخوں میں ہے کہ اس کے بعد شیطان نے رو رو کر کہنا شروع کیا کہ خَيْرُ الْاُمَمِ وَخَيْرُ الْخَلْقِ وَاَكْرَمُ الْعَبِيْدِ وَاَعْظَمُ الْعَالَمِ مُحَمَّدٌ ۔ شیطان بھی محمدؐ کے پیدا ہوتے ہی پہچان گیا کہ تمام دنیا سے افضل و بہتر بزرگ تر محمدؐ ہی ہیں شیطان تو بچپنے ہی میں صورت دیکھ کر پہچان لے۔ تف انسان تجھ پر

کہ جب رسولؐ کو رسالت مل چکی ہو سن رسیدہ ہو چکا ہو۔ پھر تو مدتوں سے دیکھ رہا ہو لڑائی اور صلح میں اس کے ساتھ ہو اس پر کبھی تیرے دل میں نبیؐ کی طرف سے شک باقی ہو۔ جہاں ایسے نادانوں کی کمی نہ تھی وہاں ایسے لوگ بھی موجود تھے۔ جن کا ایمان پیغمبرؐ کے ساتھ ہی قوی سے قوی تر ہوتا گیا۔ کچھ ایسے لوگ تھے جو معجزات دیکھ کے پیغمبرؐ پر ایمان لائے مگر جب سے ایمان لائے اس وقت سے دل میں شک نہ ہوا کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبیؐ کے دہن اقدس سے صرف کلام سن کر بت پرستی چھوڑ دی۔ مگر جب سے صنم پرستی چھوٹی تو دل سے چھوٹی کہ پھر خالص خدا پرستی میں ساری عمر گزر گئی نہ کبھی کفر کی یاد تازہ ہوئی نہ پتھر کی حسین صورت ان کے دل کو کھینچ سکی۔ نہ آستینوں میں رکھ کر بتوں کو سجدہ کیا۔ کچھ ایسے بلند پایہ لوگ بھی تھے جو صرف نبیؐ کا انداز معاشرت دیکھ کر دلدادہ ہو گئے۔ اور اسی شمع رسالت کا پروانہ بن گئے۔ کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے صرف ایک بار گفتگو کی اور کچھ کلام رسالتؐ کا ایسا اثر ہوا کہ کفر کی کثیف چادر اتار کر اسلام کی نورانی عبا زیب تن کر لی۔ چنانچہ چالیس یہودی خدمت رسولؐ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ نعوذ باللہ اے کذاب ہم نے سنا ہے کہ تم دعوائے رسالت کرتے ہو۔ حالانکہ آدمؑ و نوحؑ بلکہ تمام انبیاء جس قدر بھی گذرے ہیں۔ سب تمؐ سے بہتر ہیں۔ جناب رسالتمآبؐ عبداللہ ابن سلام کی طرف مخاطب ہو گئے اور فرمایا اے عبداللہ تو

میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔ چونکہ یہودی توریت کو مانتے تھے۔ اس لیئے آپؐ نے اسی کو درمیان میں رکھا۔ اس پر تمام یہودی راضی ہو گئے، آپؐ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ آدم میں کیا فضیلت تھی۔ انہوں نے کہا وہ نبیؑ تھے آپ فرمایا کہ دیکھو اسی توراۃ میں لکھا ہے کہ ایک منادی درمیان آسمان و زمین پانچ بار ندا دے گا۔ کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو آدمؑ نبی تھے۔ اور میں خدا کا رسولؐ ہوں۔ پھر رسولؐ نبیؑ سے کیا افضل نہیں ہوتا۔ اور اے عبداللہ کیا تم نے پڑھا نہیں ہے کہ قیامت کے دن لوائے احمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ یہودیوں نے ایک زبان ہو کر کہا:-

صَدَقْتَ يَا مُحَمَّدُ وَهُوَ مَكْتُوْبٌ فِي التَّوْرَاةِ

اس کے بعد عبداللہ نے کہا اچھا موسیٰؑ تو آپؐ سے بہتر تھے۔ جن سے خدا نے باتیں کیں۔ اور آپؐ سے باتیں کبھی خدا نے نہیں کیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور وہاں سے ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کو طے کرتا ہوا جنت ماویٰ سے گذرتا ہوا جب ساق عرش تک پہنچا تو آواز آئی کہ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الرَّءُوْفُ الرَّحِيْمُ ۝

اس وقت میں نے جاہ و جلال و عظمت باری کو چشم ظاہری سے نہیں بلکہ نگاہ قلب سے دیکھا۔ تمام یہودیوں نے تصدیق کی

کہ صَدَقْتَ یَا مُحَمَّدُ وَهُوَ مَکْتُوْبٌ فِی التَّوْرَاۃِ
یہودیوں نے عرض کیا کہ بتائیے کہ نوحؑ پر آپ کو کیوں کر فضیلت حاصل ہے۔ حالانکہ قدرت نے ان کے سفینہ کو کوہ جودی پر روکا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے کہ قدرت نے ان کے سفینہ کو پانی پر جاری کر کے کوہ جودی پر روکا۔ مگر مجھے نوحؑ سے بہتر مرتبہ عطا کیا۔ تم نے توراۃ میں نہیں دیکھا کہ میں مالک حوض کوثر ہوں۔ یہودیوں نے کہا اچھا ابراہیمؑ تو آپ سے بہتر ہیں۔ جنہیں خدا نے اپنا خلیل بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے مگر خلیل سے حبیب ہونا بہتر ہے۔ ابراہیم علیہ خدا کے خلیل تھے۔ اور میں خدا کا حبیب ہوں۔ یہودیوں نے کہا اچھا سلیمانؑ تو آپ سے بہتر تھے کہ جن کو خدا نے ہوا پر اڑنے والا تخت مرحمت فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہاں سلیمانؑ کو تخت ملا تھا۔ جو ہوا پر اڑتا تھا۔ اور مجھے وہ براق مرحمت ہوا ہے۔ جس نے زمین سے منزلِ قاب قوسین تک پہنچایا۔ یہ سننا تھا کہ یہودیوں نے بلند آواز میں کہا۔ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ط وَاَنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ؏ بہر حال یہ وہ لوگ تھے کہ جو تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد ایمان لائے اور کچھ وہ لوگ تھے کہ جن کو گفتگو کی بھی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اندازِ رفتار دیکھ کر سمجھ لیتے تھے۔ کہ یہ خدا کے فرستادہ نبیؐ ہیں۔ کچھ وہ ذکی الحس لوگ تھے۔ کہ صورت دیکھتے ہی اس شمع رسالت کے پروانہ بن جاتے

تھے۔ مگر دنیا میں اگر تلاش کیجیے تو ایسے نہ ملیں گے۔ کہ جو پیدا ہوتے ہی نورِ رسالت سے رسولؐ کو پہچان لیتے ہوں۔ جیسا اس مولودِ حرم کے جو آغوشِ رسولؐ میں آتے ہی آنکھ کھول کے پہچان کے پکار اٹھا۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ سَلَامٌ عَلَیْکَ۔

بہر صورت پیغمبرؐ پر ایمان لانے والے ایمان لاتے گئے۔ لیکن جب کفارِ مکہ نے اہلِ ایمان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو ان لوگوں نے ہجرت کبھی حبشہ کی طرف کبھی یمن کی طرف کبھی دوسرے مقامات کی کی آخر بعض مدت مرکزِ اسلام بدلنا پڑا اور گروہِ اہلِ ایمان اپنے پیارے وطن کو الوداع کہہ کر پیغمبرؐ کے ساتھ وارد مدینہ ہوئے مدینہ میں پہنچتے ہی قادرِ مطلق نے ضعیف کو قوی بنایا۔ شوکتِ اسلام کچھ ایسی روز افزوں ہوئی کہ آخر جہاد کا فریضہ ادا ہونے لگا۔ چوں کہ خدا کو معلوم تھا کہ دنیا ایک دن محض ہجرت پہ ناز کرے گی۔ اور اسی کو حاصلِ فضائل واکمل شرف سمجھے گی۔ اس لیے قدرت نے چاہا کہ میں واضح کر دوں کہ ہجرت ہے شرف مگر کب شرف ہے اگر کوئی شخص محض ہجرت کر لے۔ تو گو اس نے وطن چھوڑا گو اس نے اہلِ قبیلہ چھوڑے اپنے مکانات چھوڑے اپنی زراعتیں چھوڑیں۔ مگر ممکن ہے طمعِ نفس میں ہجرت کی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ زندگی بچانے کے لیے ہجرت کی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہجرت، ہجرت نہ ہو بلکہ حسبِ عادت فرار ہو تو ایسی ہجرت سبب شرف نہیں بن سکتی۔ بلکہ وہ ہجرت شرف ہے۔ اور ان مہاجرین کے لیے

مغفرت و رزق کریم ہے جو ہجرت سے پہلے ایمان لائے ہوں۔ اور ہجرت کے بعد راہِ خدا میں جہاد کیا ہے۔ اس لیے کہ اگر ایمان نہیں لائے اگر بظاہر ایمان لائے بھی مگر دلوں میں خمک نبوّت کی طرف سے موجود رہا تو پیغمبر کا ساتھ حقیقت میں ایسے لوگوں کا نہیں ہو سکتا۔ اگر ہے مہاجر اور حقیقت ایمان سے بے بہرہ تو سمجھیئے کہ جسد بے رُوح ہے یا گل بے خوشبو یا صبح بلا نسیم ہے یا باغ بے بہار ہے۔ یاد رکھیئے کہ اگر مہاجر بے ایمان ہے۔ تو یقین کیجیئے کہ وہ ایسا حاجی ہے جو انسان صورت مگر حیوان ہو یا ایسا بادشاہ ہے جو عادل نہ ہو۔ یا ایسا عابد ہے جو صحیح راستہ پر عبادت نہ کرتا ہو۔ یا ایسا نمازی ہے جو بے وضو ہو۔ یا ایسا صائم ہے جو بے نیت ہو یا ایسا زکوٰۃ دینے والا ہے جو اپنی شہرت کے لیے زکوٰۃ دیتا ہو۔ یا ایسا مجاہد جو بھاگنے کی نیت سے جہاد میں گیا ہو۔ یا ایسا تاجر ہے جس کے پاس صرف کھوٹا مال ہو۔ ایسا خلیفہ ہے جو معصوم نہ ہو۔ اس لیے ہجرت میں تقدم ایمان کی شرط لگائی گئی ہے۔ کہ حقیقتاً مہاجر وہی قابل شرف ہے جو ہجرت کے پہلے ایمان لا چکا ہو۔ دوسری شرط یہ لگائی کہ ہجرت کے بعد جہاد کرے راہ خدا میں۔ اس وقت وہ مہاجر، مہاجر کہلانے کا مستحق ہو گا۔ اس لیے کہ جب مہاجر ہجرت کے بعد مہلک مقامات پر اپنے نفس کو پیش کر دے گا۔ جب مصائب کو اپنا نصب العین بنا لے گا جب میدان جنگ کو جولانگاہ بنائے گا۔ جب ہر مہلکہ میں پیش پیش ہو گا جب جز

ہوئی آتشِ جنگ میں کود پڑے گا۔ اس کا عمل خود بتا دے گا کہ
اس نے خوف سے ہجرت نہیں کی تھی۔ اپنے نفس کی طمع میں ہجرت
نہیں تھی۔ اپنی جان بچانے کے لیے نہیں ہجرت کی تھی بلکہ اسکا ہر عمل
منشاء الٰہی کے مطابق اور اس کے حکم کے موافق تھا۔ جب اس نے
حکم ہجرت دیا ہجرت کر گئے۔ جب میدان میں لڑنے کا حکم بلا تو
سر بکف ہو گئے۔ صلح و جہاد دونوں حکم الٰہی کے تابع ہیں۔ خدا
کی درگاہ میں ایسے مہاجرین کی ہجرت قابلِ قبول نہیں ہے جنہوں نے
میدانِ جنگ کا رخ نہ کیا ہو۔ اور اگر پیغمبر نے کہا بھی ہو اس کے مقابلہ
میں کون جائے گا۔ تو وہ مایوس کن جواب دیا ہو کہ ہمتیں کرنے
والوں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں۔ اور اگر بمجبوری جہاد میں قدم رکھا ہو
تو، یا موقع پا کر بھاگ آئے ہوں یا بے لڑے علم لے کر واپس
آئے ہوں۔ ایسے لوگ مہاجر نہ کہلائیں گے۔ کیونکہ ان کا عمل خود دلیل ہے
کیوں کہ انہوں نے ہجرت محض جان بچانے کے لیئے کی تھی خدا کا حکم
سمجھ کر ہجرت نہیں کی تھی۔ پھر ایسے مہاجر خدا کے نزدیک نہ قابل
مغفرت ہیں نہ قابل رزق کریم۔

امام رازی اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ رزق کریم سے مراد،
نعمات آخرت و ثواب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن مہاجرین
نے جہاد نہیں کیا وہ خود قابل بخشش نہیں ہیں تو پھر دوسروں کو کیا بخشوائیں
گے۔ اور خود جنت پانے کے اہل نہ بن سکے تو دوسروں کو کیا جنت

میں لے جائیں گے۔ جنت میں لے جانے والا وہی ہو سکتا ہے کہ جو ہجرت سے پہلے پیغمبر پر صدق دل سے ایمان لایا ہو اور ہجرت کے بعد ہر محل پر جہاد میں سب سے آگے ہو جس نے عمرو کا سر کاٹا ہو۔ اُحد کا میدان تنہا فتح کیا ہو۔ خیبر کا درہ اکھاڑا ہو۔ مرحب کو ایک وار میں دو ٹکڑے کیا ہو۔

امام رازی تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ میں کرتے ہیں کہ عہد رسول میں چار قسم کے مومن تھے کیوں کہ پیغمبر نے مکہ میں اظہار نبوت کر کے لوگوں کو دین الٰہی کی دعوت دی اس کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف منتقل ہو گئے۔ اس وقت مومنین کی دو قسمیں ہو گئیں۔ ایک وہ تھے جنہوں نے حکم رسولؐ سر تسلیم خم کر دیا۔ اور آپؐ کے ساتھ مکہ چھوڑ دیا۔ کچھ وہ تھے کہ جنہوں نے حضرتؐ کے ساتھ ہجرت نہیں کی وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی وہ مہاجرین مومنینؓ ہیں۔ یہ پہلی قسم ہے جن کو انہوں نے اشرف مومنین شمار کیا ہے۔ دوسری قسم یعنی لوگوں نے باوجود حکم پیغمبر ہجرت نہیں کی ان کی بھی دو قسمیں۔ کچھ وہ ہیں جنہوں نے، بعد میں ہجرت کی ان کے متعلق قرآن میں تذکرہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا وہ تم ہی میں سے ہیں۔ یہ دوسرے مرتبے کے مومنین مہاجرین ہیں۔ جن کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔ تیسرے وہ مومنین ہیں جن کو ہجرت کا کوئی موقع ہی نہ تھا یعنی جو رسولؐ کو مدینے میں آنے کے بعد ملے۔ جن کو انصار کہتے ہیں۔ چوتھے وہ گروہ مومنین ہے کہ جنہوں نے ہجرت تو نہیں کی مگر اسلام پر قائم رہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے لوگ جن سے پیغمبر نے کہا ہو کہ ہجرت کرو اور وہ ہجرت نہ کریں۔ ان کا شمار مومنین میں کیسے رہ سکتا ہے۔ اگر امام رازی کے یہاں ایمان ایسا سستا ہو کہ باوجود مخالفت حکم خدا اور رسولؐ ایمان باقی رہے تو ہو۔ مگر میرے خیال میں ایسے لوگ جنہوں نے صاف صاف حکم خدا و رسولؐ کی مخالفت کی وہ ایمان پر باقی نہیں رہ سکتے۔ لیکن وہ کریں کیا اگر ہماری طرح اتباع خدا اور رسولؐ کا نام ایمان رکھتے ہیں تو مجمع اسیطرح چھٹا جاتا ہے۔ جس طرح ہم اس کثیر مجمع سے کھرے کھوٹے چھانٹ لیتے ہیں اس لیے کہ جن لوگوں نے ہجرت میں رسولؐ کی موافقت نہ کی۔ اگر ان کو مومن نہ کہیں تو پھر جن لوگوں نے جہاد میں رسولؐ کی مخالفت کی جن لوگوں جیش اسامہ کے ساتھ جانے میں رسولؐ کی مخالفت کی جنہوں نے طلب رسولؐ کو جلانے میں رسولؐ کی مخالفت کی جنہوں نے قبور کو روز بروز بھیجنے میں رسولؐ کی مخالفت کی ان سب کو مومنین کی صف سے نکالنا پڑے گا۔ اس مجبوری نے امام رازی کو مشکلوں میں ڈال دیا کہ ہجرت کے مخالفین کو مومن کہنا پڑا مگر قرآن صاف صاف کہہ رہا ہے کہ ـــــ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۔ جو ایمان لائے تھے۔

مگر ہجرت نہیں کی ایسے ایمان لانے والو، تم کو ان سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ جب تک ہجرت نہ کریں۔ پھر ہم تو خدا کے خلاف ایسے لوگوں سے مطلب نہیں رکھ سکتے۔ ان کو جو حکم خدا نے دیا ہے کہ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے کوئی مدد مانگیں تو ان کی مدد کر دو۔ اس سے یہ نہ سمجھیئے گا کہ وہ مومن ہو گئے۔ بلکہ انہوں نے مدد ایسے معاملہ میں مانگی ہے جس کا تعلق دین الٰہی سے ہے تو انکی مدد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ ایسا حق ہے۔ جس طرح کوئی عیسائی مسجد بنوانا چاہتا ہو اور آپ سے مدد مانگے یا کوئی کافر تعزیہ رکھنا چاہتا ہو۔ اور آپ سے مدد مانگے تو آپ کا فرض ہے کہ اس کو مدد دیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر مومن کسی ایمانی معاملہ میں مدد مانگے اور ہم انکی مدد کر دیں۔ تو اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ مومن ہو گیا۔ وہ رہے گا کافر۔ مگر ہماری مدد تو اس کے اس فعل کی وجہ سے ہے جو ہمارے موافق ہے اس کو غور سے سنیئے اور مطلب تو سمجھنے کی کوشش کیجیئے۔ کہ اگر کوئی مومن کسی غیر مومن کی امر دین میں مدد کر دے تو اس سے اس غیر مومن کا ایمان ثابت نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کوئی عیسائی مسجد بنوانے کے لیے مسلمانوں سے چندہ مانگے۔ اور مسلمان اسے چندہ دے دیں۔ تو اس سے وہ عیسائی مسلمان نہ ہو جائے گا۔ بلکہ عیسائی ہی رہے گا۔ یا کسی کافر کو تعزیہ رکھنے کے لیئے

مناسب تدابیر کوئی مومن بتا دے تو اس سے وہ کافر مومن نہ ہو جائے گا۔ رہے گا کافر ہی چونکہ اس کا یہ ایک فعل مستحن اور ہمارے موافق ہے۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو مدد دیں چنانچہ امام رازی نے اس کے متعلق نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ مَا لَكُمْ مِنْ وَّلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا تو زبیر اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہؐ اگر کسی معاملہ میں یہ لوگ ہم سے مدد مانگیں تو ہم انہیں مدد دے دیں یا نہیں۔ اس وقت یہ آیت اتری کہ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اگر تم سے دین الٰہی کے بارے میں مدد مانگے تو تمہارا فریضہ ہے کہ ان کو مدد دو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دینی کام میں کسی کی مدد کریں تو اس مدد سے اس کا ایمان ثابت نہ ہو جائے گا۔ آج ہم سے دنیا کہتی ہے۔ کہ علی نے فلاں معاملہ میں فلاں کی مدد کی فلاں کام میں فلاں کو مشورہ دیا۔ اور اس مقام پر فلاں کی مدد کی پھر اگر وہ مومن نہ ہوتے تو امیر المومنینؑ ان کی مدد کیوں کرتے بندہ پرور یہ سچ ہے کہ علیؑ تو مشکل کشا تھے۔ ہر دوست و دشمن کی مدد کرتے تھے۔ یہ مدد صرف اس لیئے تھی۔ کہ وہ کام اچھا تھا۔ نہ اس لیے کہ کرنے والا مومن تھا۔ آج ہندوستان میں ایسی مسجدیں اور ایسے امام باڑہ موجود ہیں۔ جو کفار کے بنوائے

ہوئے ہیں۔ اور مسلمان بادشاہوں نے اس میں ان کی مدد کی۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ چونکہ مسجد و امام باڑہ بنوانے میں مسلمان بادشاہوں نے ان کی مدد کی لہٰذا وہ مسلمان ہو گئے ہیں اگر کسی اچھے کام میں علیؓ نے ان کی مدد اس لیے کر دی ہو کہ کام ان کا ہو۔ اور ثواب میرا ہو تو کونسا مضائقہ ہے۔ رہ گئے انصار و مہاجرین اوّلین و مہاجرین من بعد یہ دونوں طبقہ اس قابل ہیں کہ ان کا شمار مومنین میں کیا جائے ہو سکتا ہے کہ جنہوں نے بعد میں ہجرت کی۔ خیر گناہ تو کیا تھا۔ مگر توبہ تو کر لی۔ صبح کا بھولا شام کو اگر گھر لوٹ آئے تو اُسے بھولا نہیں کہتے۔ لیکن امام رازی نے ان تینوں کو بلا کسی شرط کے مومن تسلیم کر لیا ہے۔ مگر میں تو وہی لکھوں گا جو قرآن کہتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے ان تینوں کیلئے شرط لگائی ہے۔ اگر وہ شرط پائی گئی تو ان کا ایمان اور ہجرت دونوں قابل قبول ہے۔ ورنہ نہ ایمان قابل قبول ہے۔ نہ ہجرت۔ چنانچہ مہاجرین اوّلین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اپنے مال کے ساتھ اور اپنے نفس کے ساتھ بھی۔ معلوم ہوا کہ مہاجرین اوّلین وہی قابل شرف ہیں۔ جنہوں نے مال و نفس دونوں کا جہاد، راہ خدا میں کیا ہو۔ اگر جہاد مال و نفس سے

کیا تو پھر ان کی ہجرت قابل فخر نہیں ہو سکتی۔ ایسے لوگ جنہوں نے ہجرت کے بعد ہر میدان میں اپنی جان بچائی ہو۔ بلکہ رسولؐ کو میدان میں تنہا دشمنوں کے درمیان چھوڑ کر خود پہاڑ پر پناہ لی ہو وہ مہاجرین مہاجرین کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ نہ کبھی کسی کو زخم لگایا۔ نہ خود زخم کھایا۔ بھلا ان کی ہجرت سے فائدہ ہی کیا ہوا۔ اور جہاد مال کی حالت کہ ایک خرمہ رسولؐ سے گفتگو کرنے میں عزیز کیا ہو ایسے لوگ اس قابل نہیں کہ وہ مہاجر کہلائے جاسکیں۔ یا ان کی ہجرت قابل عزت ہو۔ ہاں ہجرت اُنکی ہجرت ہے جس نے مدینہ آتے ہی جہاد نفس ایسا کیا ہو کہ کفار کے دلوں پر اس کے نام کا سکہ بیٹھ گیا ہو۔ اور جہاد مال ایسا کیا ہو۔ خود فاقہ کر کے یتیم و مسکین و اسیر کو روٹیاں اُٹھا دی ہوں۔ تو سورہ دھر مدح کرتا ہوا اترا ہو۔ اگر رکوع میں ایک انگوٹھی دیدی ہو تو ولایت کا تاج خدا کی طرف سے آیت لے کے اتری ہو۔ دوسرا طبقہ انصار کا ہے قرآن نے وہاں بھی قیادت فرمائی ہے وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا۔ وہ لوگ جنہوں نے رسولؐ کو ماننے کے بعد اپنے یہاں جگہ دی اور اس کے بعد رسولؐ کی نصرت کی اب اگر انصار پیغمبرؐ کی نصرت کریں۔ تو اُس وقت وہ انصار ہونے پر فخر کر سکتے ہیں۔ اور جو نصرت ہی نہ کریں۔ تو ان کو انصار میں شمار کرنا۔ لفظ انصار کو بے معنی کرنا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں نے بعد

میں ہجرت کی، ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا
مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ۔
جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور اس وقت ہجرت کی اور جہاد کیا
راہ خدا میں۔ معلوم ہوا کہ یہ مہاجرین بھی جہاد کریں راہ خدا میں
تو ان کی ہجرت قابل مدح ہو سکتی ہے۔ اور اگر جہاد نہ کریں تو ان کی ہجرت
بیکار ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ وہ مہاجرین ہوں یا انصار
پہلے ہجرت کی یا بعد میں کی ہو۔ اگر ایمان و جہاد نفس و مال کے ساتھ
ساتھ ہے۔ تو وہ قابل مدح بن سکتے ہیں۔ اور اگر ایمان و جہاد سے
الگ ہو گئے تو ایسی ہجرت عبث ہو کے رہ جائے گی۔ اور وہ مہاجر
اسلام کی نظر میں قرآن کی نظر میں، خدا کی نظر میں ایمان والوں کی نظر میں
قابل عزت نہیں بن سکتا۔ امام رازی اس آیت کی تفسیر میں کہتے
ہیں کہ بلند مرتبہ ہو گا جس نے اپنے وطن، اپنے املاک اپنے
اقربا، اپنے اموال کو محض پیغمبرؐ کے ساتھ ہجرت کیلئے چھوڑ دیا ہو
اس کا عمل دلیل ہے۔ کہ وہ ایمان کے بلند مرتبہ پر فائز ہے۔ اور
نبیؐ کا سچا جانثار ہے۔ افسوس ہے کہ امام رازی نے غور نہیں
کیا۔ ورنہ خود واضح ہو جاتا کہ ساتھ چھوڑنے والے اکثر ہدایت
ہی سے منحرف ہو گئے ہیں اسی لیئے ہم کہتے ہیں کہ ہجرت کس کس
کی بلکہ یہ دیکھو کہ ہجرت کے بعد ثابت قدم کون کون رہا۔ اگر آپ
آدمؑ سے لے کر خاتم المرسلینؐ تک دیکھیں گے تو ہجرت سے

ہجرت کرنے والے ایسے ملیں گے۔ جنہوں نے نبی کے قتل کی تدبیریں کی یا احکام نبی کی صریح مخالفت کی ایمان سے دور ہو گئے۔ چنانچہ جناب عیسیٰ اپنے مقام چھوڑ کر دوسرے شہر میں جا رہے تھے۔ آپ کے اصحاب میں سے تین شخص آپ کے ہمراہ چلے راہ میں ایک سونے کی اینٹ نظر آئی جناب عیسیٰؑ نے فرمایا یاد رکھنا یہ اینٹ وہ ہے۔ جو لوگوں کو قتل کروا دے گی یہ کہہ کر آگے بڑھے۔ اتنے میں ایک صاحب اس سونے کی طمع میں جناب عیسیٰؑ سے کہنے لگے کہ یا نبی اللہ مجھے ایک بڑی ضرورت وطن واپس جانے کی ہے۔ میرا ایک سخت کام تھا۔ جس کا خیال نہ رہا۔ آپ اجازت دیں تو میں واپس جاؤں۔ یہ کہہ کر چل دیئے۔ چلے تھے نبی کی ہمراہی میں لیکن مال دیکھ کر پھر نبیؑ کی ہمراہی کا خیال رہے۔ ذرا مشکل ہے۔ یونہی رفتہ رفتہ کچھ دور بڑھ کر دوسرے نے واپسی کا خیال ظاہر کیا اور وہ واپس ہوا۔ اور بڑھے، تیسرے انتہا کی دور واپس ہوا۔ اور جو بیٹھا وہ اسی سونے کی ہوس میں چلا یہاں تک تینوں اسی کے پاس پہنچ گئے۔ امام رازی کو غور کرنا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰؑ کے تین ساتھی تینوں نبیؑ کے ساتھ چلے تھے۔ مگر جب مال دنیا سامنے آیا۔ تو نبیؑ کی ہمراہی کا شرف بھول گئے۔ تین کے تینوں اسی طرف پلٹ آئے ہر ایک نبیؑ کے ساتھ چلنے والا ایمان دار اور سچا فدائی ہوتا تو حضرت عیسیٰؑ کے تینوں ساتھی نظر اٹھا کے ادھر نہ دیکھتے۔ اور شرف ہمراہی نہ چھوڑتے۔ مگر دولت دیکھ کر تینوں کا ایمان رخصت ہو گیا۔ وہاں

پہنچ کر تینوں نے دل میں خیال کرنا شروع کیا کہ یہ اینٹ ہم کو مل جا
تو اچھا تھا۔ آخر دو نے تیسرے سے کہا کہ بھائی ذرا جا کر کچھ کھانا خر
لاؤ۔ تاکہ پہلے کھالیں تب یہاں سے چلیں۔ وہ کھانا لینے چلا
راستہ میں خیال آیا کہ اگر کھانے میں زہر ملا دیں تو یہ دونوں کو
ختم ہو جائیں۔ اور اس پوری اینٹ پر میرا قبضہ ہو جائے۔ کھا
خریدا اس میں زہر ملا دیا۔ اُدھر ان دونوں نے مشورہ کیا کہ آخر تین ح
کیوں کریں۔ بلکہ ہم ہی دونوں تقسیم کر لیں۔ جیسے ہی وہ آئے
قتل کر دیں۔ اِدھر وہ کھانا لے کر آیا۔ دونوں نے اس پر حملہ کر کے
اسے قتل کر دیا۔ قتل کر کے اطمینان ہوا۔ تو کہنے لگے آؤ کھانا کھا
پھر چلیں گے۔ یہ کھانا کیوں ضائع ہو۔ کھانا کھاتے ہی زہر نے اپنا
کیا۔ اور وہ دونوں بھی اسی جگہ ٹھنڈے ہو گئے۔ جب جنا
عیسیٰؑ اس طرف واپسی میں نکلے۔ دیکھا اینٹ بیچ میں پڑی ہے
اور وہ تینوں گشتگان طمع دنیا اس کے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سو
رہے ہیں۔ اب فرمایئے کہ چلے تھے نبیؑ کے ساتھ۔ مگر صرف ایک
اینٹ سونے کی ایسی جاذب نظر ہوئی کہ سارا شرف ہمراہی بھول گئے
جب نبیؑ کے ساتھی سونے کی ایک اینٹ پر شرف ہمراہی بھول گئے
تو پھر میدان جنگ میں جان کی طمع شرف ہمراہی اگر بھلا دے
کونسا تعجب ہے۔

اسی طرح جناب موسیٰؑ نے بحکم خدا جب بنی اسرائیل کو لے کر

مصر سے ہجرت کی اور قریب دریا پہونچ کر لشکر فرعون کو آتا..... دیکھ کر بنی اسرائیل جنھوں نے موسیٰؑ کے ساتھ اپنا وطن اپنا مال و زراعت چھوڑی تھی۔ لشکر فرعون کو دیکھ رونا شروع کر دیا۔ اور جناب موسیٰؑ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ کہ اے موسیٰؑ تم نے ہم کو دھوکا دیا تم ہم کو یہاں مارنے کے لیئے لائے ہو۔ اس سے بہتر تھا کہ ہم وہیں قتل ہو جاتے۔ اور اس طرح کی بے بسی کی موت نہ مرتے۔ دیکھو موسیٰ یہ فرعون اور اس کا لشکر آپہنچا، جان کا خطرہ جب پیدا ہوا نبیؑ کے ساتھ ہجرت کرنے کو اپنی غلطی اور موسیٰؑ کی دھوکے بازی قرار دینے لگے۔ رونا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا کہ اگر نبیؑ کے ساتھ کوئی مہاجر ہجرت کرے اور دشمنوں کو دیکھ کر نبیؑ سے بدظن ہو کے رونا شروع کر دیا۔ تو تعجب نہ کیجیئے گا یہی ہوتا آیا ہے۔

آخر موسیٰؑ نے ہاتھ اٹھا کے دعا کی۔ وحی آئی، موسیٰؑ اپنی عصا، پانی پر مارو، ہم سنتے آئے ہیں کہ لاٹھی مارنے سے پانی جدا نہیں ہوتا مگر کیا خدا داد طاقت تھی عصا، موسیٰ میں جس نے پانی کے دو حصے کر دیئے بنی اسرائیل موسیٰ کے ساتھ عبور کر گئے۔ اتنے میں فرعون اپنے لشکر کو لیے دریا کے کنارے پہنچا۔ دیکھا کہ پانی کے دو حصے ہو گئے ہیں اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ دیکھو میری قدرت میرے حکم کا دریا تابع ہے۔ میں نے کہہ دیا پانی کی چادریں الگ ہو گئیں۔ اور میرے لیے راستہ تیار کر دیا۔ یہ کہتے ہی اپنا گھوڑا اسی راستہ میں ڈالا

اور اس کے لشکر والوں نے بھی اپنے گھوڑے ڈال دیئے ۔ اور
دریا میں داخل ہو گئے ۔ ادھر پورے لشکر کا بطن دریا میں آنا تھا کہ پانی
کی لہر آئی دونوں حصے مل گئے ۔ جب فرعون کا دم پانی میں گھٹا تو کہنے
لگا اے پیدا کرنے والے میں تجھ پہ ایمان لاتا ہوں ۔ تیرے سوا کوئی خدا
نہیں ہے ۔ پس اگر خدا ہے تو وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں
اور نجات دینے والے اب میں مسلمان ہوتا ہوں ۔ جواب ملا اے فرعون
اب ایمان لاتا ہے ۔ جب میری حجت تمام ہو چکی ۔ تو نے دنیا میں
بہت فساد برپا کیا ۔ تمام قوم کے اجسام کا پتہ نہ چلا ۔ مگر فرعون
کا جسم کنارے آب نظر آنے لگا ۔ یہ بھی خدا کی مصلحت تھی ۔ تاکہ
فرعون کا جسم مردہ دنیا والے دیکھیں تاکہ سمجھیں خدا چھپ رہا ۔ دیکھ
لیں ۔ جسم مردہ گواہ ہے ۔ فرعون اگر خدا ہوتا تو موت نہ آتی جناب
موسیٰ نے جب بنی اسرائیل کو خبر دی کہ فرعون غرق ہو کر مر گیا ہے
تو وہ لوگ کہنے لگے ۔ موسیٰ کیسی باتیں کرتے ہو وہ ایسا نہ تھا ۔ کہ
اسے موت آ جائے ۔ وحی آئی کہ موسیٰ ساحل پہ لے جا کر ان کو
فرعون کا مردہ جسم دکھا دو ۔ بہرحال اہل دنیا عبرت حاصل
کر رہے تھے ۔ کہ جو خدائی کا دعویٰ کر رہا تھا ۔ آج وہ اپنے
اختیار سے ہل تک بھی نہیں سکتا ۔ کل جو دوسروں کو پیدا کرنے
کا مدعی تھا ۔ آج اپنی روح کو بلا نہیں سکتا ۔ کل جو دوسروں کا
حیات بخش بنتا تھا ۔ آج خدا کی بھیجی ہوئی موت کو ٹال نہیں سکتا

کل جو دوسروں کو بنانا اپنا حق سمجھتا تھا آج خود یوں بگڑ کر بن
نہیں سکتا۔ موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لیے ہوئے جا رہے تھے کہ راہ میں
ایک بت نظر آیا۔ بنی اسرائیل کا دل کھنچ گیا۔ کہنے لگے۔ موسیٰؑ ہمیں
بھی ایسا خدا بنا دیجئے۔ لیکن نبیؑ سب کو سنبھالے ہوئے لا رہا تھا۔
آخر جب انھیں مہاجرین کو عمالقہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔
تو بہت سے گمراہ ہو گئے۔ اور جو بچ رہے تو جب وقت موسیٰؑ
غائب ہوئے اور ہارونؑ کو اپنا قائم مقام بنا کے اپنے خلیفہ کے سپرد
بنی اسرائیل کو کیا۔ سوا دو چار کے سب گوسالہ کو پوجنے
لگے۔ اور گمراہ ہو گئے یہ تھے موسیٰؑ کے ہجرت کرنے والے۔ انصاف
کیجئے۔ جس طرح موسیٰؑ کے ساتھی کچھ تو وقت جنگ گمراہ ہوئے اور کچھ
موسیٰؑ کے بعد زمانۂ ہارونؑ میں گمراہ ہوئے۔ اسی طرح ہمارے نبیؐ
کے ساتھ ہجرت کرنے والے۔ کچھ حکم جہاد میں ناکام ہو جائیں
اور جو بچ رہیں۔ ان دو چار گنے چنے کے سوا سب آپؐ کے قائم
مقام کے عہد میں گمراہ ہو جائیں تو کونسی تعجب کی بات ہے۔
سب جانے دیجئے جب حضرت آدمؑ نے بحکم خدا جنت سے
ہجرت کی تو آپؑ کے ساتھ ابلیس بھی نکالا گیا تھا۔ اور جنت چھوڑ
کر دنیا میں آیا تھا۔ مگر بجائے اس کے کہ ہجرت سے فائدہ اٹھا کر توبہ
کرتا۔ اور گمراہ ہو کر شیطان بن گیا۔ جب آدمؑ کے ساتھ ہجرت
کرنے والا شیطان بن گیا۔ اور کسی نبیؐ کے ساتھ ہجرت کرنے والے کے

لیے۔ کیا ضروری ہے کہ وہ نیک ہی رہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آدم کو۔ جس طرح خدا نے جنت سے ہٹایا۔ ابلیس کو بھی نکالا۔ اور انبیاء نے کفار کی وجہ سے ہجرت کی۔ مگر بہرصورت ابلیس ہجرت میں آدم کے ساتھ تھا۔ لیکن آدم آدم رہے اور شیطان شیطان رہا۔ پھر اگر نبی نبی رہے۔ اور منافق منافق رہے۔ تو کونسا تعجب ہے۔ ہاں کہیں آپ کو ایسا مہاجر بھی ملے گا کہ جو اچھا نہ تھا۔ مگر اچھوں کے ساتھ ہجرت کرنے سے اچھا ہو گیا۔ چنانچہ جب اصحاب کہف نے ہجرت کی اور ان کا کتا ان کے ساتھ مہاجرین کر غار تک آیا چونکہ جان کے خوف سے نہیں مال کی طمع میں نہیں۔ کسی دولت کی لالچ میں نہیں آیا تھا۔ اس لیے آتے ہی دونوں ہاتھوں کو ٹیک کر غار کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ نہ جھجکا نہ رویا۔ نہ گڑگڑایا۔ نہ ڈرا۔ نہ خوفزدہ ہوا۔ نہ گھبرایا۔ نہ بوکھلایا۔ نہ فریاد کی۔ نہ بھونک کے مالک کا پتہ دشمنوں کو بتایا۔ بلکہ حفاظت کے لیے اصحاب کہف کا اطمینان کے ساتھ دربان بن گیا۔ قدرت اس انداز کو دیکھ رہی تھی کہ ان اہل ایمان کے ساتھ ہجرت کرنے والا کتا ہی سہی مگر ایسا ہے کہ جو جان دینے پر تیار ہے۔ حکم ہوا کہ اچھا۔ ہم نے اس کتے کو پاک کیا۔ چند ایمان والوں کے ساتھ ہجرت کرنے والا کتا پاک ہو گیا۔ تعجب ہے انسان پر خاتم المرسلین کے ساتھ ہجرت کر کے پاک نہ ہو سکا۔

بہر صورت معلوم ہوا کہ مطلق ہجرت قابل فخر نہیں ہے - ہاں وہ ہجرت باعث شرف ہے جس کے قبل ایمان ہو - اور جس کے بعد راہِ خدا میں جہاد ہو - ارشاد ہوتا ہے - اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں - میں نہیں کہتا بلکہ قرآن کہتا ہے کہ مومن دو طرح کے تھے - عہدِ رسولؐ میں جن مہاجرین نے راہِ خدا میں جہاد کیا - وہ تو سچے مومن تھے - اور جنہوں نے جہاد نہیں کیا وہ جھوٹے تھے معلوم ہوا کہ ترک جہاد کرنے والے مہاجرین خدا کی نظر میں سچے مومن نہ بن سکے - ذرا انصاف کیجئیے کہ جو سچے مومن نہ بن سکے وہ خدا کی نظر میں امیر المومنین کیسے بن سکتے ہیں -

اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ بننے کے لیئے ضروری ہے - کہ پہلے سچا مومن بن لے - اب سچا مومن تو وہ ہے - جو ہجرت سے پہلے ایمان لایا ہو - اور ہجرت کے بعد اس نے جہاد کیا ہو - اب امیر المومنین کو کیسا ہونا چاہیئے - کہنا پڑے گا - جو ایمان سب سے پہلے لایا ہو - بلکہ دس سال کی عمر میں ایمان لایا ہو - بلکہ کعبہ سے نکلتے ہی جب پہلی بار رسولؐ کے چہرہ پر نظر پڑی، اُس وقت ایمان لایا ہو - ہجرت یوں کی ہو کہ پیغمبرؐ کو غار کی طرف بھیج کر خود تلواروں کی چھاؤں میں بسترِ رسولؐ پر سو رہا ہو - تا کہ نبیؐ کی جان بچ جائے - - - - - - - جہاد یوں کیا ہو - کہ غبارِ میدانِ جنگ نے اٹھ کر جہاد کی گواہی دی ہو تلواروں نے چمک کے جہاد کی گواہی دی ہو - کفار کی گردنوں نے کٹ کر جہاد کی گواہی

گواہی دی ہو۔ مشرکین کی لاشوں نے تڑپ کر جہاد کی گواہی دی ہو۔
دشمنوں نے رو کر جہاد کی گواہی دی ہو اور دوستوں نے خوش ہو کے
جہاد کی گواہی دی ہو۔ نبی نے لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا فرما
کے جہاد کی گواہی دی ہو۔ خدا نے نادِ علیًا کہہ کے جہاد کی گواہی
دی ہو۔ ملائکہ نے لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ پکار کے جہاد کی گواہی دی ہو
غیروں نے مر کر گواہی دی ہو۔ اپنوں نے زندہ بچ کر گواہی دی ہو

بہرصورت اسلام اپنے نازک ترین دور سے گذر رہا تھا۔
مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات جس قدر تنگ ہو تا کم تھا۔ کفار
کی کثرت اتنی کہ تمام عرب بھرا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی قلت تعداد کا
یہ حال کہ انگلیوں پہ گننے کی بھی ضرورت نہیں۔ اُدھر قوت رہی۔ ادھر
ضعف تھا۔ اُدھر طاقت تھی۔ ادھر ناتوانی دامن گیر تھی۔ اُدھر دولت
و ثروت تھی۔ ادھر فقر و فاقہ تھا۔ اُدھر سب ایک دل تھے
ادھر بعض منافق بھی شامل تھے باوجود ان مایوس کن پریشانیوں
کے ہمارے نبیؐ کا دل مطمئن تھا۔ اس لیے کہ جانتا تھا کہ اگر اُدھر کثرت
ہے۔ تو میری طرف خدائے وحدہٗ لاشریک ہے۔ اگر ادھر طاقت
ہے تو میری طرف خالق طاقت ہے اگر اُدھر قوت ہے۔
تو میری طرف قَوِیٌّ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ الْمَکِیْن ہے اور اگر
اُدھر دولت و ثروت ہے تو میری طرف وہ غنی ہے جس کا خزانۂ قدرت
خرچ کرنے سے گھٹتا نہیں۔ اس لیے اطمینان قلب کے ساتھ مکہ میں مقیم

تھا مگر کفار قریش نے جب مشورہ کیا کہ سب مل کر نبیؐ کو قتل کرو کہ بنی ہاشم عوض نہ لے سکیں اور دس آدمیوں کی دیت محمدؐ کے عوض میں بنی ہاشم کو دیدی جائے اتنی کثیر دولت پا کر وہ بھی خاموش ہو جائیں گے مگر قدرت اسے کب گوارہ کر سکتی تھی جب یوسفؑ کی حریت دولت دُنیا پر بک رہی تھی تو خزانہ مصر حاصل ہو گیا۔ مگر خدا نے یہ گوارہ نہ کیا کہ میرے نبیؐ کی حریت دولت دُنیا پر بک جائے اگر بکے تو میرے نام پہ بکے۔ جب یوسفؑ کی حریت دولت دُنیا پر بکنا خدا کو گوارہ نہ ہو تو اپنے محبوب خاتم المرسلینؐ کی جان دولت دنیا پر بکنا کیوں کر خدا کو گوارہ ہو سکتا تھا۔

اہل عرب کا یہ مشورہ باطل، فساد کی جڑ کی قرار پا گیا۔ اس لیئے کہ اگر یہ مشورہ نہ ہوتا۔ تو کفارِ مکہ سے مسلمانوں کو اتنی عداوت نہ ہوتی۔ مگر کچھ عجیب بات ہے اہل عرب کا مشورہ کچھ ایسی فساد انگیز توں کے لیے ہوا کرتا تھا۔ اُدھر مشورہ ہوا، اِدھر خدا نے اپنے نبی کو آگاہ کر دیا کہ آج شب یہ لوگ تمہارے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا تم ہجرت کر جاؤ۔ اب اس کے بعد دوسروں کی آوازیں سنیئے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ حلبی ناقل ہیں۔ کہ جب حضرتؐ کے پاس وحی نازل ہوئی کہ اے محمدؐ خدا علی اعلیٰ آپ کو سلام کہتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ ابو جہل اور گروہ قریش نے تمہارے قتل کی تدبیریں کی ہیں۔ اس لئے تم فلاں جگہ ہجرت کر جاؤ۔ اور علیؑ کو اپنے بستر پر سلا دو۔

اے میرے محبوبؐ تم سے علیؑ کو وہی نسبت ہے۔ جو اسماعیلؑ کو ابراہیمؑ سے تھی۔ جس طرح اسمٰعیلؑ نے حکمِ ابراہیمؑ کے سامنے چھری نیچے اپنی گردن جھکا دی تھی۔ اسی طرح میرا علیؑ بھی تمہارے حکم سے ا تلواروں کے درمیان تمہاری جگہ آرام کرے گا۔ جناب رسالتمآبؐ نے امیر المومنینؑ کو بلایا۔ اور فرمایا کہ یا علیؑ .... آج شب کو کفار آئیں گے۔ تاکہ بستر پر مجھے قتل کردیں۔ مجھے خدا نے ہجرت کا حکم دیا ہے۔ کیا تم میری جگہ پر سونے کے لیئے تیار ہو۔ آپ نے فرمایا کہ یا رسول اللہؐ کیا میرے سو جانے سے آپ کی جان بچ جائے گی فرمایا کہ ہاں فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا " یہ سُن کر آپ خوش ہو گئے۔ رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ یا علیؑ تم اس بات پر راضی ہو کہ جب کفار مجھے تلاش کرنے کے لیئے آئیں۔ تو مجھے نہ پائیں بلکہ تمہیں پائیں۔ یا علیؑ خوب سمجھ لو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں قتل کر دیں۔ آپؑ نے جواب دیا۔ یا رسول اللہؐ علیؑ کی انتہائی خوش قسمتی ہے اگر اس کی روح آپؐ کی روح پر فدا ہو جائے۔ اس کا نفس آپؐ کے نفس پر فدا ہو جائے اس کی جان آپؐ کی جان پر نثار ہو جائے۔ یا رسول اللہ آپؐ کیا فرماتے ہیں۔ علیؑ کی جان اگر آپؐ کے کسی عزیز کے کام آجائے تو علیؑ خوش ہوگا۔ یا رسول اللہؐ علیؑ کو زندگی اسی وقت تک پسند ہے جب تک آپؐ کی خدمت آپؐ کے احکام کی تعمیل۔ آپکے دوستوں اور مومنوں کی مدد۔ آپ کے دشمنوں سے جہاد میں

صرف ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو علیؑ ایک ساعت دنیا میں رہنا نہیں چاہتا
یہ سننا تھا کہ رسالتمابؐ نے فرمایا یا علیؑ تم آج مجھ سے کہہ رہے ہو
مجھے میرا خدا پہلے ہی اطمینان دلا چکا ہے۔ کہ پیغمبرؐ کا اس تفصیل سے
کہنا یہ دلیل ہے کہ علیؑ کو اپنے بستر پر خود نہیں سلایا۔ بلکہ خدا
کا حکم تھا۔ اے میرے رسول اللہؐ اگر تمہارے بستر پر تمہاری جگہ پر
کوئی سو سکتا ہے۔ تو صرف علیؑ۔ دوسرا نہیں سو سکتا۔ حبیب بستر
رسولؐ پر خدا نے نہ چاہا کہ علیؑ کے سوا کسی دوسرے کا قدم پڑے۔
تو پھر خدا کیوں کر گوارہ کرتا کہ رسولؐ کے کاندھے پر کسی دوسرے کا
نجس قدم آئے۔ پیغمبرؐ نے بار بار یہی کہا کہ یا علیؑ مجھ کے بستر پر لیٹو
ایسا نہ ہو کہ قتل ہو جاؤ۔ مگر جس قدر پیغمبرؐ کہتا جاتا تھا۔ خوش ہو ہو کے
اقرار کرتے جاتے تھے۔ نبیؐ کو معلوم تھا کہ علی اس خطرہ میں مجھ پر جان
نثار کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ مگر خیال یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ جب
واقعہ ختم ہو جائے تو لوگ کہیں کہ علیؑ بے جانے بوجھے بستر پر لیٹے
رہے۔ اگر خطرے کا احساس ہوتا تو کبھی ہمت نہ پڑتی۔ بے خبری
میں کسی جگہ چلے جانا اور بات ہے۔ اور جان بوجھ کر خطرہ ہے۔ اور
پھر ثابت قدم رہنا اور بات ہے۔ یہ معمولی دل کا کام نہیں ہے اس
لیے پیغمبرؐ نے بار بار اس خطرے کا ذکر کر دیا۔ تاکہ دنیا سمجھ لے کہ
علیؑ جانتے ہوئے کہ کتنا پرخطر اور لغزش مقام ہے مگر رسولؐ پر جان
دینے کے لیے بستر پر آرام کیا۔ یوں تو پیغمبرؐ نے مکہ میں بڑی مصیبتیں

اٹھائیں۔ لیکن جنابِ رسالتمآبؐ نے جب مکہ سے ہجرت کی ہے
آپ کو بہت قلق تھا۔ کیوں نہ ہو وطن چھوٹنے کا اثر سب پر ہو
ہے۔ انسان جس ماحول میں تربیت پاتا ہے۔ جن لوگوں سے
ہوتا ہے۔ جس فضا میں اس کی پرورش ہوتی ہے۔ اگر کچھ مدت
لیے بھی چھوٹتا ہے۔ تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ا
آپؐ پلٹ پلٹ کر در و دیوار مکہ پر نظر ڈالتے تھے۔ اور فرماتے
اے مکہ میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔ مگر کیا کروں کفار رہنے نہیں د
حالانکہ پیغمبرؐ کو معلوم تھا کہ صرف تھوڑے دن کے لیئے۔ مکہ
رہا ہے۔ خدا خبر دے چکا تھا۔ کہ اے میرے حبیبؐ رنج
نہ ہونا میں تمہیں فتح و نصرت کے ساتھ، اور فوج و لشکر کے
کامیاب کرکے اسی مکہ میں پلٹاؤں گا۔ پھر بھی پیغمبرؐ کے آنسو
نکل آئے۔ اس مسافر کے دل سے پوچھیئے جس کا وطن ہمیشہ
کے لیئے بیکسی کی حالت میں چھوٹ رہا ہو۔ جسے پھر پلٹ کر
کی امید نہ ہو۔ جب سیدالشہدا مزارِ رسولؐ پر رخصت آ
کے لیے گئے ہیں۔ اور خواب میں دیکھ کر کہ پیغمبرؐ نے پیشانی
دیا سینے سے لگایا۔ اور فرمایا بیٹا میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ تم
سے نہائے ہوئے اشقیاء امت کے درمیان کھڑے ہو
اے بیٹا دیکھ رہا ہوں۔ کہ تم کربلا میں ذبح ہو رہے ہو
تمہارے گلے پر خنجر پھیرا جا رہا ہے۔ عرض کیا نانا مجھے د

رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حبیب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ بیٹا تمہارے بابا علیؑ مرتضیٰ تمہاری ماں فاطمہؑ زہراؑ تمہارے بھائی حسن مجتبےٰؑ یہ سب تمہارے منتظر ہیں۔ اے بیٹا خداوند عالم نے تمہارے لئے کچھ ایسے درجات عالیہ مقرر فرمائے ہیں۔ کہ جو بلا شہادت نہیں حاصل ہو سکتے۔ آپؑ کی آنکھ کھل گئی، وہاں سے اٹھ کر جنت البقیعؑ میں آئے یہ وہی مقام ہے۔ جہاں آج خاک اڑ رہی ہے۔ آئے ماں کی قبر سے رخصت ہوئے۔ وہاں سے اٹھ کر بھائی کی قبر سے رخصت ہو کر بیت الشرف واپس ہوئے۔ حکم دیا کہ سامان سفر تیار کیا جائے۔ جناب ام سلمیٰؑ نے جو دیکھا سامان سفر ہو رہا ہے۔ فرمانے لگیں، کہ کیا سفر کا ارادہ ہے۔ عرض کیا ہاں نانی سفر کا ارادہ ہے۔ فرمایا کہ بیٹا اگر جاتے ہو تو جاؤ۔ میں منع نہیں کرتی۔ مگر بیٹا عراق کی طرف نہ جانا۔ میں تمہارے نانجان سے سنا کرتی تھی۔ کہ میرا حسینؑ عراق کی جلتی ہوئی زمین پر تین دن کا پیاسا قتل ہوگا۔ یہ سننا تھا کہ آپؑ نے گردن جھکالی، اور فرمایا کہ نانی اماں مجبور ہوں۔ عراق جانا ضروری ہے جو میرے نانا نے خبر دی ہے۔ وہ ہو کر رہے گا۔ اے نانی اگر آپؑ نے وہ مقامات دیکھنا ہیں تو آنکھیں بند کر لیجئے۔ جناب امِ سلمیٰؑ نے آنکھیں بند کیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ کربلا کا خطہ بلند ہو کر آپؑ کے سامنے آیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ نانی اماں یہ

دیکھیے فرات کا کنارہ ہے۔ جہاں عباسؑ کے شانے قلم ہوں گے
یہ وہ مقام ہے جہاں علیؑ اکبر کے برچھی لگے گی۔ اے نانی یہ وہ
مقام ہے۔ جہاں علیؑ اصغرؑ کو تیر لگے گا۔ اے نانی جو یہ غار نظر آ
ہے۔ اسی جگہ میرا سوکھا گلا کٹے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک مٹھی
خاک اٹھا کر جناب اُم سلمٰی کو دی اور فرمایا کہ۔ نانی اس خاک کو
ایک شیشی میں رکھ لیجیئے۔ جب تک یہ خاک اپنی حالت پہ رہے
تو سمجھیے گا آپ کا نواسہ زندہ ہے اور جب اس شیشی میں خون
تازہ جوش مارتا ہوا دکھائی دے تو سمجھ لیجیئے گا۔ کہ آپ کا نواسہ
شہید ہو گیا ہے۔ اے نانی میں قتل کیا جاؤں گا۔ میرے بچے
ذبح ہوں گے۔ عورتیں اسیر ہوں گی۔ الغرض ایک ایک سے
فریاد کریں گے۔ کوئی سننے والا نہ ہوگا۔ جناب اُم سلمٰی بعد سید
الشہداء حو بلاتہ اس خاک کو ہر نماز کے بعد دیکھتی تھیں۔ یہاں
تک کہ صبح عاشور نمودار ہوئی نماز صبح کے بعد اس خاک کو
دیکھا اپنی حالت پر تھی۔ نماز ظہر کے بعد نظر کیا تو اپنی اصلی
حالت پر تھی۔ مگر جب نماز عصر کے بعد دیکھا تو کیا قیامت
نظر آئی کہ اس شیشی میں خون تازہ جوش مار رہا ہے۔ یہ دیکھ
کر سر برہنہ ہوئیں۔ فریاد کرنا شروع کی اے اہل مدینہ آؤ۔ مجھے
پرسا دو میرا مسافر حسینؑ رسولؐ کا نواسہ شہید ہو گیا۔ افسوس
اُمت نے کچھ خیال نہ کیا۔

÷ تمام شد ÷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَیِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِیْنَ ۝

ترجمہ:۔ قسم ہے نٓ وقلم اور اس چیز کی جسے لکھتے ہیں۔ کہ اپنے رب کی نعمت کے ساتھ دیوانے نہیں ہو۔ اور تمہارے لیے وہ اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور بے شک تمہارے اخلاق اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ تو عنقریب تم بھی دیکھو گے اور وہ بھی دیکھیں گے۔ تم میں سے مجنون کون ہے۔ تمہارا پروردگار ان لوگوں سے خوب واقف ہے۔ جو راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور ان کو خوب جانتا ہے۔ جو ہدایت یافتہ ہیں لہٰذا اے رسولؐ جن لوگوں نے تمہاری تکذیب کی ان کا کہنا نہ ماننا۔

نٓ حرف مقطعات میں سے ایک حرف ہے۔ قرآن نے بعض مقامات پر ایسے حروف ذکر کیے ہیں مثلاً۔ الٓمٓ، یٰسٓ، کٓھٰیٰعٓصٓ۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ۔ رشتۂ محبت ایسی چیز ہے کہ حبیب چاہتا ہے۔ کہ میرا راز سوائے محبوب کے دوسرے کو معلوم نہ ہو سکے۔ اس لیے راز کی باتیں حبیب سے اسی وقت

کہتا ہے جب تنہائی میں گفتگو ہوتی ہے لیکن محبوب کو روزانہ
آنے کی تکلیف دینا۔ آئین محبت اور شان محبوب کے خلاف
ہوتا ہے۔ اب اگر اتفاق سے حبیب جو خود بھی محبوب کے سامنے
بے نقاب نہ ہو سکتا ہو اور آنا جانا جس کی شان اور مرتبہ کے لیے
ناممکنات سے ہو تو ضروری ہے۔ کہ درمیان میں ایک قاصد مقرر
کیا جائے۔ جو حبیب کی طرف سے محبوب کے پاس پیغام پہنچائے
یہ قاعدہ دنیا میں جاری ہے۔ کہ اگر حبیب در محبوب پر حاضر
نہیں ہو سکتا تو درمیان میں قاصد کو واسطہ بناتا ہے۔ مگر قاصد
کیسا ہونا چاہیئے پہلا وصف قاصد میں ضروری ہے۔ کہ قوی ہو
ایسا کمزور نہ ہو۔ کہ کوئی شخص دباؤ ڈال کے یا مرعوب کر کے
اس سے راز معلوم کرلے۔ جب قاصد بزدل ہو گا۔ تو اپنی طبیعت
کی کمزوری کی وجہ سے جب اس پر کوئی رقیب دباؤ ڈالے گا۔
تو راز ظاہر کردے گا۔ دوسرے امین ہونا چاہیئے۔ تاکہ راز
کے معاملہ میں امانتداری کر سکے۔ ورنہ اگر خائن ہے تو بہت
ممکن ہے کہ راز میں خیانت کرے۔ اور دوسرے پر ظاہر کردے
تیسرے مُطاع ہونا چاہیئے۔ لوگ اس کے فرمانبردار ہوں۔
وہ کسی کا فرمانبردار نہ ہو۔ پس اگر وہ فرمانبردار ہو تو۔ اس کا جس
نے پیغام بھیجا ہے۔ یا اس کا جس کی طرف لیجاتا ہے۔ کسی
اور کا فرمانبردار نہ ہو۔ کیونکہ اگر کسی اور کی اطاعت اس پر واجب

ہو گی تو ممکن ہے کہ وجوب اطاعت کی وجہ سے اس راز کو
بتا دے۔ جو مجھے پیغام بھیجنے والے کی درگاہ کا مقرب ہو۔ اس
سے وردنہ ہو۔ اسکی درگاہ سے نکالا گیا ہو۔ ورنہ اگر کسی مردود
درگاہ کو راز دار بنا لیا تو لاکھ امانتدار ہو۔ مگر دل میں چھپا ہوا کینہ
کبھی نہ کبھی دشمن کا ساتھ دینے پر مجبور کر دے گا۔ اور راز داری
پیغام دینے والے کی نہ کر سکے گا۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ خطا کار
نہ ہو۔ تاکہ خطا سے راز ظاہر نہ کر دے۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ جاہل نہ ہو
اتنا علم رکھتا ہو۔ جتنا اس پیغام کے پہونچانے کے لیے ضروری
ہے۔ ورنہ کہیں اپنی جہالت کی وجہ سے پیغام میں تغیر نہ کر دے۔
اور حبیب کے مقصد کو بدل دے۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ حافظہ
قوی ہو تاکہ بھول نہ جائے۔ جب یہ شرائط پائے جائیں گے۔ تب کو
قاصد بننے کا حقدار ہو سکتا ہے۔ ورنہ پیغامبری کے سے جلیل القدر
عہدے کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتا۔ اسی لئے پروردگار
عالم نے اپنے اور اپنے حبیبؐ کے درمیان جب قاصد بنانا چاہا،
تمام مخلوقات میں قرعہ انتخاب ڈالا۔ اور اس میں ملائکہ کا انتخاب ہوا۔
ملائکہ میں بھی ہر ملک اس قابل نظر نہ آیا۔ جو خدا جیسے حبیب اور
خاتم المرسلینؐ جیسے محبوبؐ کے درمیان فرائض وساطت کو ادا
کر سکے۔ لہٰذا جبرائیلؑ منتخب ہوئے۔ جو خطا کار نہیں ہیں۔ بلکہ
معصوم ہیں۔ جاہل نہیں ہیں۔ بلکہ عالم ہیں۔ جن کی قوت حافظہ

قوی ہے۔ کبھی پیغام کو بھولتے نہیں قوی بھی ہیں امین بھی سردار ملائکہ
مقرب درگاہ الہٰی ہیں۔ چنانچہ قرآن نے جبرائیل کے اوصاف کا تذکرہ کیا
ذِی قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ثَمَّ مُطَاعٍ اَمِیْنٍ۔ جبرائیل صاحب
قوت ملک ہے۔ جو مالک عرش کا مقرب مطاع ہے۔ یعنی دوسرے
اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور امین ہے۔ قدرت نے جب آزما لیا
کہ قوت دار بھی ہیں امین بھی۔ بزدل نہیں، خائن نہیں، مردود درگاہ
نہیں ہر ڈیوڑھی پہ سر جھکانے والا نہیں۔ [illegible] کار نہیں اس وقت پیا
بنایا۔ حالانکہ صرف ایک طرف سے ایک کے پاس پیغام پہنچانا تھا
یعنی خدا کی جانب سے محمدؐ کے پاس پیغام پہنچانا تھا۔ تمام دنیا کی
طرف بلکہ ساری خدائی کی طرف پیغام نہیں پہنچانا تھا۔ پھر بھی اتنے
شرائط کا لحاظ کیا گیا۔ معصوم ہو، حافظ الفاظ ہو، عالم ہو، آقا
امین ہو۔ قوی ہو۔ خدائی معرفت رکھتا ہو۔ نبیؐ کا وقار جانتا ہو۔ مقرب
درگاہ ہو سید ہو۔ اس لیئے سید الملائکہ کا انتخاب کیا گیا پھر
تمام امت محمدی کی طرف پیغام لیجانے والا ہو۔ کیوں کر
ممکن ہے۔ کہ ایسا کند ذہن ہو کہ چالیس سال تک ایک صورت
کرے اور پھر بھول جاوے۔ ایسا جاہل ہو کہ کلالہ کے معنی نہ
ہوں پردہ نشین عورتوں سے بھی علم میں کم ہو۔ خلاف شرع حکم
ہو۔ کبھی مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اپنے اوپر خود غصہ کرتا
ہو۔ ایسا بزدل ہو کہ چھینکنے پر بھی دل نہ ٹھہرتا ہو۔ پہاڑ پر جنگ

سے فرار کرتا ہو۔ مخفی مقام پر سانپ سے خوف کرتا ہو۔ ایسا خائن ہو کہ شریعت رسولؐ میں کمی و بیشی کر دے۔ خواہشات نفس کا غلام ہو۔ پیغمبرؐ کی درگاہ سے نکالا ہوا ہو۔ خدا سے اتنا جاہل کہ ترول کے سر جھکانے نبی کا وقار اس کے دل میں ایسا ہو۔ کہ اکثر نبوت میں میں شک ہو جاتا ہو۔ اس لیئے پیغمبرؐ نے چاہا کہ میں اپنے اور اُمّت کے درمیان ایسا قاصد بناؤں کہ اس قاصد اوّل سے بلند مرتبہ ہو۔ اسی لیئے آپؐ نے جب انتخاب کرنا چاہا۔ تو دیکھا کہ میرے پاس آنے والا قاصد جن صفات حمیدہ کا مالک ہے۔ میں اُمّت کی طرف ایسے قاصد بناؤں۔ جو ان صفات میں جبرائیلؑ سے بالاتر ہو۔ اس لیے آپؐ نے ایسے معصوم کو بھی قاصد نہ بنایا جس کے ساتھ ترک اَولیٰ جمع ہو سکے۔ ایسے قاصد بنایا جس کی عصمت ترک اَولیٰ سے بالاتر ہو۔ آپؐ نے دیکھا جبرائیلؑ دس سال میں حافظ آیاتِ الٰہی بنے ہیں۔ لہٰذا اُمّت کا قاصد ایسا ہونا چاہیئے جو آیاتِ الٰہی کا ایسا حافظ ہو کہ جس کو قرآن میں دس سال کے بجائے دن بھی نہ صرف ہوئے ہوں بلکہ جب پیدا ہو اسی وقت سے وہ حافظِ قرآن ہو۔ بلکہ ایسا حافظ ہو کہ جب ایک پاؤں ایک رکاب میں رکھے تو قرآن شروع کرے اور دوسری رکاب میں رکھتے ہوئے ختم ہو جائے۔ آپؐ نے دیکھا کہ جبرائیلؑ الفاظ قرآن پر امین ہیں آپؐ نے چاہا کہ میں اُسے اُمّت کی طرف پیغام لیجانے والا بناؤں۔ جو الفاظ ربّانی و تفسیر سب پر امین ہو۔

ہو۔ اور صرف پر بسم اللہ کی تفسیر میں شام سے صبح ہو جائے۔ آپ نے دیکھا کہ جبرائیلؑ جسکے قاصد ہیں۔ اس کے مقرب درگاہ ہیں آپؐ نے چاہا کہ میں اسے قاصد بناؤں۔ کہ جس کا گوشت میرا گوشت ہو۔ جس کا خون میرا خون ہو۔ جس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہو جس کا نفس میرا نفس ہو جسکی روح میری روح ہو۔ آپؐ نے دیکھا کہ میری طرف آنے والا قاصد سید الملائکہ یعنی ملائکہ کا مولا ہے آپؐ نے چاہا کہ میں اس طرف سے قاصد بنا کے بھیجوں جو صرف ملائکہ کا مولا نہ ہو۔ صرف انسانوں کا مولا نہ ہو۔ بلکہ جس طرح میں ساری خدائی کا مولا ہوں۔ وہ بھی ساری خدائی کا مولا ہو۔ اسی لیئے غدیر خم میں فرمایا تھا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ آپؐ نے دیکھا میری طرف آنے والا ایسا عالم ہے جس کا علم تمام ملائکہ سے زائد ہے بلکہ جس نے اکثر انبیاءؑ کو تعلیم دی۔ کسی کو نماز سکھائی۔ کسی کو نماز سکھائی کسی کو کشتی کرنا سکھائی۔ کسی کو تلقین صبر کی آپؐ نے چاہا کہ تو بھی میں اسے قاصد بناؤں۔ جو اس قاصد اول کا بھی استاد ہو۔ آپؐ نے دیکھا کہ میری طرف آنے والا قاصد قوی ہے اور ایسا قوی ہے کہ جب اسے حکم ہوا ہے کہ قوم لوط کے تختے الٹے۔ وسے تو اس نے تختہ زمین کا اکھاڑا اور اتنا بلند کیا کہ اہل سماوات مرغان سحر کی آوازیں سننے لگے۔ پھر اسے محسوس نہ ہوا۔ تو آپؐ نے چاہا کہ اسے قاصد بناؤں۔ کہ جب اسی کو اس کی بقیہ حضرت ردد کرنے کا حکم

ہو تو تلوار خود کاٹ کر سر مرحب تک پہونچے اور سر سے گلے تک اور گلے سے سینے تک پہنچے اور سینے سے کمر تک پہنچے اور کمر سے مرکب تک پہنچے اور راکب و مرکب کے دو حصے کر دے۔ اتنے مقامات پر رُکنے کے بعد جب اُس قاصد کے پَر تک پہونچے تو اُسے گرانی محسوس ہو۔

اسی وجہ سے جب پیغمبرؐ نے چاہا کہ میں قاصد کا انتخاب کروں تو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو لوگ کہیں علیؑ کو قرابت کی وجہ سے منتخب کرلیا۔ آپؐ نے سورۂ براءت دوسرے ہاتھوں میں دے دیا۔ اِدھر سورۂ نامو ضوع ہاتھوں میں چلا۔ اُدھر وہی قاصد اصل حبیب کی طرف سے محبوب کے پاس پہنچا لَا یُبَلِّغُهَا اِلَّا اَنْتَ اَوْ رَجُلٌ مِنْکَ۔ اے میرے حبیب یہ کس کو قاصد بنا لیا۔ میں نے سورہ بھیجا تو اس احتیاط سے کہ جبرائیلؑ جیسے قوی و امین کو منتخب کیا تم نے اُمت کی طرف ایسے ہاتھوں میں دے بھیجا جس میں کوئی وصف موجود نہیں۔ اُمت کی طرف اگر بھیجنا ہے تو یا تم خود قاصد ہو، یا اُس کو قاصد بناؤ جو تمہارا جُز ہو تاکہ جو صفات تم میں موجود ہیں اُس میں بھی موجود ہوں۔ حبیب کی بات تھی محبوب سے زیادہ راز کا سمجھنے والا اور کون ہو سکتا تھا۔ سمجھ گیا کہ کس کی طرف اشارہ فوراً حکم دیا کہ یا علیؑ جاؤ اور راستے سے سورہ لے لو، اور دشمن کو پہنچا دو۔ اگر پہلے سے نہ بھیجے جاتے تو لوگوں پر یہ واضح نہ ہوتا

کہ قابلیت قاصد بننے کی تھی یا نہ تھی۔ لیکن عہدہ ملنے کے بعد معزولی
مسئلہ صاف کر دیا کہ اگر اہلیت ہوتی واپس کیوں لیا جاتا۔ انصاف
کیجیے جس میں ایک سورہ پہنچانے کی قابلیت نہ ہو وہ پورے قرآن
کو اُمت تک کیسے پہنچا سکتا ہے۔ لَا یُبَلِّغُهَا اِلَّا اَنْتَ
اَوْ رَجُلٌ مِنْكَ۔ یا تو اس سورة کو تم پہنچا سکتے ہو۔ ایسے
کہ تم میں اے رسولؐ وہ صفات ہیں جو پہنچانے والے قاصد میں
ہونے چاہئیں۔ موجود ہیں یا اُس میں موجود ہیں جو رجل ہے۔
منک یعنی تم سے ہے۔ اور اس پر تمام فرقہ اسلامیہ متفق
کہ رسالتمآبؐ نے علیؑ کو بھیجا اور اگر کوئی نہ بھی کہتا تو لفظ ر
اور منک مل کے دو گواہ ہو جاتے کہ اس سے مراد علیؑ ہیں چنا
صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ رسالتمآبؐ فرماتے
یا علیؑ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ اسی طرح لفظ رجل وہ لفظ ہے
کہ خدا کے بیان اور پیغمبرؐ کی زبان میں علیؑ کے لیے مشہور ہے۔ کہ
عجیب بات ہے کہ خدا کا بھیجا ہوا عطیہ نبیؐ نے جب دیا تو رجل
دیا خدا نے اپنے رسولؐ کو جنت دی۔ پیغمبرؐ نے اس جنت کو رجل
کے سپرد کر دیا۔ خدا نے کوثر عطا کیا۔ پیغمبرؐ نے رجل کو دیدیا۔ جب
شفاعت عطا کی پیغمبرؐ نے اسے رجل کے سپرد کر دیا۔ وَعَلَى الْاَعْرَافِ
رِجَالٌ۔ یَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ مقام اعراف پر کچھ
ہوں گے جنکو لوگ ان نشانات سے پہچانیں گے۔ جب پیشانی پر

کی وجہ سے پڑے ہوئے ہوں گے۔ اگر اب بھی مطلب واضح نہ ہوا ہو تو دُنیا کی چیزوں میں دیکھ لیجئے کہ قرآن دیا تو رجل کو تلوار دی تو رجل کو بشارت فتح دی تو رجل کو سورۂ برائت دیا۔ تو رجل کو خیبر کا علم دیا۔ تو رجل کو لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا برائت کا سورہ خیبر کے علم سے کتنا ملتا جلتا ہے کہ جس طرح علم پہلے اور ہاتھوں میں دیکے دنیا کو دکھا دیا کہ یہ ہاتھ ناموضوع ہیں۔ اسی طرح سورہ بھی دوسرے ہاتھوں میں دیکے بتایا کہ قرآن جیسے عصمت پوش کلام کے نجس خطا کار ہاتھ ناموضوع ہیں۔ اچھا اُسکی وجہ کیا تھی جو لے کے جا رہا تھا۔ وہ معزول کیا گیا۔ اور علیؑ کے سپرد ہوا۔ علامہ فضل بن روزبہان لکھتے ہیں کہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اہل عرب اُسی عہد کو قبول کرتے تھے جو معاہد خود پہنچائے یا اُس کی جانب سے اُس کے قبیلے والوں میں سے کوئی پہنچائے چونکہ علیؑ تمام اہل قبیلہ میں مخصوص فرد تھے۔ اسی لیے پیغمبرؐ نے مقام منیٰ پر انہیں بھیجا۔ چاہا کہ کسی طرح وہ وجاہت جو پیغمبرؐ نے سورہ برائت کے ذریعہ سے آپکی ظاہری بےعلم ہو جائے مگر استغفر اللہ جسے خداوند عالم۔ اور اُس کا رسولؐ عزت دے اُس کی عزت دُنیا کے کم کرنے سے کم نہیں ہو سکتی۔ سب کچھ کوشش کی مگر جنبش قلم سے اسی میں ایک جملہ لکھا ہے۔ کہ وہ خود پہنچائے۔ یَا مَنْ یُعْتَبَرُ قَوْلَہٗ مِنْہُ۔ یا وہ جس کا کلام اُس کی جانب سے قابل اعتبار ہو۔ اب اگر آپ غور کریں کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو کیوں

بھیجا تھا۔ اس لیئے کہ اگر پیغمبرؐ کی جانب سے کسی کا قول قابلِ اعتبار تھا۔ وہ علیؑ تھے۔ اور جسکو معزول کیا تھا وہ کیوں؟ اس لیئے کہ اس کا کلام پیغمبرؐ کی جانب سے قابلِ اعتبار نہ تھا۔ انصاف کیجئے کہ پیغمبرؐ کی زندگی میں جس کا کلام پیغمبرؐ کی جانب سے قابلِ اعتبار نہ ہو وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد اس کا کلام کب قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اگر عادتِ عرب یہی تھی کہ معاہدہ اُس کے ذریعہ سے ہو۔ جو اس کے خاندان سے ہو۔ تو کیا پیغمبرؐ اس سے واقف نہ تھے۔ کئی سو سال گذرنے کے بعد علامہ روز بہان کو یہ عادتِ عرب معلوم ہو سکی۔ اور خود پیغمبرؐ کو نہ معلوم تھا۔ یا تو کہیئے معاذ اللہ پیغمبرؐ ان معمولی باتوں سے بھی جاہل تھا۔ اور اگر ایسا نہ تھا۔ تو پھر کیوں بھیجا اور بھیجنے کے بعد اُسے معزول کر کے علیؑ کو بھیجا۔ اور اگر خاندان والے کو بھیجنا تھا۔ تو علیؑ تو چچا زاد بھائی تھے۔ خود حضرتؐ کے چچا عباسؓ موجود تھے۔ جعفرؓ و عقیلؓ بھائی تھے۔ انہیں کیوں نہ بھیجا، اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ وجہ نہ تھی۔ بلکہ پیغمبرؐ جتانا چاہتے تھے کہ دیکھو میں اپنی طرف سے بخل نہیں کرتا ہوں عہدہ دینے کے لیئے تیار ہوں۔ مگر کیا کروں خدا نہیں راضی ہوتا۔ اگر عہدہ دیتا ہوں تو وحی روک دیتی ہے۔ کہ سوائے علیؑ کے دوسرے کو نہ ملے۔ سوائے علیؑ کے دوسرا اپہنچا کون سکتا تھا کیوں کہ یہ سورۃ۔ سورۂ برات ہے۔ سورۂ برات کی تبلیغ وہی

کر سکتا ہے۔ جو خود مستحق تبرا نہ ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں تلقین کی گئی ہے۔ خدا پر ایمان لانے کی اور کفار کی مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ، ارشاد ہوتا ہے۔ فَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اے رسولؐ جنہوں نے مجھے چھوڑ کے کفر اختیار کیا انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔ اسی طرح پیغمبرؐ کی نبوت کے دلائل بیان کئے گئے۔ اور ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ پیغمبر ایسا سچا رسولؐ ہے۔ کہ اسکا دین تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وہ خدا ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت و دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ خدا کے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے اس لیے ضرورت تھی کہ کفار کے مقابلہ میں وہی اس سورہ کو پڑھے جس نے خدا کے علاوہ نہ دوسرے کو سجدہ کیا ہو۔ نہ نبیؐ کی نبوت میں کبھی شک کیا ہو۔ پھر کیوں کہ ایسا شخص تبلیغ کر سکتا تھا جس نے مدتوں تک بتوں کو پوجا ہو۔ اور ہمیشہ نبوت میں شک کرتا رہا ہو۔ اس لیے پیغمبرؐ نے انتخاب کر کے اس کو بھیجا۔ جس کا ایمان نبیؐ پر اتنا مضبوط تھا۔ کہ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ اَنَا عَبْدٌ مِنْ عَبِيْدِ مُحَمَّدٍ: اور خدا کے ساتھ اتنا قوی ایمان تھا کہ لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ لَمَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا تیسری وجہ یہ، تھی کہ اس سورہ میں کفار کی رسوائی کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكَافِرِيْنَ ؛ اور خدا کفار کو رسوا کرنے والا ہے

اس کی تبلیغ وہ کیوں کر سکتا تھا جس کے دامن حیات پر بے انتہا کفر کے دھبے موجود ہوں۔ اگر اس آیت کی تبلیغ کر سکتا تھا تو وہی کہ آج بھی دنیا جس کا نام کے ساتھ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ؛ کہتی ہو کہ خدا نے علیؑ کے چہرے کو بت پرستی سے بچا لیا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس سورہ میں حکم ایمان والوں کو دیا گیا ہے کہ وہ مشرکین و کفار سے قتال کریں۔ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ۃ جب ماہ حرام ختم ہو جائیں تو مشرکین سے قتال کرو۔ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ؕ کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔ اب بتائیں کہ اس سورہ کی تبلیغ کرنے کا وہ جو میدان جنگ سے بھاگ جاتا ہو۔ یا وہ جس کی تلوار کفار و مشرکین کے سروں پر صاعقہ بن جاتی ہو۔ علاوہ بریں ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ کیوں نہیں جنگ کرتے ہو اس قوم سے جنہوں نے عہد توڑا اور رسولؐ کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ کیا، اور آپ خود غور کریں کہ کون اس سورہ کو لے جائے جو مکہ سے ساز باز رکھتا ہو۔ یا وہ جو مکہ کو فتح کرے پیغمبر خدا کے کاندھے پر سوار ہو کر کعبہ سے بتوں کو نکال دے۔ پانچویں یہ ہے کہ اس سورہ میں کفار سے ڈرنے اور بے خوفی کی ممانعت کی گئی ہے کہ دیکھو کفار سے نہ ڈرو۔ بلکہ خدا سے ڈرو۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو بندوں سے ڈرا وہ خدا سے کبھی نہ ڈرا۔ اور جو خدا سے ڈرا وہ بندوں سے نہ ڈرا۔ اور نہ بندے ناحق اس سے ڈرے۔

زلیخا نے جب چاہا کر دربارِ یوسفی میں داخل ہو تو دربانوں نے روکا اور کہا اے زلیخا تجھے خوف نہیں معلوم ہوتا کہ اُس کے پاس جاتی ہے جس نے تیری بدولت بہت مصیبتیں برداشت کیں۔ اُس نے جواب دیا میں ڈرتی اور ضرور ڈرتی مگر مجھے معلوم ہے۔ کہ یوسفؑ خدا سے ڈرتے ہیں۔ پھر جو خدا سے ڈرتا ہو وہ اُس کے بندوں پر ظلم نہ کرے گا۔ بہرصورت جو اپنے کو خدا کا بندہ سمجھتے ہوں۔ وہ کبھی اُس سے نہیں ڈرتے۔ جو خدا سے ڈرتا ہو۔ اس سے جب ڈریں گے تو کفار کیا وہ بھی کسی سے نہیں ڈرتا۔ اس لیے کہ سورہ براءت میں ارشاد ہوتا ہے۔ اتخشونھم وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْہُ۔ تم ان کفار سے ڈرتے ہو حالانکہ خدا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو۔ اب بتائیں کہ اس سورہ کو کون لے کے جائے۔ وہ شخص جو خدا سے اتنا نڈر ہو کہ خداوالوں کا مال لینے میں باک نہ کرے اور یتیموں کا مال لینے میں خوف نہ کرے اور کفار سے اتنا ڈرپوک کہ غار میں ہو جب بھی دیکھ دیکھ کر روئے، یا وہ شخص کہ جو خدا سے ڈرے کہ رات رات بھر کہے آہ مِنْ قِلَّۃِ الزَّادِ وَطُوْلِ السَّفَرِ۔ اور کفار سے اتنا نڈر ہو کہ تمام مورخین لکھیں: کَانَ یَقُطُّ الْہَامَ قَطَّ الْاَقْلَامِ۔ علی کفاروں کے سریوں اڑاتے تھے جیسے قلم میں کوئی قط دیتا ہے۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ اس میں ملائکہ کی مدد و اعانت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا خدا نے تمہاری مدد کے لیے اُس لشکر کو بھیجا جس کو تم لوگ دیکھتے

نہ تھے یعنی ملائکہ کو مدد کے لیے بھیجا۔ اس میں بلا ئکہ کی نصرت کا
تذکرہ ہے۔ اب اس سورہ کو تو وہ لے جا سکتا ہے جس نے ملائکہ سے
زائد پیغمبرؐ کی نصرت کی ہو۔ چنانچہ جنگِ بدر میں جبرائیلؑ ایک ہزار ملا
کے ساتھ میکائیل ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ علی کی صورت میں
آگے آگے علیؑ کا گھوڑا پیچھے پیچھے ملائکہ۔ اس دن ستر (۷۰) کفار
قتل ہوئے اور ۳۵ تنہا علیؑ نے قتل کیے تھے۔ اب آپ بتائیے
کہ کون سورہ برأت کو لیجائے وہ جس نے ملائکہ کے خلاف کفر کو تقوی
پہنچائی ہو۔ یا وہ جس نے ملائکہ سے زائد پیغمبرؐ کی نصرت کی ہو۔ تاریخی
شاہد ہیں کہ جتنے ملائکہ جنگ بدر میں آئے تھے وہ سب علیؑ کی صو
میں جنگ کر رہے تھے۔ اسی وجہ سے ہر زخمی یہی کہتا تھا۔ کہ مجھے علیؑ
نے قتل کیا۔ کچھ اسی مقام پر نہیں بلکہ اکثر ملائکہ نے کوشش کی ہے
کہ ہم میں علیؑ کے صفات اگر پوری طرح نہ آسکیں۔ تو صورت ہی آجا
چنانچہ رسالت مآبؐ نے شب معراج جب تحت عرش پہنچے تو آ
نے دیکھا کہ علیؑ موجود ہیں۔ جبرائیل امین سے دریافت کیا کہ کیو
جبرائیل کیا علیؑ مجھ سے پہلے پہنچ گئے۔ جبرائیلؑ نے عرض کی یا رسو
یہ علیؑ نہیں ہیں بلکہ حاملینِ عرش علیؑ کے دیدار کے بہت مشتاق تھے۔ ا
لیئے خداوند عالم نے علیؑ کی صورت پر ایک ملک کو پیدا کیا ہے
تا کہ حاملین عرش اسے دیکھ کر تسکین حاصل کریں۔ خدا گواہ
کہ ہمارے فخر کا مقام ہے۔ اور اس منزل پہ پہنچ کر ایمان میں زیا

ہو جاتی ہے جب یہ خیال آتا ہے۔ کہ دنیا کوشش کرتی ہے۔ کہ ہم ملک صفات ہو جائیں اور ملائکہ کوشش کرتے ہیں کہ ہم میں عسلی کے صفات ہو جائیں۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ خداوند عالم۔ نے جہاں اس سورہ میں اور احکام ارشاد فرمائے ہیں۔ وہاں مشرکین کی نجاست کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ۔ اے ایمان لانے والو! مشرکین نجس ہیں۔ یہ کلام بھی عجیب کلام ہے۔ تمام اہل اسلام اس حکم کے مخاطب نہیں بنائے گئے ممکن تھا کہ کہہ دیا جاتا۔ اے اسلام لانے والو! تم سے کہا جاتا ہے۔ کہ مشرکین نجس ہیں۔ جو بات نہ سنے جو کہا نہ مانے اس سے شرفاء نہیں کہا کرتے۔ اہل شرافت کا لحاظ رکھتے ہیں۔ کہ اُس سے کہنا چاہیئے جو مان لے۔ اسلئے قدرت نے تمام اُمّتِ محمدیؐ میں اہل ایمان کا انتخاب کیا۔ جن سے امید تھی۔ کہ یہ عمل کریں گے۔ کہ اے ایمان لانے والو! مشرکین نجس ہیں۔ اب فرمایئے کہ اس سورہ کو کون لے کے جاتا۔ کیا وہ لیجائے جس میں کئی پشتوں سے نسلاً بعد نسل نجاست شرک چلی آرہی ہو۔ یا وہ لیکے جائے جو ایسا طاہر ہو کہ انبیاءؑ کے اصلاب میں ہو۔ ارحام طیبات میں رہا ہو۔ کعبہ سے بھی پاک مقام میں پیدا ہوا ہو۔ نبیؐ کی پاک آغوش میں تربیت پائی ہوئی ہو۔ قرآن سی طاہر کتاب پڑھتے

کو ملتی ہو۔ ذوالفقار سی پاک تلوار ہاتھ میں ہو۔ رسولؐ کا پاک
بستر سونے کے لیئے ہو۔ پیغمبرؐ کا طاہر سینہ آرام کے لیے ہو۔ نبیؐ
کا پاکیزہ کندھا سواری کے لیے ہو۔ اچھا یہ پرانی باتیں ہیں۔ میں پوچھتا
ہوں کہ آج سورہ برأت کس کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے ہاتھوں
میں یا عزیزوں کے ہاتھوں میں۔ پس جو مشرکین کو نجس سمجھتا ہو گا۔
اسی کے ہاتھوں میں ہوگا۔ ماموم کا عقیدہ دلیل ہوتا ہے کہ اُسکے
امام کی تعلیم ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ جس طرح علیؑ نے اس سورہ کی
تبلیغ کی تھی۔ اُن کے دوست آج تک مشرکین کو نجس سمجھتے ہیں۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ تبلائے
مومن کون ہے جو مشرکین کو نجس سمجھتا ہو۔ یا پاک سمجھتا ہو۔ قرآن نے
مرحلہ صاف کر دیا۔ کہ ہم نے اہل ایمان کو حکم دے دیا کہ مشرکین کو نجس
سمجھتے رہیں۔ پھر جو مشرک کو نجس سمجھتا ہو گا۔ وہی مومن ہو گا۔
ساتویں وجہ یہ ہے۔ کہ منجملہ آیات سورہ برأت یہ ہے کہ يَا أَيُّهَا
النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۔
نبیؐ جہاد کرو کفار سے اور منافقین سے اور ان پہ سختی کرو۔ ظاہر ہے کہ
اس پیغام کو لے کے جائے گا۔ کفار اور منافقین سب سے زائد اسی کے
دشمن ہوں گے۔ وہ ان میں کی پہچانی ہوئی فرد ہو گی جب اسلام اور کفر
مقابلہ ہو گا۔ تو اور لوگ تو چھپ بھی سکتے ہیں۔ مگر اس پیغام کا لیجا
والا جسں نے چیلنج دیا ہو۔ اُس کی صورت ادھام کفر سے نہیں نکل سکتی

ہے۔ تمام کفار اس کو پہچان کر قتل پر آمادہ ہوں گے۔ اور اس کا دشمن صرف وہی نہ ہوگا۔ جس کے مقابلہ میں گیا ہو۔ بلکہ اس کے خاص کر دشمن تمام کفار ہوں گے لہٰذا جو تنہا کفار سے جنگ کر سکے وہی موضوع ہے۔ اس آیت کو لیجائے کیا کہنا آپؐ کا یا علیؑ آپنے کفار کو کفا، پورے کفر سے مقابلہ کرکے شکست دی علاوہ بریں ہمیں کوئی بتائے کہ منافقین سے کس نے جنگ کی۔ تمام لڑائیاں جس قدر بھی ہمیں نظر آتی ہیں منافقین سے کوئی جنگ نہ عہد رسولؐ میں ملتی ہے نہ آپ کے بعد جو منافقین سے ہوئی ہو۔ اگر کسی نے منافقین سے جنگ کی ہے تو علیؑ نے اپنے عہد خلافت میں اس سے معلوم ہوا کہ اس سورہ کی تبلیغ وہی کر سکتا ہے۔ جس نے عہد رسولؐ میں کفار سے جنگ کی ہو۔ اور رسولؐ کے بعد منافقین سے جنگ کی ہو۔

آٹھویں وجہ یہ ہے۔ کہ اس سورہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو پیغمبر کو اذیت دیتے تھے۔ اور اُن کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اور اس ہدایت کی گئی ہے کہ حضرت کو راحت پہنچانا چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ جو لوگ خدا کے رسولؐ کو اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اب کیوں کر اس سورہ کو وہ شخص لے جاتے جو پیغمبر خدا کو اذیت پہنچا چکا ہو۔ کیوں کہ قاعدہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی واعظ ایسی چیز کو منع کرے جو خود کرتا ہو۔ تو جس کو ٹوکے گا وہ اعتراض کر سکتا ہے۔ اَتَاْمُرُوْنَ

اَلنَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ۔ جو بات تم خود کرتے ہو جس سے
منہ سے دوسروں کو منع کرتے ہو۔ پہلے اپنی تو خبر لو۔ اس سے معلوم ہوا
ہے۔ کہ وہ شخص جو اس برے کام کو خود کرتا ہو۔ دوسروں کو نہیں منع کر سکتا
پھر ایسا شخص جس نے رسالتمآب کو اپنے کفر کے زمانہ میں بھی اذیت پہنچائی
ہو۔ اور اپنے اسلام میں بھی اذیت پہنچائی۔ پیغمبر کی حیات میں بھی اذیت
پہنچائی ہو۔ اور پیغمبر کی دنیا سے رخصتی کے بعد بھی اُنکی روح مبارک کو اذیت
پہنچانے میں کوئی کمی نہ چھوڑی ہو۔ فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّیْ مَنْ
اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِیْ ۔ حد یہ ہے کہ خود بھی اذیت پہنچائی ہو۔ اور اپنی
گود کی پالی کو گھر میں اس طرح داخل کرے کہ وہ ہر وقت اذیت پہنچاتے جو
کبھی خدیجہؓ کی مذمت کر کے کبھی فاطمہؑ زہرا سے دشمنی کر کے کبھی گھر
میں گڑیاں کھیل کے کبھی باہر جنگ کر کے ایسا شخص کس منہ سے منع کرنے
جا سکتا تھا۔ کہ پیغمبر کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ وہ لوگ کہہ سکتے تھے۔ کہ جب
تم مدعی اسلام ہو کے اپنا نبی سے باز نہیں آتے تو ہم کو کیا منع کرنے آئے
ہو۔ اس لیئے ضرورت تھی کہ سورۂ برأت کا لیجانے والا ایسا ہو جس
ہر فعل پیغمبر کے لیے راحت ہو۔ رات بھر جاگے تو اس کی عبادت پیغمبر
کو راحت پہنچائے۔ اگر سوئے تو بستر پر سونے سے راحت پہنچا۔
اگر صلح کرے تو پیغمبر کو مرضی الٰہی کے موافق پاکر راحت ہو۔ اور اگر جنگ
کرے تو دین خدا کی کامیابی سے راحت اگر گھر میں رہے تو اتنی راحت
کہ پیغمبر خوش ہو کے کہے۔ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ

مِنْ مُوْسٰی۔ اور اگر جنگ میں آئے تو اتنی راحت ہو کر پیغمبرؐ پکار اٹھے کہ ضَرْبَۃُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ الثَّقَلَیْنِ کبھی پیغمبرؐ کی جوتی ٹانک کے راحت پہنچائی کبھی اپنے زانو پہ پیغمبرؐ کا سر رکھ کے راحت کبھی خود زانو پر سر رکھ کے راحت پہنچائی۔ بچپنے میں سینے پر ہو کے راحت پہنچائی جوانی میں کاندھے پر سوار ہو کے بہر صورت ابھی سورہ لے کے جانے والا راستہ میں تھا کہ جبرئیلؑ نے خدمت میں حاضر ہو کے عرض کیا ہے۔ یُبَلِّغُھَا اِلَّا اَنْتَ اَوْ رَجُلٌ مِنْکَ وہ اس لفظ منک میں داخل ہونا۔ آسان بات نہیں ہے۔ مِنْھُمْ میں داخل ہونا سہل ہے۔ مگر منک میں داخل ہونا عمل صالح چاہتا ہے۔ نوحؑ کا بیٹا چونکہ عمل صالح نہیں رکھتا تھا۔ اس لیئے آیت نازل ہوئی۔ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ۔ جب نبی کے بیٹے کا اہل میں داخل ہونا مشکل ہوگیا۔ تو منک اس سے زیادہ خصوصیت رکھتا ہے۔ اس منزل پر اولاد اولاد کے لیئے بھی مشکل ہے۔ کہ داخل ہو سکے اس لیئے کہ منک کے لیئے ضرورت ہے۔ کہ بس یہ اور وہ ایک ہو۔ اس کا خون اس کا خون ہو۔ اس کا گوشت اُس کا گوشت ہو۔ اس کی آنکھ اُس کی آنکھ ہو۔ اس کا نفس اُس کا نفس ہو۔ بس جو نفس رسولؐ کا بن سکتا ہو۔ وہی منک میں داخل ہو سکتا ہے۔ جب اولا نبیؐ نہ داخل ہو سکے تو اُمتی کیا داخل ہو سکتا ہے۔ داشناس محبوب سمجھ گیا ہے کہ اشارہ کس طرف ہے۔ امیر المؤمنینؑ کو بلایا۔ اور حکم دیا کہ جاؤ سورہ برأت

لے لو آپ نے سورہ برأت سے لیا۔ علیؑ تن تنہا ہزاروں کفار عرب کی طرف اُن کے خلاف احکام جس میں انکی توہین تھی لیے جا رہے ہیں۔ وہ دل جگر چاہیئے۔ ایسے مقام کے لیے اگر کوئی اور لے گیا ہوتا۔ تو خدا جانے کیا گذرتی۔ مشکل تھی کہ علیؑ کے سوا دوسرا جانے کے بعد اس مجمع عظیم کی ہیبت سے متاثر نہ ہو جاتا۔ اس سال حج اکبر تھا۔ لاتعداد مشرکین کا مجمع اور ایک دفعہ اس جری نے آواز دی۔ اَنَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ میں خدا کے رسولؐ کا قاصد ہوں۔ اور یہ کہہ کر سورہ کی تلاوت کی نہ جھجک نہ سہو نہ غلطی نہ نسیان، احکام پہنچائے خدا کی طرف سے رسولؐ کے پاس آنے والا قاصد جب جبرائیل جیسا قوی دل ہو تو رسولؐ کی طرف سے تمام خدائی کی طرف اس سے زیادہ قوی دل ہونا چاہیئے۔ بہرصورت نامہ و پیغام حبیب کا پہنچانے والا امین منتخب کیا گیا۔ ایسا امین کہ جس نے کبھی خیانت نہیں کی۔ کبھی بعض ایسے راز ہوتے ہیں کہ حبیب چاہتا ہے کہ سوا میرے محبوب کے دوسرا نہ سمجھے غیر تو غیر قاصد بھی اس راز سے واقف ہو سکے۔ آپس میں کچھ اصطلاحیں مقرر کر لی جاتی ہیں کہ جب میں یہ کہوں تو یہ سمجھنا لہٰذا حروف معانی کے واسطے مقرر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے قدرت نے بھی چاہا۔ کہ جو اسرار سوا میرے محبوب کے دوسرا نہ سمجھ سکے۔ اس کے لیے کچھ حروف مقرر کر اور شب معراج طے ہو گئے ہوں گے۔ جب یہ لفظ کہوں تو

س کے معنی یہ سمجھنا - اور جب کوئی پوشیدہ بات کہنا ہوئی - تو
نہیں حروف کا استعمال کیا گیا ۔ کہیں - کٓھٰیٰعٓصٓ ۔ کہیں الٓمّٓرٰ
کہیں طٰہٰ کہیں قٓ اب اگر جبرائیل سے پوچھئے تو وہ بھی نہیں
ما سکتے کہ حبیب نے کیا کہا - اس کو یا تو حبیب بتا سکتا ہے - یا
محبوب - غیر کیا جانے اور یہ اصطلاحیں طے بھی ایسی جگہ ہوئیں
کہ جہاں جبرائیل کبھی نہ جا سکے - اور یہ کہہ کے چپ ہو گئے کہ یا رسول اللہ
اگر آگے بڑھوں گا تو بال و پر جل جائیں گے - پھر وہاں کی طے شدہ
اصطلاحیں کو جانے پردہ کی باتیں اگر سمجھتا ہے - تو یا تو پردہ کے
اندر والا یا پردہ کے باہر والا - جو اس پردہ پردہ میں باتیں ہوئیں
غیر کیا جانے جبرائیل جو سدرہ پہ چھوٹ جائیں وہ کیا جانے زمین
پر رہنے والے کیا سمجھیں آسمان والے کیا بتائیں مگر ذرا کان
لگا کے سنیئے کہ یہ آواز پردہ کے اندر سے کسی کی آرہی ہے تو ہم کو
خدا اور رسولؐ کے علاوہ کسی تیسرے کی آواز معلوم ہوتی ہے - یہ
نہ ہو اس راز میں کوئی تیسرا بھی شریک ہے - خدا تو قابل کلام
تھا - اس نے اس موقع کے لیے کسی کی بات اپنی زبان بنا کے
لسان اللہ کا خطاب دیا - پھر جس کی آواز پردہ سے آرہی ہے
وہ ان اصطلاحوں سے ضرور واقف ہوگا - اور کیوں کر نہ واقف
ہوگا - خدا کی کہی ہوئی باتیں لسان اللہ سے کہیں چھپ سکتی
ہیں - پھر سورۂ نبأت جس کی ابتدا حرف قٓ سے ہوئی ۔

سوا اس کے کون لے جاتا۔ کیوں کہ اسکی ضرورت تھی کہ کلا
کرنے والا خود سمجھتا ہو جس کلام کو پہنچا رہا ہو۔ تاکہ اگر بع
مہمل کہیں تو سمجھائے کہ مہمل نہیں ہے بہر صورت پیغمبر نے اپنی ر
نہیں بلکہ خدا کے حکم سے علیؑ کو اپنی طرف سے قاصد بنایا
ہر عہد میں خواہ نبیؐ کی طرف سے یا خدا کی طرف سے ایک پ
احکام شریعت پہنچانے والا موجود رہا۔ چنانچہ اس وقت جب
آدمؑ دنیا میں خلعت وجود سے سرفراز نہیں ہوئے تھے
جنوں کی حکومت تھی اس وقت بھی ابلیس جنوں کی طرف سے
پیغام الٰہی پہنچاتا تھا۔ اور احکام الٰہی کے مطابق فیصلہ
کرتا تھا۔ اور قاضی کا لقب ملا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ
الٰہی کی تبلیغ کرتا تھا۔ اور اس وقت کوئی برائی بھی نہیں کی تھی
پھر بھی نہ امام کا لقب ملا نہ نبی کا لقب۔ اس لیے کہ آئندہ گناہ
والا تھا۔ قدرت نے نہ چاہا کہ ایسے کو نبی یا امام کا بیش بہا
دیا جائے۔ جو آئندہ خطا کار ہونے والا ہے۔ باوجودیکہ اح
خدا کی صحیح تبلیغ کرتا۔ ایسا مطیع تھا۔ جس کی اطاعت ملا
بھی بڑھ گئی تھی۔ مگر انتہائی لقب نہ ملا کہ [illegible] پیغمبر کہلائے یا امام
کہلا سکا۔ جب ابلیس نے جس نے صحیح احکام بھی پہنچائے ہیں ا
نافرمانی نہیں کی تھی غیر کا سجدہ نہیں کیا تھا صرف اس بنا پر امام
کہلایا تھا کہ آئندہ خطا ہوگی۔ وہ احمق کیوں کر امام کہلائے

جنہوں نے احکام الٰہی کی تبلیغ صحیح کی ہو نہ دل شک سے پاک
ہو نہ پیشانی غیر کے سجدہ سے صاف ہو۔

بہر صورت بندہ رسولؐ سہی مگر اس کا انتخاب خدا کے انتخاب
کے مقابلے میں کبھی نہ ٹھہر سکا۔ باوجود اس کے پروردگار عالم نے قوم
جن میں قاضی بنا کے احکام الٰہی کی تبلیغ کرنے والا۔ ابلیس کو بھیجا
وہ ابلیس سہی چونکہ خدا کا منتخب کردہ تھا۔ اس لیے جب تک
آسمان پر نہیں بلایا گیا۔ نہ اس نے عصیاں کیا نہ احکام پہنچانے
میں کوئی کمی کی معزول کرنے کے لائق سمجھا گیا نہ اس سے عہدہ
چھینا گیا نہ دوسرا اس کی جگہ بھیجا گیا۔ نہ واپس بلا گیا نہ معطلی کی
ذلت برداشت کرنا پڑی جب تک تمام احکام الٰہی نہ پہنچا لئے اس
وقت تک ان کے درمیان میں رہا۔ لیکن جسے پیغمبرؐ نے بھیجا وہ معزولی
کے قابل قرار پایا۔ کیا پیغمبرؐ ناواقف تھے جانتے نہ تھے کہ جس کو ہم
سورہ تبلیغ کے لیے دے رہے ہیں وہ موضوع نہیں ہے خوب
واقف تھے مگر لوگ الزام لگاتے تھے کہ رسولؐ قرابت کی وجہ سے
ہر عہدہ علیؑ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس لیے پیغمبرؐ نے چاہا کہ شکایت
کرنے والوں کو عہدہ دوں تاکہ دنیا دیکھے کہ میرے فیض کا دروازہ
کسی کے لیے بھی بند نہیں ہے عہدہ دینے کو موجود ہوں۔ اور خدا
نے حکم دیا کہ واپس لو تاکہ اہل حق سمجھیں کہ عہدہ علیؑ کو ان کی قرابت
کی وجہ سے نہیں ملتا بلکہ اس خداداد اہلیت کی وجہ سے ملتا ہے

جو علی میں موجود ہے۔ جس طرح ابر رحمت ہر مقام پر برستا ہے
لیکن جہاں زمین میں وسعت ظرف ہے پانی رکتا ہے اور جہاں چٹیل میدان ہے
پانی جتنا برسے ابر رحمت کتنا ہی جھوم کر برسے کبھی رک نہیں سکتا
اس میں ابر کی خطا نہیں ہے۔ وہ تو برسا مگر جب ظرفیت ہی نہیں
ہے۔ تو پانی رکے کہاں پیغمبر رحمۃ للعالمین اس کا ابر جود و کرم
ہر مقام پر برسا جس میں مادۂ قابلہ تھا۔ اس نے فیض حاصل کیا
جس کی طبیعت نے ظرف صحیح پیش کیا۔ اس نے بہت کچھ حاصل
کیا۔ لیکن نا قابل طبیعتیں جو ظرف نہ بن سکیں اُن تک آب رحمت
آکے واپس ہوا۔ عہدہ مل کے چھن گیا۔ بہر صورت، خداوند عالم نے ابلیس
کو جب مطیع الٰہی تھا، دو کام سپرد کیے۔ اپنے احکام کی تبلیغ اور
جب جنوں سے جنگ کی ضرورت پڑی تو فوج ملائکہ کا علم دونوں
کام پورے کیے۔ نہ تبلیغ احکام میں معزول کرنے کے قابل نکلا نہ جنوں
کے مقابلے میں علم لے کے مہیا گا۔ اتفاق سے پیغمبر نے بھی دونوں
کام سپرد کیے۔ مگر کچھ نہ کرسکا پیغمبر کے منتخب کردہ سورہ کی تبلیغ نہ
کرسکا نہ علم لے ثابت قدم رہ سکا۔ معلوم ہوا کہ خدا کے انتخاب
کے سامنے رسولؐ کا انتخاب کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ تو جب
پیغمبر کا انتخاب خدا کے انتخاب کے سامنے بیکار ہو گیا۔ تو امتیوں
کا انتخاب کس کام آئے گا۔

جنوں میں تو ایسا پیغام پہنچانے والا بھیج دیا۔ جو اگرچہ اُس

وقت مطیع تھا۔ مگر آئندہ خطا کرنے والا تھا۔ لیکن بنی آدم کی طرف ایسا بھی نہیں بھیجا گیا بلکہ جب خدا نے بھیجا تو اسی کو جس نے نہ خطا کی ہو۔ نہ آئندہ خطا کرے۔ جب بھیجا تو معصوم کو۔ لیکن خدا کے بھیجے ہوئے قاصد جب چاہتے تھے۔ کہ امت کی طرف ہم اپنی طرف سے کسی کو قاصد بنائیں۔ تو اس سے اجازت لے کر منتخب کرتے تھے۔ چنانچہ جناب موسیٰ نے جب چاہا کہ اپنی طرف سے کسی کو قاصد بنائیں۔ تو جناب ہارون کو منتخب کر کے خدا کی درگاہ میں التجا کی۔ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هَارُوْنَ اَخِيْ میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دے۔ کلیمؑ کی دعا پر وزیر بنایا ہارونؑ کی اہلیت پھر التجا بنی درگاہ الٰہی میں باریاب ہوئی اور حکم ہوا کہ اے موسیٰ ہم نے تمہارے بھائی ہارونؑ کو تمہارا وزیر بنایا اس وقت سے جناب ہارونؑ ہر کام میں جناب موسیٰ کے شریک تھے۔ اور پیغام بھیجنا ہوتا تھا۔ اگر خود نہ گئے تو ہارون کی زبانی آپ احکام الٰہی پہنچاتے تھے باوجودیکہ آپ کی امت ایک محدود امت تھی۔ اور آپ کی نبوت تمام روئے زمین پر نہ تھی۔ کیوں کہ آپ کے زمانے میں دوسرے انبیاء بھی موجود تھے پھر بھی اپنی امت کی طرف احکام لیجانے والا اسے نہیں منتخب کیا۔ جو باغی رہ چکا ہو۔ یا اُس کے دل میں نبوت موسیٰ کی طرف سے شک موجود ہو۔ یا صنم پرست ہو۔ بلکہ ہارون جیسا معصوم

قابل عہدۂ نبوت کو احکام لے جانے والا بنتا یا جب موسیٰ کی اُمت
کی طرف احکام غیر معصوم نہ لیجا سکا تو خاتم المرسلینؐ جو تمام عالم
کے تنہا پیغمبر ہیں۔ اُس کی امت کی طرف خطا کار احکام پہنچانے والے کیسے
ہو سکتا ہے۔ اُمت موسیٰ کے لیے اگر ہارون کی ضرورت تھی کہ
وہ احکام پہنچائیں تو امت ختم المرسلینؐ کے لیے ضرورت ہو گی
کہ وہ احکام پہنچائے جو فخر ہارون ہو اور پھر میں اپنی طرف سے نہیں
کہتا ہوں بلکہ اسلام کی مسلم الثبوت حدیث یا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ
بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی۔ یعنی جو نسبت موسیٰ سے ہارون
کو تھی وہی نسبت تمکو مجھ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح
میرا مرتبہ موسیٰؑ سے بلند ہے۔ اتنا ہی مرتبہ تمہارا ہارون سے بلند
ہے۔

بہر صورت جناب موسیٰؑ نے تبلیغ احکام امت کی طرف پہنچانے کو
اپنے بھائی ہارونؑ کو منتخب کیا رسالتمآبؐ کو جب ضرورت ہوئی
تو اپنے بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ کو منتخب کیا۔ آپ نے تمام
الہٰی امت، کی طرف عمل کے ساتھ پہنچانے۔ نماز قائم کرکے پہنچائی
روزہ پہ روزہ رکھ کے تبلیغ کی حالت میں رکوع میں زکوٰۃ
کی تبلیغ کی۔ پا پیادہ ہر سال حج کرکے حج کی تبلیغ کی جنگ کرکے
جہاد کی تبلیغ کی۔ بستر رسولؐ پر سو کے نفس فروشی سکھائی
قرآن کرکے قرآن کی تعلیم دی۔ شب بھر ابن عباس سے تفسیر

کرکے معانی سمجھائے فاقے کرکے نفس کشی کی تبلیغ کی۔ پھٹا لباس پہن کر تواضع سکھائی۔ رسولؐ کے غلام بن کر انکساری سکھائی لوگوں کی سخت کلامی کا تحمل کرکے حلم سکھایا۔ گلے میں رسی بندھوا کے صبر کی تعلیم دی حضرت کھا کے شہادت کی تعلیم دی بہر صورت جناب رسالتمآبؐ نے اہلبیت دیکھ کے اپنے بھائی علیؑ کو اپنی طرف سے قاصد بنایا۔ اسی طرح جب سید الشہداء کو ضرورت ہوئی کہ اپنی طرف سے کسی کو قاصد بنائیں، تو اپنے بھائی مسلم بن عقیلؑ کا انتخاب کیا مسلم ابن عقیلؑ کی وجاہت ان کا وقار انکی شان علم وعبادت اس خط سے ظاہر ہوتی ہے جو جناب سید الشہداء نے کوفہ بھیجتے وقت آپ کو مرحمت فرمایا ہے۔

کوفے والو تمہارے بہت سے خطوط میرے پاس آئے اور اب ہانی اور سعید کا بھی خط آیا ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ ہم بے امام ہیں۔ جلد تشریف لایئے تاکہ آپ کی بدولت ہم کو ہدایت حاصل ہو۔ اَنَا بَاعِثٌ اِلَیۡکُمۡ اَخِیۡ وَابۡنَ عَمِّیۡ وَثِقَتِیۡ مِنۡ اَھۡلِ بَیۡتِیۡ مُسۡلِمَ ابۡنَ عَقِیۡلٍ میں تمہاری طرف مسلم کو بھیجتا ہوں اگر انہوں نے مجھے لکھا تو انشاء اللہ تمہاری ہدایت کیلئے میں بھی آ جاؤں گا۔ جب مسلم بن عقیلؑ اس خط کو لیے راستہ کی تکلیفیں منزلوں کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے امام مفترض الطاعت کے حکم کو حکم خدا سمجھتے ہوئے کوفے تشریف لاکے مختار ابن ابی عبید

کے گھر میں قیام کیا۔ کوفے والوں نے امام کے نام پر دست مسلم
پر بیعت کرنا شروع کی یہاں تک کہ ۱۸ ہزار آدمیوں نے بیعت
اس وقت جناب مسلمؑ نے ایک خط سید الشہدا کو لکھا۔ کہ
یہاں لوگ آپ کے مشتاق ہیں۔ یہ خبر والی کوفہ نعمان کو پہنچی
اس نے لوگوں کو سمجھایا کہ یزید کو بدستور امام حق سمجھو اور منحرف
ہو۔ جب اس نے دیکھا کہ میرے سمجھانے کا اثر نہیں ہوتا
یزید کو ایک خط لکھا کہ اے یزیدؔ لعین اگر تو کوفہ کو اپنی سلطنت
سے جدا کرنا چاہتا ہو تو کسی قوی اور سخت گیر شخص کو بھیج
احکام پر اہل کوفہ کو جبراً عامل بنائے۔ اس زمانہ میں عبید اللہ
بصرے کا گورنر تھا۔ یزید نے ابن زیاد کو ایک خط لکھا کہ
زیاد میرا خط دیکھتے ہی کوفہ جا کر نعمان سے چارج لیلے او
عقیل کو قتل کر دے اور ابن زیاد اس خط کو لے کر بصرہ سے
اپنے مقام پر اپنے عثمان ابن زیاد کو معین کیا۔ اس وقت تک
آدمی جناب مسلم کی بیعت کر چکے تھے۔ ادھر سید الشہدا
جناب مسلمؑ کے پاس آ چکا تھا کہ میں آ رہا ہوں اہل کوفہ امام
منتظر تھے۔ ادھر ابن زیاد بصرہ سے کوفہ کو نجف سے ہوتا
چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھا لوگ یہ سمجھے کہ امام حسین
کوئی پاؤں چومنے میں ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ کوئی
تھا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَدِمْتَ خَیْرَ

عبید اللہ دل ہی دل کڑھتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ اللہ اللہ اہل کوفہ حسینؓ کی طرف اس قدر متوجہ ہو گئے۔ جب دار الامارہ کے قریب پہنچا تو اس نے نقاب اُلٹی اور پکار کے کہا کہ عبید اللہ ابن زیاد تمہارا گورنر ہو کے آیا ہوں۔ میں تمہارے درمیان مال تقسیم کروں گا۔ انصاف کروں گا۔ حکومتیں دلاؤں گا۔ لیکن اگر کسی نے یزید کی نافرمانی کی اور اس کے خلاف اس کے دشمن مسلم عقیلؓ سے ملا تو سخت سے سخت سزا پائے گا۔ اِدھر نعمان نے جب سے سنا تھا۔ کہ امام حسینؓ کوفے میں آ گئے۔ تو دروازہ بند کرا لیا تھا۔ عبید اللہ ابن زیاد جب دروازہ پر پہنچا تو اس نے آواز ملائی نعمان نے یہ سمجھ کے کہ حسینؓ ہیں۔ پکار کے کہا خدا آپ کا بھلا کرے میں آپ سے جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لوگوں نے کہا نعمان ڈرو نہیں ابن مرجانہ ہے اس وقت نعمان قصر کے اوپر آیا۔ اور جب اس نے خود دیکھ لیا تو دروازہ کھلوایا رات بھر ابن زیاد دار الامارہ میں رہا صبح تک ابن زیاد کے آنے اور اس کی گفتگو کی خبر عام ہو گئی ایک طرف حرص دوسری طرف خوف ان دونوں باتوں نے اہل کوفہ کو آمادہ کر دیا کہ وہ حضرت مسلمؓ کو چھوڑ دیں۔ یہاں تک کہ بہم ہزار میں سے چالیس آدمی بھی ایسے نکلے جو قاصد حسینؓ کا ساتھ دینے کو تیار رہتے ابن زیاد نے جب مسلم کی تلاش شروع کی آپ خفیہ طور سے مختار کے گھر سے ہانی کے گھر میں پوشیدہ ہو چکے تھے۔

شریک ابن اعور بھی عبیداللہ ابن زیاد کے بصرہ سے کوفہ آکر
بیمار ہو گئے آپ ہانی کے گھر میں مقیم تھے شریک نے مسلم ابن عقیل
سے کہا اے مسلم میری عیادت کو ابن زیاد ضرور آئے گا۔ اس وقت
موقع اچھا ہو گا۔ آپ تلوار لے کے نکل آیئے گا۔ اور آپ ابن زیاد
کو قتل کر دیجیئے گا۔ آخر ابن زیاد عیادت کو آیا۔ شریک نے اس
گفتگو میں دیر کی جب دیکھا جناب مسلم نہیں نکلے تو ایسے اشعار
پڑھنا شروع کیئے جس سے اشارہ اس بات کی طرف کہ جلدی
قتل کر دو اس سے بہتر موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ آخر ابن زیاد
کھڑا ہوا اور قصر شاہی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہانی نے جناب
مسلم سے پوچھا یہ غضب کیا اس سے بہتر موقع کونسا ہو سکتا
تھا۔ جناب مسلم نے جواب دیا یہ سچ ہے مگر جب میں نے خیال
کیا کہ ابن زیاد کے قتل کو نکلوں تو مجھے پیغمبر کی حدیث یاد آگئی
کہ کسی کو دھوکے سے نہ قتل کرنا چاہیئے۔ اس وقت اگر میں دھوکے
سے قتل کرتا میری طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ ادھر ابن زیاد
نے ہانی کو طلب کیا اور پوچھا تم نے میرے ہاں آنا جانا کیوں
چھوڑ دیا۔ جواب دیا کہ میں بیمار تھا کہا ہانی چھپاؤ نہیں مجھے
خوب معلوم ہے کہ مسلم کو تم نے بلایا ہے کہ اپنے گھر میں مقیم
ہے۔ ان کی خاطر و مدارت کرتے ہو۔ ہانی اب نجات اس میں ہے
کہ مسلم کو میرے سپرد کر دو جب آپ نے دیکھا کہ اس کو سب

حال معلوم ہو گیا تو ہانی نے جواب دیا شرافت سے بعید ہے۔ کہ میں اپنے مہمان کو تجھے دیدوں۔ کہ تو اسے قتل کر دے اور میں زندہ رہ کر اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے ہوئے دیکھ سکوں۔ خدا کی قسم اگر میرا کوئی مددگار نہ ہوتا۔ جب بھی مہمان سے پہلے اپنی موت پسند کرتا۔ ابن زیاد نے ہانی کو اپنے پاس بلایا اور کہا ہانی اگر تم نے مسلم کو ہمارے سپرد کر دیا۔ تو قتل کیے جاؤ گے ملعون ابن عون نے چھڑی اٹھائی اور ہانی کے چہرے پر مارنا شروع کی۔ آپ کی پیشانی اور رخسار سے خون جاری ہو گیا۔ تمام کپڑے اور ڈاڑھی خون سے تر ہو گئی ابن زیاد کے قریب ایک شخص مسلح کھڑا تھا۔ ہانی چاہا کر اس سے تلوار سے لیلیں۔۔۔۔۔۔ مگر لوگوں نے پکڑ لیا۔ اور کھینچتے ہوئے لے چلے ایک کوٹھری میں بند کر دیا۔ جب جناب مسلم کو خبر پہنچی کہ ہانی قتل ہو گئے۔ تو آپ ہانی کے گھر سے نکلے رات کا وقت کہاں جائیں۔ گلیوں سے ناواقف مہاجر غریب الوطن کوئی راستہ بتانے والا نہیں۔ آخر راستوں میں گھومتے ہوئے طوعہ کے دروازہ پر پہنچے طوعہ دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ جناب مسلم نے سلام کر کے فرمایا۔ اے کنیز خدا میں پیاسا ہوں۔ اگر ہو سکے تو تھوڑا پانی پلا دو۔ طوعہ گھر میں آئی پانی لے کر حاضر خدمت ہوئی جناب مسلم پانی پی کر دروازے پر بیٹھ گئے۔ طوعہ اپنے گھر میں آئی اور تھوڑی دیر کے بعد جب پھر واپس پلٹی تو دیکھا

حسینؑ کا مصیبت زدہ ایلچی اب تک دروازہ پر بیٹھا ہے۔ کہنے
لگی اے بندۂ خدا کیا تو نے ابھی تک پانی نہیں پیا۔ فرمایا پانی پی
چکا۔ طوعہ نے کہا تو پھر اپنے گھر جا۔ آپ چپ رہے پھر طوعہ نے
کہا کہ بندۂ خدا اپنے گھر کیوں نہیں جاتا۔ پھر بھی آپ چپ رہے۔ پھر
تیسری بار طوعہ نے سخت لہجہ میں کہا بندۂ خدا مجھے معاف رکھو اللہ
اپنے گھر جا آج کل کوفہ کی حالت ایسی نہیں ہے کہ کوئی کسی کے
کے دروازے پر بیٹھے جناب مسلم کھڑے ہو کر فرمانے لگے۔ اے
کنیز خدا اس شہر میں نہ میرا کوئی گھر ہے۔ نہ قرابتدار ہیں تیرے شہر
میں بلایا ہوا مہمان تھا۔ کوفہ والوں نے میرے ساتھ دغا کی اے کنیز
خدا تو ہی بتا کہ اس شب تار میں کہاں جاؤں۔ اے طوعہ میں عقیل کا
بیٹا مسلم حسینؑ کا فرستادہ ہوں۔ یہ سننا تھا کہ طوعہ جناب مسلم کو اپنے
گھر میں لائی فرش بچھایا۔ کھانا کھلایا ابھی زیادہ تاخیر نہ ہوئی
کہ بیٹا داخل ہوا۔ ماں کو بار بار ادھر ادھر آتے جاتے دیکھ کے پوچھنے
لگا آخر وہاں کون ہے۔ جس کے پاس آتی جاتی ہو۔ طوعہ نے جواب
نہ دیا بیٹے نے اصرار کرنا شروع کیا۔ جب اصرار حد سے زیادہ ہو
تو کہنے لگی۔ کہ اچھا یہ وعدہ کر کہ کسی سے نہیں کہے گا تو میں بتاؤں
فرزند طوعہ نے قسم کھائی کہ میں اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کروں گا۔ طوعہ
نے کہا مسلم ابن عقیل جن کو کوفہ والوں نے بلا کے دھوکہ دیا
آج ہمارے یہاں مہمان ہیں۔ یہ سن کر چپ ہو گیا۔ رات بھر ملعو

مضطرب رہا۔ صبح کو جا کے اطلاع دیدی کہ مسلمؑ میرے گھر میں پوشیدہ ہیں۔ ابن زیاد نے ستر سوار معہ ایک افسر کے جناب مسلمؑ کے گرفتار کرنے کے لیے بھیجے آپ نے جو گھوڑے کے پاؤں کی آواز سنی تلوار لیکے نکل پڑے تاکہ یہ لوگ طوعہ کے گھر میں داخل نہ ہو جائیں اور عورتوں کی بے پردگی ہو کیوں مسلمؑ آپ کو عورتوں کے پردہ کا اتنا خیال۔ جناب مسلمؑ تلوار لے کے نکلے جنگ شروع ہوئی ایک طرف تنہا مسلمؑ دوسری طرف پوری فوج مگر جب حملہ شروع کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ شیر بکریوں پر حملہ کر رہا ہے یہاں تک کہ ۸۰ آدمی قتل کر دیئے محمد ابن اشعث نے ابن زیاد کے پاس کہلا بھیجا کہ کمک اور روانہ کرے اس نے جواب دیا کیوں ہم نے پوری فوج ایک تنہا مسافر کو قید کرنے کے لیئے بھیجی اور نہ قید کر سکے۔ اب اور کمک کی ضرورت ہے ابن اشعث نے جواب دیا۔ کہ ابن زیاد سے کہہ دینا کہ کسی کوفے کے بقال کو گرفتار کرنے کے لیئے نہیں بھیجا ہے۔ بلکہ اسے گرفتار کرنے کے لیئے بھیجا جو بیٹیہ اسد اللہ کا شیر ہے۔ اس بہادر کی طرف بھیجا ہے جس کے ہاتھ میں کاٹنے والی تلوار ہے۔ نہ جسکی شجاعت کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے۔ نہ نسب کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے۔ آپکی جنگ کی حالت لکھی ہے۔ کہ اگر کسی کو پکڑ لیتے تھے۔ تو پکڑ کے کوٹھے کے اوپر پھینک دیتے تھے۔ آخر جب فوج نے

دیکھا کہ آسانی سے گرفتار نہیں کر سکتے تو کوٹھوں سے آگ اور
پتھر پھینکنا شروع کر دیئے جب یوں بھی گرفتار نہ کر سکے تو راہ
میں ایک گڑھا کھودا اسے خس و خاشاک سے بند کر دیا اور خود
پیچھے ہٹ گئے جناب مسلمؑ حملہ کرتے کرتے ناواقفیت کی حالت میں
اس میں گر پڑے۔ اِدھر گرنا تھا کہ تمام اشقیاء نے چاروں طرف
حملے کرنا شروع کیے کئی دن کی بے چینی غربت کا عالم جنگ کی
تھکن اپنی تنہائی و اغیار کا ہجوم اشقیا گرفتار کر کے ابن زیاد کے
لے چلے راہ میں آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جاتے
ابن زیاد نے کہا بھلا مسلمؑ تم جیسے مرد مصیبت کے وقت رونا
چاہیئے۔ آپ نے جواب دیا کہ اے ملعون خدا گواہ ہے کہ نہ
مجھے اپنے قتل کا خوف ہے۔ اور نہ جان جانے کا ڈر ہے
مرنا مردوں کا کام ہے ہاں روتا ہوں اپنے خط پر کہ میں حسینؑ
کو خط لکھ چکا ہوں۔ کہ آپ کوفہ جلد تشریف لائیے اور
مجھے اطلاع دے چکے ہیں کہ میں کوفہ آرہا ہوں۔ عنقریب جانے
مولا داخل کوفہ ہوں گے۔ اس کے بعد آپ نے محمد ابن اشعث
سے کہا کہ اے بندہ خدا میرے اوپر اتنا احسان کر کہ کسی شخص کو حسینؑ کو
پاس بھیج دے۔ تاکہ وہ انھیں اطلاع کرے کہ مسلم بن عقیل دشمنوں
کے ہاتھوں قید ہو چکے ہیں۔ اور عنقریب قتل کر دیئے جا
گے۔ اور آپ کے پاس کہلا بھیجا ہے۔ کہ مولا میرے ماں باپ

فدا آپ پر آپ واپس جائیے ورنہ کوفے والے آپ کے ساتھ دغا کریں گے۔ آپ اسی حالت میں باب قصر تک پہنچے زخمی پر پیاس کا غلبہ ہوتا ہی ہے۔ آپ نے پانی طلب کیا مسلم ابن عمر شقی موجود تھا اس نے جواب دیا کہ مسلم دیکھو پانی کتنا ٹھنڈا ہے۔ مگر تم کو ایک قطرہ نہ ملے گا۔ یہاں تک کہ تم نار جہنم کا مزا چکھو۔ یہ سننا تھا کہ آپ کو غصہ آگیا۔ فرمایا اے شقی میں جہنم میں جاؤں گا۔ تو قیامت کے دن دیکھ لیں گے کون جہنم میں جاتا ہے۔ اتنے میں عمر بن حریث نے اپنے غلام کے ذریعے ایک کوزہ پانی سے بھرا ہوا بھیجا۔ جناب مسلم نے اس کوزے کو لے لیا چاہتے تھے کہ منہ سے لگائیں۔ مگر تمام پانی خون سے رنگین ہو گیا۔ یہاں تک کہ پے در پے تین کوزے دیئے گئے۔ لیکن پانی نہ پی سکے۔ اب تک کوفہ میں ایسے لوگ موجود تھے پیاسے کو پانی دیتے تھے لتنے میں ابن زیاد نے کہلا بھیجا کہ مسلم کو داخل کرو۔ لوگ آپ کو لے کے ابن زیاد کے پاس گئے۔ آپ نے سلام نہیں کیا لوگوں نے کہا مسلم امیر کو سلام کرو آپ نے جواب دیا میرا امیر سوا حسین کے کوئی نہیں۔ ابن زیاد نے کہا مسلم سلام کرو یا نہ کرو قتل ضرور کیے جاؤ گے۔ آپ نے فرمایا جب میرا قتل ضروری ہے تو کسی کو بھیج دے تاکہ اس سے وصیت کردوں۔ ابن زیاد نے کہا مسلم سب منظور ہے۔ مگر حسینؑ کو بھی ہم یونہی قتل کریں گے آخر آپ کو کوٹھے پر لے گئے۔ آپ حمد و ثناء و تکبیر الٰہی میں مشغول

تھے۔ کہ جلاد نے وار کیا۔ حسینؑ کا ایلچی خدا کی راہ میں امام وقت
پر نثار ہو گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (ترجمہ) اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ تم خدا کے اولیاء ہو تو اپنے دعوے میں اس وقت سچے ہو۔ جب موت کی تمنا کرو۔

رسالتمآب کا زمانہ ہے اور ہر شخص ولایت خدا کا زبانی مدعی ہے خاص طور تیار کہ ہم اولیاء اللہ ہیں چونکہ اس مجمع میں وہ لوگ چھپ جاتے ہیں جو حقیقت میں خدا کے نہیں تھے اسلئے قدرت نے چاہا کہ معیار قائم کیا جائے کہ جس میں یہ شرائط پائی جائیں وہ اولیاء اللہ سمجھو اور جو ان شرائط کے حامل نہ ہوں وہ اولیاء اللہ نہیں ہو سکتے تاکہ حق باطل کے پوشیدہ نہ ہو جائے اور صادق و کاذب کا امتیاز مشکل نہ ہو جائے اس لئے قدرت نے مختلف مقامات پر علامتیں بتا دیں کہ جس میں یہ علامتیں پائی جائیں بس وہی اولیاء اللہ ہیں اس کے علاوہ خدا کوئی نہیں ہو سکتا ہے اسلئے جب یہ ارشاد ہوتا ہے اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ شیطان اولیاء کے دل میں خوف پیدا کر دیتا ہے مقصد یہ ہے کہ اگر کسی میں خدا کے علاوہ کسی کا خوف دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ اولیاء شیطان ہے۔ اولیاء خدا سے نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ خوف دلیل ہے شخص اولیاء سے نہیں ہے۔ چاہے سانپ سے ڈرے چاہے

جنگ سے خوفزدہ ہو۔ اگر ہے تو ہم کو یقین کر لینا چاہیئے۔ کہ یہ شخص اولیاء خدا سے نہیں ہے۔ ورنہ خدا کے علاوہ کسی اور کا خوف نہ ہوتا لیکن جس کے دل میں خدا کے علاوہ کسی کا خوف دیکھیئے سمجھ لیجئے کہ یہ اولیاء خدا میں سے ہے۔ آسان نہیں ہے اولیاء میں شامل ہو جانا ہم تو جب سمجھیں گے کہ اولیاء خدا میں سے ہے۔ جب میدان جنگ میں ساتھیوں سے کہے پیچھے ہٹ جاؤ اور مقابل سے کہے کہ آگے بڑھ آؤ۔ اور بچپنے میں گہوارہ کے پاس بھی اگر سانپ آجائے تو چھ ماہ کے سن میں دو ٹکڑے کر دے۔ ممکن تھا کہ علامت سے اولیاء اللہ نہ سمجھے جا سکتے اس لیے دوسرے مقام پر واضح کر دو۔ مَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ۙ یہ لوگ خدا کے اولیاء نہیں ہیں۔ اس کے اولیاء تو صرف اہل تقوٰی ہیں۔ اب تلاش کر لیجئے کہ متقی کون لوگ ہیں جو متقی ہو وہی اولیاء خدا میں ہے۔ امام رازی نے جلد اول تفسیر کبیر میں متقی کے معنی لکھے ہیں جو سوا نیک کام کے برا کام نہ کرے جس کی دوسری تفسیر عصمت ہوئی معلوم ہوا کہ جو صاحب تقوٰی ہو گا یعنی معصوم وہی متقی ہو گا تو اہل تقوٰی اولیاء اللہ اور سید الاولیاء وہ ہو گا۔ جو امام المتقین ہو۔ تیسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا خدا کو چھوڑ کر ایسے بتوں کو اپنا اولیاء بناتے ہو جو خود اپنے ذاتی نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں

ظاہر ہے۔ کہ ایسوں کو ولی بنانا جو خود اپنے نفع و نقصان کے
مالک نہ ہوں۔ . . . . اگر حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔
لیے کہ ہر بات میں وہ انسان کے محتاج ہیں۔ اپنی تراش میں انسان
کے محتاج اپنے بننے میں انسان کے محتاج اگر انسان کعبہ میں
دے تو وہاں ہیں اگر مٹی میں ڈالدے تو وہاں پڑے رہیں ہر
صورت جب اصنام ولی نہ بن سکے تو بت پرست اولیا کب
سکتے ہیں۔
چوتھے مقام ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا
خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اولیاء خدا
نہ خوف طاری ہوتا ہے۔ اور نہ حزن طاری ہوتا ہے۔
ہوا کہ اولیاء خدا کی پہچان یہ ہے۔ کہ ان پر خوف و حزن نہ
ہو۔ اور اگر خوف و حزن طاری ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ وہ
خدا میں نہیں ہے بلکہ اولیاء شیطان میں ہے۔ اب تو نہ ہم پوچھے
تاریخ سے سوال کیجئے۔ اب تو قرآن سے پوچھیے کہ اولیاء
کون ہیں اور کون نہیں ہیں قرآن خود جواب دے گا جن کو
دیں۔ کہ ان پر حزن طاری ہوا۔ سمجھ لو کہ یہ اولیاء خدا میں
نہیں ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا
فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ
نا ہے اگر حزن نہیں طاری ہوا۔ تو پیغمبر منع کس کو کر رہے

اور جب حزن طاری ہوا تو اولیاء خدا نہیں ہو سکتے ہیں۔ آخر میں قدرت نے چاہا کہ ایسا معیار اولیاء خدا کا مقرر کر دیا جائے۔ جس کے بعد کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے۔ لہٰذا ارشاد ہوتا ہے۔

اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ اللّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

درحقیقت ولایت آسان نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ لفظ ہے جس کا قدرت نے اپنی ذات پر اطلاق کیا ہے۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ خدا ولی ہے۔ ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔ کیوں اس لیے کہ خدا اُن کو ظلمات سے نور کی طرف لاتا ہے۔ اس آیت سے جہاں خدا کی ولایت کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں علت و غایت بھی بتادی ہے۔ کہ ولی کی علت غائی یہ ہوتی ہے۔ کہ ظلمت سے نور کی طرف لے آئے۔ اب جو اہل ایمان کو ظلمت سے نکال کے نور کی طرف لائے وہی ولی ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ ولی نہیں نہیں ہو سکتے جو خود ظلمت ہوں۔ اس لیے کہ ظلمت نور تک نہیں پہنچا سکتی۔ اگر نور تک نہیں پہنچا سکتی۔ مگر نور تک ایمان والوں کو پہنچا سکتا ہے۔ تو وہ جو خود نور ہو۔ ایسے لوگ جو ظلمت و کفر میں پیدا ہوئے۔ آغوش وہ کفر میں تربیت ہوئی۔ بت پرستی کرتے کرتے سن رسیدہ ہو گئے تو وہ اولیاء اللہ

نہیں ہو سکتے۔ اولیآء وہ ہو سکتے ہیں جو نور سے پیدا ہوئے محلِ نور میں پیدا ہوئے۔ نورانی آغوش رسالت میں تربیت ہوئی۔ نورِ اسلام میں عمر گذاری۔ عرش پر رہے تو نورِ محض تھے۔ دنیا میں پیدا ہوئے تو نورِ مجسم رہے۔ ایسا قوی نور کہ رات کو جن کے نور سے سوئی ڈھونڈ لی جائے وہ اس قابل تھے کہ اولیآء اللہ ہو سکیں۔

بہر صورت چونکہ لفظ ولی کا مصداقِ حقیقی خود خدا ہے۔ اگر بلا اس کی اجازت کے ہم کسی کو ولی کہہ دیں گے تو غصب لقب الہٰی ہو گا۔ اور شرک لازم آئے گا۔ اس لیے منشاءِ الہٰی کو دیکھ کے ولی کہے گا کسی کو چونکہ وہ خود مالک ہے۔ اگر کسی کو ولی کہہ دے تو آپ شوق سے ولی کہیئے۔ شرک نہیں مالکِ حقیقی نے اپنا لقب خود دے دیا۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ۝ بس ولی تمہارا خدا ہے۔ اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یہ تو واضح ہے کہ خدا لفظ ولی کا مالک ہے۔ اس نے اپنی ذات کی ولایت ظاہر فرمائی۔ اور اپنے بعد یہ لقب اس نے رسولؐ کو عطا فرمایا کہ اس کا رسولؐ ولی ہے لیکن یہاں تک تو نام لے کے بتا دیا۔ اس کے بعد نام نہیں لیا ہے۔ بلکہ اولیآء کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ کہ میں اور میرے رسولؐ کے

کے بعد تمہارے اولیاء وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ نام نہیں لیا۔ بلکہ اوصاف اولیاء ذکر کر دیئے۔ خدا کو معلوم تھا۔ یہ قرآن ایسے لوگوں کے ہاتھ آ جائے گا۔ کہ جو میرے بتائے ہوئے نام کو نکال کے اپنا نام لکھ لیں گے وہی نام اپنا رکھ کے کہیں گے میرا بھی یہی نام ہے لہٰذا میں ولی و حاکم ہوں اس لیئے قدرت نے اوصاف کا ایک حسین لباس تیار کیا تاکہ اہل بصیرت اس خداساز لباس پہنا کے دیکھ لیں جس قد پر موضوع معلوم ہو اسی کو ولی سمجھیں پہلا وصف ذکر فرمایا کہ اولیاء وہ لوگ ہیں جنہوں نے نماز قائم کی۔ اب تلاش کیجئے۔ کہ نماز کن لوگوں نے قائم کی۔ اگر تلاش سے نہ ملے یا کوئی نہ بتا سکے تو پھر اب حرم سے دریافت کیجئے۔ وہ بتائے گی۔ کہ پہلے جب نماز پڑھی گئی تو ایک امام اور دو ماموم تھے۔ نماز پڑھانے والا وہی خدا کا بنایا ہوا ولی یعنی رسولؐ تھا۔ اور نماز پڑھنے والوں میں تمام دنیا کی عورتوں میں صرف خدیجہؑ تھیں اور تمام دنیا کے مردوں میں صرف علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے لیکن قدرت نے چاہا کہ صرف قیام صلوٰۃ ہی ولایت کا سبب نہ بنے اس لیے ایک قید اور بڑھا دی کہ تمہارا ولی وہ ہے۔ جس نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی ہو۔ اب تمام مفسرین سے خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں دریافت کیجئے تو بتائیں گے کہ وہ صرف علیؑ کی ذات تھی جب کہ پیغمبرؐ نماز پڑھا رہے تھے۔

اور ہزاروں ایمان لانیوالے پیغمبرؐ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے
یہاں تک کہ رسولؐ کے ساتھ سب نے رکوع کیا۔ سائل خدا کی راہ
میں طلب کرکے خاموش ہو گیا اتنے مجمع میں صرف ایک علیؑ کی ذات
تھی۔ جس نے نہ چاہا کہ خدا کی راہ میں مانگنے والا واپس جائے آپ
نے وہ انگشت مبارک جس میں انگوٹھی بڑھادی سائل نے انگشتری اتار
لی اور چلا گیا۔ خدا کو پر خلوص عطیہ اسقدر پسند آیا کہ اس نے ایثار
وصف خاص یعنی ولی عطا کردیا۔ اور لقب ولی کے مالک حقیقی کو
یہ انداز کچھ اتنا دلفریب معلوم ہوا کہ اسکی قبولیت زکوٰۃ کی سند
عطا فرمائی لیکن جو اس کی پسند کی ہوئی چیز کو پسند نہیں کرتے انہوں
نے مختلف شبہات پیدا کرنا شروع کیئے کہ یہ خضوع و خشوع کے
مخالف ہے۔ وہ نماز پڑھنے والا جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہو کہ جب
میدان جنگ میں تیر جسد اقدس میں پیوست ہو جاتا تھا۔ تو جناب
رسالتمآبؐ لوگوں سے کہتے تھے کہ ابھی ٹھہر جاؤ۔ جب علیؑ نماز میں
معروف ہوں گے۔ تو تیر نکال لینا۔ چنانچہ جب آپ نماز میں
معروف ہوتے تھے تو وہ تیر نکال لیا جاتا تھا۔ اور آپؑ کو معلوم
بھی نہیں ہوتا تھا۔ تو پھر سائل کی آواز کیسے سنائی دی۔ لیکن اگر آپ
غور کریں تو معلوم ہوگا۔ کہ اس خضوع و خشوع کے نماز پڑھنے والے
کی یہی حالت ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ بندہ جب نماز شروع کرتا ہے
تو پہلے کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ تمام تعریفیں اس

کے لیے ہیں۔ جو عالمین کا پالنے والا ہے۔ یعنی اللہ کو غائب سمجھتا ہے
اس کے بعد تعریف کرتے ہوئے جب آگے بڑھتا ہے۔ تو کہتا ہے
اِیَّاکَ نَعْبُدُ یعنی تیری عبادت کرتے ہیں۔ اب خدا کو حاضر اور قابلِ
خطاب سمجھنے لگا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس منزل پہ آ کر نفسِ
انسانی دربارِ الوہیت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ اور قدرت خود اسکی طرف
متوجہ ہو جاتی ہے۔ جب حاضر ہو گیا تو جس قدر آگے بڑھتا جائے گا
تقرب بھی بڑھتا جائے گا۔ اور اسی لیے اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ
الْمُؤْمِنِ وارد ہوا ہے۔ نماز مومن کے لیے معراج ہے تو کیا
مومن نماز میں عرش پہ چلا جاتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ تقربِ الٰہی و
حضوریٔ قلب حاصل ہو جاتی ہے۔ معمولی مومنین کا نفس اتنا حاضر
ہوتا ہے۔ تو امیرالمؤمنین کا نفس کتنا حاضر ہو گا۔ پھر ادھر کی معمولی
سے معمولی بات سن لینا چاہیے۔ ادھر کی بڑی سے بڑی بات کا احساس
نہ ہونا چاہیے۔ چونکہ سائل کی صدائیں پہنچ رہی تھی۔ جہاں علی کا نفس
حاضر تھا۔ اس لیے سن لی اور دنیاوی بات کا احساس نہ ہوا۔ یہ
تعجب کی بات نہیں ہے۔ کہ علیؑ نے سائل کی صدا کیوں کر سن لی تعجب
یہ ہے کہ اتنے بڑے مجمع میں سائل سے دیکھ کیسے لیا۔ کہ علیؑ نے
انگلی بڑھائی ہے۔ اس لئے کہ آپ عموماً صفِ اول میں ہوتے
تھے۔ مسجد سواری مسلمانوں سے بھری ہوئی۔ سائل در مسجد پر علیؑ
پہلی صف میں رکوع کی حالت انگلی بڑھاتے ہیں۔ اور سائل کو دیکھ لیتا

ہے۔ اِس کے معنی یہ ہوئے کہ گو سائلین کی صدا عام ہوتی ہے مگر جانتے تھے کہ ملیگا اسی ہاتھ سے اس لیے مانگنے کے بعد اسی ہاتھ کی طرف دیکھنے لگتے تھے یا کہوں کہ مانگتے اللہ سے جانتے تھے کہ ملیگا ید اللہ سے۔

بہر صورت اُمتِ محمدیہ میں ولی بننا آسان نہیں کیوں کہ موت پر راضی رہنا اور بات ہے موت کی تمنا دل میں پیدا ہو جانا یہ اور بات ہے۔ اس منزل پر اگر انبیاءؑ کا جائزہ لیتے ہیں تو مشکل نظر آتی ہے۔ جناب آدمؑ جیسا نبیؑ۔ لیکن جب ملک الموت پہنچے اور عرض کیا کہ دربار الٰہی میں طلبی ہے۔ تو کہنے لگے۔ ملک الموت ابھی تو میری عمر کے تیس سال اور باقی ہیں جب ملک الموت نے یاد دلایا کہ وہ اپنی اولاد میں سے ایک کو ہبہ کر چکے ہیں۔ جب خاموش ہوگئے۔ خلیل ابراہیم جیسے اولوالعزم نبی و رسولؑ کے پاس جب ملک الموت آئے عرض کیا کہ خلیل خدا کی درگاہ میں طلبی ہے۔ فرمایا ملک الموت تم کو حتمی حکم ملا ہے۔ یا میری خوشی سے روح قبض کرو گے۔ عرض کیا کہ آپ کی خوشی سے فرمایا میری جانب سے درگاہ الٰہی میں عرض کر کہیں کوئی دوست کسی دوست کو موت دیتا ہے۔ ملک الموت واپس ہوئے عرض کی پالنے والے تو نے ابراہیمؑ کا جواب سن لیا۔ اب کیا حکم ہوتا ہے۔ حکم ہوا جاؤ، ابراہیمؑ سے کہدو کہ کہیں کوئی دوست کسی دوست کی ملاقات سے انکار کرتا ہے۔

اسی طرح جب سلیمان علیٰ نبینا علیہ السلام کے پاس ملک الموت قبض روح کے لیے پہنچے تو سلیمانؑ نے فرمایا کہ ملک الموت مجھے اتنی مہلت دو کہ میں دھوپ سے سائے میں چلا جاؤں جناب عیسیٰؑ سا نبی دنیا سے کوئی تعلق نہیں جس نے نہ کوئی مکان بنایا نہ بال بچوں کے جھگڑے میں رہا جب سولی پر آپ چڑھائے گئے تو بقول نصاریٰ عرض کیا کہ آسمانی باپ مجھ سے موت کا کڑوا پیالہ ہٹا لے۔ ایسے لوگ جن کے دلوں میں موت کی تمنا ہو۔ سوا محمدؐ و آل محمدؐ کے نہ ملیں گے۔ یہاں تو صغیرنا و کبیرنا سب چھوٹے بڑے موت کے متمنی تھے۔ جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں جب ملک الموت آئے اور عرض کیا خداوند عالم بعد تحفہ درود وسلام ارشاد فرماتا ہے۔ کہ اے میرے نبیؐ دل چاہے تو قیامت تک دنیا میں رہو۔ اور دل چاہے تو میری درگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔ آپؐ نے پوچھا انجام۔ ملک الموت نے عرض کیا موت" فرمایا پھر ایسی دنیا میں رہ کر کیا کروں۔ فاطمہؑ زہرا کے دل میں موت کا ایسا شوق کہ باپ سے سنا کہ آج یوم فراق ہے۔ روئیں اور رسالتمآبؐ نے فرمایا بیٹی اہل بیت میں سب سے پہلے تم ملو گی تو خوش ہو گئیں۔ کہ فاطمہؑ باپ کے بعد دنیا میں زیادہ دن رہنا نہیں چاہتی۔ اسی طرح امیرالمومنین صفین میں صرف کرتہ پہنے ہوئے جنگ کر رہے تھے امام حسنؑ نے ملاحظہ کیا۔ عرض کرنے لگے بابا مجاہد ایسے

ہی رہتے ہیں۔ لَا یُبَالِی اَبُوْکَ وَقَعَ عَلَی الْمَوْتُ اَوْ وَقَعَتْ عَلَی الْمَوْتِ اِنَّ عَلِیَّ ابْنِ اَبِی طَالِبٍ لَاُنْسٌ بِالْمَوْتِ مِنَ الصَّبِیِّ بِثَدِیْ اُمِّہٖ ۔ بیٹا تمہارے باپ کو کچھ پرواہ نہیں کہ موت میرے اوپر آجائے یا میں خود پر جا پڑوں۔ بیٹا، بچہ اتنا ماں کے دودھ سے مانوس نہ ہوگا۔ جتنا علیؑ موت سے مانوس ہے۔ رہ گئے امام حسینؑ تو آپ کی تمنا، سنت زد خاص وعام ہے۔ یہ گھ کا گھرانا موت کا متمنی تھا۔ راہ کربلا میں سید الشہدا کی آنکھ لگ گئی خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے۔ یہ لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہیں آپ نے آنکھ کھول دی اور فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ مرکر جان دینے والے زندہ تھے شہزادہ علی اکبرؑ سنتے ہی سامنے آگئے اور عرض کیا بابا یہ کیوں ارشاد فرمایا۔ آپؑ نے جواب دیا بیٹا میری آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے ابھی ابھی خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے یہ لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہیں شہزادہ نے عرض کیا اَلَسْنَا عَلَی الْحَقِّ کیوں بابا کیا ہم حق نہیں ہیں۔ فرمایا۔ نَعَمْ نَعَمْ اِنَّکُمْ عَلَی الْحَقِّ ہاں ہاں بیٹا تم حق پر نہ ہو گے تو کون حق پر ہوگا۔ اس وقت آپ نے نہایت اطمینان قلب کے ساتھ خوش ہو کے فرمایا۔ فَلَسْنَا نُبَالِیْ بِالْمَوْتِ جب حق پر مرنا ہے تو پھر موت کی کونسی پرواہ آخر ہمارا امام دوسری محرم کو وارد کربلا خیام فرات کے کنارے نصب ہوئے نبی امیہ

سے زمین خریدی اور پھر واپس کر دی۔ اور فرمایا کہ اے بنی اسد
جب ہم قتل کر دیئے جائیں تو ہم غریبوں کی لاشوں کو دفن
کر دینا۔ اس کے بعد آپ نے اطفال بنی اسد کو خرمے تقسیم کیئے۔
اور فرمایا بچو اگر تمہارے ماں باپ یزید کے خوف سے ہم کو،
دفن نہ کریں تو جب کھیلتے ہوئے آنا تو ایک ایک مٹھی خاک
ہم غریبوں کی لاشوں پہ ڈال دینا۔ تاکہ ہمارے لاشے زیر آسمان
عریاں نہ رہیں۔ جب یزیدی فوج نے محاصرہ کیا تو سب سے پہلے
یہی معاملہ درپیش ہوا کہ حسینؑ اپنے خیموں کو فرات کے کنارے سے
ہٹا لو یہاں ہم اپنے خیمے نصب کریں گے۔ یہ سننا تھا کہ جناب عباسؑ
اُٹھ کھڑے ہوئے آگے بڑھے اور فرمایا تمہاری مجال نہیں کہ عباسؑ
کی زندگی میں حسینؑ کے خیمے فرات سے ہٹا دو۔ یہ آواز امامؑ تک پہنچی
آپ خیمے سے باہر نکل آئے اور پکار کر فرمایا تمہیں میرے سر کی قسم
واپس آؤ ہم خیمے ہٹا لیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ دنیا یہ سمجھے کہ حسینؑ
نے پانی پہ جنگ کی بلکہ ہماری جنگ صرف حق و بقائے اسلام کے لیے
ہو۔ لیکن ابھی عباسؑ موجود تھے۔ اس لیے خیموں کی حفاظت
و اہل بیت کے تحفظ کا انتظام تھا لیکن عصر کے بعد انہیں خیموں
میں آگ لگی ہوئی تھی۔ کوئی اتنا نہ تھا کہ بجھا دیتا۔ سیدانیاں اپنے
اپنے بچوں کو لیے ہوئے ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں جاتی تھیں
جب سب خیمے جل چکے صرف ایک خیمہ باقی رہ گیا۔ اور اس میں

بھی آگ لگی تو جناب زینب بیمار کربلا کے پاس آئیں بیٹا تم امام زمانہ ہو۔ کیا حکم دیتے ہو۔ ہمیں جل کر مر جائیں یا خیمے سے باہر نکل جائیں فرمایا اپھوپھی اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالیئے اب خیمہ سے، نکلنے کا وقت ہے۔ افسوس کہ نبیؐ زادیاں علیؑ کی شہزادیاں فاطمہؑ کی بیٹیاں بلوۂ عام میں نامحرموں کے مجمع میں سر برہنہ زبر قع نہ چادر بسر دا داشتند خیمے سے باہر نکلیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ رُسُلًا اِلٰی قَوۡمِہِمۡ فَجَآءُوۡہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَانۡتَقَمۡنَا مِنَ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا ؕ وَکَانَ حَقًّا عَلَیۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝

ارشاد ہوتا ہے کہ اے رسولؐ ہم نے تمہارے پہلے بھی رسولوںؑ کو بھیجا ان کی قوموں کی طرف۔ وہ لوگ معجزات سمیت آئے۔ پس جن لوگوں نے ظلم کیا اُن سے ہم نے بدلہ لیا اور ہمارا حق تھا کہ ہم مومنینؑ کی مدد کریں۔"

خداوند عالم نے ہر قوم ہر امت میں نبیؐ یا رسولؐ بھیجا۔ اور پھر تنہا نہیں بھیجا بلکہ معجزات دے کر بھیجا۔ تاکہ وہ معجزات بتائیں کہ یہ اپنی طرف سے دعویٰ نہیں کر رہا ہے بلکہ ہمارا بھیجا ہوا ہے۔ کوئی نبیؐ یا رسولؐ بلا معجزہ نہیں بھیجا اس بات کے لیے کہ کاذب و صادق میں فرق ہو جائے۔ کہ دعویٰ جھوٹا کس کا ہے اور سچا کس کا ہے۔ اصل

دعویٰ میں برابر۔ لہٰذا اگر معجزات دے کر نہ بھیجتا تو پھر کوئی مدعی نہ جھوٹا کہلا سکتا تھا۔ نہ سچا۔ لہٰذا اُس نے معجزات دیدیئے تاکہ جو مدعی نبوّت ہو اُس سے معجزہ طلب کرو۔ اگر معجزہ اس کے پاس ہو تو سچا۔ اور اگر عاجز رہے تو جھوٹا۔ ایسے انبیاءؑ جنہوں نے آکر دنیا میں اپنی صداقت پر معجزات کو دلیل بنایا ہو۔ جس نے ان کی تکذیب کی اور جرم کیا۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ کہ ہم نے بدلہ لیا۔ تم کیوں انتقام لینے کیلئے تیار ہو۔ ایسوں سے ہم خود بدلہ لیں گے۔ اور ہم پر فرض ہے کہ ہم مومنین کی مدد کریں۔ مومنین کی نصرت اپنے اوپر فرض قرار دیتا ہے۔ کہ ہم پر واجب ہے۔ یہ یاد رکھیے کہ جو بات اس کے لیے ضروری ہے وہ ضرور ہو گی۔ کیوں کہ وہ قادر مطلق ہے اس کے یہاں انتظار نہیں ہے وہ راستہ نہیں دیکھتا نہ کوئی طاقت اُسے روک سکتی ہے۔ بلکہ جس بات کا اُس نے ارادہ کر لیا۔ اب کسی میں دم نہیں ہے۔ کہ اُسے روک سکے کیوں کہ وہ خالق قوت طاقت ہے۔ نہ اس کے سامنے کسی کی طاقت کارگر ہوتی ہے۔ اور نہ قوت کام کرتی ہے پھر وہ کون ہے جو اُس کے ارادہ سے اُس کو روک سکے جس طرح اہلبیت کی طہارت کا اُس نے ارادہ کیا۔ تو ایسا طاہر کیا زندگی میں رجس قریب نہ آسکا۔ نجاست پاس نہ آسکی گناہوں سے اس حد پہ طاہر کیا کہ دامن پکڑنے والے طاہر ہو گئے۔ بلکہ اس حد پر طہارت پہنچی کہ زندگی تو زندگی مرنے کے بعد جس فضا میں دفن ہو گئے وہ فضا طاہر و مطہر ہو

گئی۔ آج تک علیؑ کی طہارت کا یہ اثر ہے۔ کہ نجف میں شراب سرکہ
بن جاتی ہے۔

بہر صورت جس بات کا وہ ارادہ کرے اُس سے اس کو کون روک سکتا ہے۔ اُس نے ارادہ کر لیا کہ مومنین کی مدد کرے۔ اور پھر واجب قرار دے لیا ہے۔ اور ترک واجب ہے قبیح۔ اور ذات خدا قدوس قبیح سے بری ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ کسی مومن کی مدد نہ کرے اور ایفاءِ وعدہ ہے۔ واجب لہٰذا ضروری ہے۔ کہ مدد کرے مقام تحد رسلؑ کا کہ ہم نے رسولؑ بھیجے لہٰذا کہنا یہ چاہیئے تھا۔ کہ ہمارے اوپر حق ہے کہ ہم مرسلین کی مدد کریں۔ لیکن لفظ مرسلینؑ کا چھوڑ کر ارشاد فرماتا ہے۔ کہ ہمارے اوپر حق تھا کہ ہم مومنین کی مدد کریں۔ گویا لفظ رسولؑ کو چھوڑ کر مومن اختیار کرتا ہے کہ ہر مومن چاہے رسولؑ ہو یا نہ ہو۔ سب کی مدد کرنا اُس کا فرض ہے۔ یا یوں کہو کہ اُس کی مدد کیلئے رسالت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ رسالت دنیا تھی مخصوص گروہ کو تو اگر اپنی مدد کا معیار رسالت کو قرار دیتا تو لوگوں کو شکایت کرنے کا موقع ملتا۔ کہ تو نے کیوں ہم کو اپنی مدد سے محروم رکھا۔ لہٰذا اس نے ایسے وصف کو معیارِ مدد قرار دیا کہ جو عام ہو۔ اور ہر شخص حاصل کر کے مستحق مدد بن سکے۔ یعنی ایمان بس ایمان حاصل کر لے۔ اور اُس کی مدد کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اب کسی کو دم مارنے کا موقع نہیں ہے۔
لہٰذا میں اب آپ کو مبارک دیتا ہوں کہ آپ اُس کی مدد کے مستحق بنتا

مسلمان کی مدد کا وعدہ نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے مومنین کی مدد کریں گے
ت یہ ہے ۔ اس کے مومنین ہمیشہ ضعیف اور قلیل رہے ۔ اور رحم
ل قلت کا ساتھی ہوتا ہے ۔ بشرطیکہ حق پر ہو کیونکہ مومن حق پر ہوتے
ہیں ۔ اور ان کی قلت ہے اور وہ رحیم ہے ۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ
ان کا ساتھ دے پھر جس گروہ کا خدا ساتھی ہو ۔ اس کی قوت کی کوئی
انتہا ہے ۔ سلطنتوں نے چاہا کہ تمام روئے زمین سے اہل ایمان کا نام مٹا
دیں مگر تو بہ جن کا طرفدار خدا ہو ان کو کوئی مٹا سکتا ہے ۔ سلطنتیں
اسی حسرت میں مٹ گئیں ۔ بادشاہ اسی ارمان کو لیکر جہنم میں روانہ
ہو گئے ۔ تخت الٹ گئے ۔ فوجیں تباہ ہو گئیں ۔ مگر اہل ایمان اب تک
ہیں ۔ اور قیامت تک رہیں گے ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اہل ایمان کا طرفدار
اگر خدا نہ ہوتا ۔ تو بھلا ایمان کا نام رہ سکتا تھا ۔ یہ اس کی سلطنت ہے
اس کا پائے تخت ہے ۔ محل حکومت ہے ۔ سلطنت کی حفاظت ہر
ایک پر واجب ہے ۔ حدیث آج تک گواہ ہے کہ لَا یَسَعُنِیْ
عَرْشِیْ وَ یَسَعُنِیْ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ ۔ معلوم ہوا کہ مومن کا دل ،
اس کا گھر ہے ۔ یعنی کعبہ اس نے اپنا پائے تخت نہ بنایا ۔ باین عظمت
کہ دنیا کے سر اس طرف جھکتے ہیں ۔ لیکن سرزمین دل کس قدر اس کی
نظر میں معزز ہے ۔ بشرطیکہ ایمان ہو ۔ کہ اس نے اس کو پائے تخت
پائے تخت میں زمین دل اس قدر مختصر جس کی انتہا نہیں ۔ مگر ایمان نے
اس قدر وسیع اس کو بنا دیا کہ اب اس کی وسعت کی بھی کوئی حد نہ

رہی جس قدر کفر ضلالت فضا پر دل تنگ کر دیتی ہے۔ اسی قدر ایمان اس میں وسعت پیدا کر دیتا ہے۔ کوئی انتہا ہے وسعت کی کہ کعبہ بھی اس کے سامنے تنگ ہو گیا۔ جنتیں جن کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر مختصر نظر آنے لگیں۔ عرش الٰہی اس کے مقابلے میں تنگ ہو گیا۔ جس کی وسعت عالم میں نہ نکلی اس وسعت دل میں ہو گئی۔ اس وسعت کی بھی کوئی حد ہے۔ کہ عظمت و جلالت الٰہی ول کے اندر اتر گئی۔ وہ لوگ قابل تہنیت ہیں جنہوں نے غیر کی الفت سے خالی کر کے زمین دل کو اس کی محبت کے واسطے مخصوص کر دیا۔ مگر اس دل میں وہ اپنی جگہ سمجھتا ہے جہاں غیر کی منزل نہ ہو۔ لیکن اگر غیر منزل ہو گئی تو بھی وقت ہے۔ کہ اس کی عظمت سما سکے۔ وہ چاہتا ہے۔ کہ میں ہوں۔ میرے ہوں۔ غیر نہ ہوں۔ اس لیے جو اس کے تھے ان کی محبت واجب کی قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى تو چونکہ محبت کا محل دل لہٰذا اس نے چاہا جو میری منزل ہے۔ وہیں میرے دل والے رہیں اُن کے جسد کے واسطے اپنا گھر یعنی کعبہ معین کیا ان کی محبت کو اپنے پائے تخت یعنی قلب مومن میں جگہ دی چاہا کہ جہاں میری حکومت مخصوص ہے۔ وہیں یہ رہیں بہر حال دل مومن گھر ہے ان کا لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کے گھر پر حملہ کرے تو مالک مکان ہی کا فرض ہو گا۔ کہ حملہ کرنے والوں سے لے۔ اللہ اپنے گھر کی مدد کرے اسی لیے فرماتا ہے۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا

نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ • لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ کیوں کر اس نے
انتقام لیا۔ جتنے اہل ایمان کے دشمن گذرے ان کے مقابلہ کبھی تلوارِ
خدا کی اٹھی۔ یعنی اعدائے مومنین سے بدلہ لینے کو خدا کہہ رہا ہے۔ لہٰذا
بدلہ لینے کے لیے مومنین کی ہمدردی میں اگر سیف الٰہی اُٹھے تو سمجھیے
کہ خدا نے انتقام لیا اچھا تلوارِ خدا کی تو ہمیں معلوم ہے۔ کہ اٹھی اور اس
کا نام بھی آپ جانتے ہیں۔ کہ ذو الفقار اس لیے کہ اسلحہ خانۂ قدرت
کی بھیجی ہوئی۔ جنت سے اتری تھی۔ لہٰذا الٰہی تلوار تھی۔ اٹھی اور
انتقام کے لیے اٹھی۔ مگر کس کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے ظاہر ہے کہ خدا
کی تلوار اور خدا ہی کو اعدائے مومنین سے انتقام لینا بس منتقم کے ہاتھ
میں ہونا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ جس کی تلوار اس کے ہاتھ میں علیؑ کیسے
بندۂ خدا تھے۔ کہ ان کے کام کو خدا اپنا کام سمجھتا تھا۔ اس انتقام
کی بھی کوئی انتہا ہو سکتی ہے۔ جہاں اپنی بے پناہ قدرت سمیت مومنین
کی طرف انتقام لینے کے لیے اُٹھا۔ اور کوئی حد نہیں اس کے انتقام کی
وہ انسانوں کا محتاج نہیں ہے۔ کہ اس کی مدد کریں تب ہی وہ انتقام
لے سکتا ہو بالکل نہیں۔ بلکہ جب اس نے انتقام لینا چاہا تھا۔
نہ تو اس کو فوج جمع کرنا پڑی۔ نہ لشکر مہیا کرنا پڑا۔ بلکہ ادنیٰ سا حکم
اس کا کافی ہو گیا۔ وہ قوتِ قاہرہ جو اس بات پر قادر ہے۔ کہ دشمنی
کرنے والوں کے ہاتھ حکم دیدے کہ وہ شل ہو جائے تاکہ دشمنی کر ہی
نہ سکیں۔ اس کے حکم سے عداوت کرنے والوں کی وقت عداوت

روح جسد کو چھوڑ دے بھلا ممکن ہے کہ روح تن سے مفارق نہ ہو جائے کیوں کہ اسی کے حکم سے روح آئی تھی۔ لہٰذ وہ اسی کے حکم کی منتظر ہے، جس کی بھیجی ہوئی ہے۔ اس کے جسم کے اندر اسی کے، فرمان کا انتظار کر رہی ہے۔ اگر ادنیٰ سا اشارہ پا جائے تو پھر ایک دم نہ ٹھہرے۔ لیکن قدرت یہ طریقہ نہیں اختیار کرتی۔ بلکہ جو شخص کام کرنا چاہتا ہے مشیت خاموش ہو کر اسے ہونے دیتی ہے۔ اگر محض نیت کی کسی کو سزا دیتا تو شکایت رہ جاتی مطلب یہ۔ ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قتل مومن کا ارادہ کرتا ہے۔ تو خدا اس کے ہاتھ کو شل کر دیتا تو اس کو شکایت رہتی کہ ممکن تھا کہ ہم اپنی نیت سے باز رہتے۔ قتل کرتے اور دنیا کو نہ معلوم ہوتا کہ اس کو یہ سزا کیوں ہوئی ہے۔ لہٰذا چاہتا ہے کہ جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو ہماری سلطنت سے بھاگ سکتا ہے۔ نہ عہد حکومت سے نکل سکتا نہ قبضہ سے خارج ہو سکتا ہے۔ جلدی تو وہ کرے کہ جس کو ڈر ہو کہ ہم سے بھاگ جائے گا۔ ممکن ہے۔ کہ فوراً انتقام نہ لینے کی وجہ سے یہ بھی ہو کہ جہاں وہ عادل ہے اسی طرح رحیم بھی ہے رحم کا مقتضیٰ یہ تھا۔ کہ خاطی کو مہلت دی جائے تاکہ توبہ کا موقع رہے بہرحال جب اس کے انتقام کا وقت آ جاتا ہے تو نہ اس کو فوج کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ لشکر کشی کی حاجت نہ فوج جمع کرنے کی تکلیف بلکہ ادنیٰ سا اشارۂ قدرت تختۂ عالم الٹ دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ عاد و ثمود کے وہ زبردست گردن جن کو ا

قوتوں پر ناز تھا۔ جنھیں کثرت پر گھمنڈ تھا۔ جب ان کی سزا کا وقت آیا اور قدرت نے ان سے انتقام لینا چاہا تو۔ حکم دیا کہ ذرا اپنے جھونکوں کو تیز کر دے ہوا نے جھونکے تیز کر دیئے پھر قیامت تھی آپس میں، ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر مرتے تھے ایک ساعت کے اندر خاتمہ ہو گیا۔ قوم کا نام نہ رہا۔ اگر خدا خود ہی قرآن میں ذکر نہ فرماتا تو شاید ہم لوگ نام بھی نہ جانتے کہ کیا ہوا اور کون تھے شاک ابراہیم جس نے کہا تھا کہ ان کو آگ نے نہیں جلایا تو کونسا تعجب ہے۔ مجھے بھی آگ نہیں جلاتی اتنا کہنا تھا کہ اظہارِ حقیقت نبی اور معجزہ کے استحکام کے واسطے ایک چنگاری کو حکم ہو گیا۔ جو نارِ نمرود سے بلند ہوئی اور اسکے پاس پہونچ کر خاک کر دیا۔ چاہ کندن را چاہ درپیش جو سامان ابراہیم کے لیئے نمرودیوں نے کیا تھا۔ وہ آگ ان کو تو جلا نہ سکی۔ بلکہ نمرودیوں ہی کے کام آگئی اُمتِ نوح سے جب انتقام لینے کا وقت آیا۔ وہ وقت جب سرکشی اپنی انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ حکم دیا کہ پانی غرق کر دے انہیں زمین سے پانی ابل پڑا۔ اور آسمان کے دروازے کھل گئے۔ یہاں تک کہ گھیر لیا پانی نے ساری امت کو اور سب کے ہلاک ہو گئے۔ اس حد تک پہنچا پانی کو جس کو خود نہ بتایا صرف اتنا کہ فَبَلَغَ الْمَاءُ، وہاں تک پہنچا پانی جہاں تک خدا کا حکم تھا۔ کشتی کے کنارے سطحِ فلک سے ملے ہوئے تھے طوفان آیا کفار و منافقین جو جو اعداء تھے ان کو ہلاک کرنے کے لیئے اور مومنین کو بچانے کیلئے صرف پانی نے تباہ کر کے

رکھ دیا۔ کہیں مٹی کو حکم دیا نگل جائے زمین۔ قارون سے انتقام لینا تھا ادھر مٹی کو فرمان پہنچا اور مٹی نگل گئی بہرحال نہ فوج کی ضرورت نہ لشکر کی عناصر کو اگر حکم دیدیا تو وہی تیار ہو گئے اور انہوں نے زیر زبر کر دیا۔ جس کے قبضے میں عناصر ہیں۔ پھر اس کے انتقام کی کوئی انتہا ہو سکتی ہے۔ تو جب تک کچھ انسان نہ کھڑے ہوئے اس وقت تو اس نے عناصر سے کام لیا۔ لیکن آخر میں کچھ لوگ کھڑے ہو گئے جو غیرت دار تھے انہوں نے بھی دیکھا کہ نصرت خدا میں عناصر کام کریں۔ اور ہم پیچھے رہیں اٹھ کھڑے ہوئے اور قدرت نے بھی موقع دیا کہ اچھا تم ہی ذریعہ انتقام بنو اور حکم دیا کہ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کرو جہاد محض اس لیے کہ یہ مدعیان ایمان کے لیے جائیں کہ کون ان میں سچا دعویدار ہے۔ اور کون جھوٹا۔ چونکہ مجمع مومنین مخلوط ہو گیا تھا۔ جس طرح ابلیس صحبت تقرب میں پہنچ گیا تو مجمع اچھے بُروں سے مل کر خراب ہو گیا۔ قدرت نے چاہا کہ چھانٹ دے ممکن تھا کہ اسے حکم ملتا کہ نکل جا تو اس کو حق ہوتا کہنے کا کہ کیوں چلے جائیں کس خطا پر لہٰذا اس کے لیے معیار معین کیا ہمارے حکم پر جدھر بھی ہو سجدہ کرو۔ اسی کو معیار بنا دیا۔ آخر حکم الٰہی تھا۔ جس نے سجدہ کیا وہ معیار پر پورا اترا۔ اور جس نے نہیں کیا سجدہ وہ پہنچان لیا گیا۔ تو امتحان ہوتا ہی اس لیے ہے کہ اچھے بُرے میں تمیز ہو جائے۔ جب صحبت رسولؐ مخلوط ہو گئی۔ اچھے بُروں سے تو اب قدرت نے چاہا۔ کہ صورتیں پہنچان لی جائیں۔ حکم دیا کہ جہاد کرو۔ تاکہ میدان جنگ

لے ثابت قدم کا ایمان دنیا دیکھے اور ایمان پر تمام کفار کا بھاگنا۔ ان،
کی برائی پر دلیل ہو جائے۔ میدان جنگ نے مجمع کو چھانٹ دیا۔ ہمارا ممدوح
جنکی ہم مدح سرائی کرنے کے لیے بیٹھے ہیں، وہ تھا اگر دنیا مل کر کوشش
کرتی میدان جنگ سے ایک انگل پیچھے بلا فتح کیئے پلٹ آوے
ناممکن تھا۔ فوج اسلام کی عزت تھا۔ مسلمانوں کے لشکر میں ان کے دم
قدم سے رونق تھی فتح ہیروں سے وابستہ تھی نصرت خدا بازو تھامے
تھی بہر حال حبیب اشرف مخلوقات گروہ تیار ہوا۔ ذریعہ انتقام بننے کے
لیے تو پھر جمادات۔ نباتات وحیوانات کو روک دیا۔ کہ اب تم چھپے
رہو۔ ہم ان کے کارنامے دیکھیں۔ سچ کہتا ہوں کہ علی نے عزت رکھ
لی گروہ انسان کی مرد سب سے پیچھے ہٹا جاتا ہے۔ صرف علی کی ہی ذات تھی
کہ جس نے میدان جنگ صلح میدان جنگ قیام وقعود سوتے جاگتے ہر
طرح نصرت خدا میں صرف کر دی۔ زندگی ہمارے اوپر احسان ہے۔ ہم
ممنون ہیں، کہ انہوں نے عزت رکھ لی گروہ کفار کے لیے۔ صاعقہ سے
زیادہ سخت مومنین کے لیئے رحمت خدا۔ دشمنوں کے لیے زحمت۔
دوستوں کے لیے نعمت۔ یہ ہماری مجلسیں بدعت نہیں ہیں۔ بلکہ،
انہی احسانات کا شکریہ ہیں۔ جو تیرہ سو برس پہلے ہمارے اوپر ہو چکے
ہیں۔ ہم ناشکرے نہیں۔ کوئی ہو اور کسی کا ممدوح ہو۔ لیکن ہر ایک میں
کچھ نہ کچھ عیب ضرور نکل آتا ہے۔ کہیں کفر کہیں شرک۔ کہیں خود غرضی
کہیں فرار میدان جنگ سے کہیں دنیا سازی، کہیں باطل پرستی۔ ایسا

ممدوح کسی کا ہو تو لے۔ جس کے اندر کوئی عیب نہیں ہے اور ہم تم دوست
ہیں۔ معاویہ نے عمرو عاص سے کہا علیؑ کی کوئی برائی بیان کرو۔ اس نے
کہا امیر کیا برائی بیان کریں۔ بہت کوشش کی۔ مگر کوئی عیب نہ ملا۔ جب
دشمنوں کو عیب نہ سوجھا۔ پھر ہم تو غلام ہیں درحقیقت ہماری مجلسیں،
بدعت نہیں ہیں بلکہ ایک حق ہے۔ اور ایک ذمہ داری ہے جسکو پورا کرنا
ہے میں آج آپ سے میں مدح کا معیار عرض کروں۔ کہ جب کسی کا فیض
اس کی ذات سے بڑھ کر دوسروں تک پہنچتا ہے۔ اس وقت وہ شخص
مستحق مدح ہوتا ہے۔ فرض کیجیے کہ اگر آپ دولت مند ہیں۔ اور آپ
نے اپنے ہی لیے اس دولت کو مخصوص رکھا۔ تو پھر سائلین کے لیے
کوئی وجہ نہیں کہ آپ کی مدح نہ کریں۔ وہ تو اس کی مدح کریں گے
کہ جس کی دولت کا فیض اس کے دامن سے بڑھ کر سائلین کے ہاتھوں
تک پہنچے وہ چراغ جو اپنا آپ منہ دیکھتا ہو۔ اسکی مدح راہ پر چلنے
والوں پر واجب نہیں ہے وہ اس چراغ کی مدح کریں گے۔ جس کا نور
فضا میں پھیل کر ان کو ٹھوکروں سے بچالے۔ یعنی چراغ تو وہ بھی مگر اس کا نور
اس قدر کمزور ہے۔ کہ جس صرف اپنے ماحول کو نورانی بنا کر رہ گیا۔ وہ
شمع سحری جو قریب بہ فنا ہو۔ جو ادنیٰ سے جھونکوں سے بجھنے کو تیار ہو۔
اس کی سوا مذمت کے مدح نہ سُنی ہوگی۔ لیکن وہ شمعیں جو راستہ دکھاتی
ہیں۔ سالکین ان کی ثناء و مدح کرتے ہوئے ان کا شکریہ کرتے ہوئے
چلتے ہیں۔ تو جب معمولی شمعوں کی مدح اس لیے ہوتی ہے۔ کہ انہوں

نے راستہ دنیا کا دکھا دیا۔ وہ سراج منیر جس نے آخرت کا راستہ دکھا دیا ہو۔ اگر مدح نہ کی جائے تو ناشکری کہلائے گی۔ بہرحال اگر آپ نے اپنے گھر میں ہزاروں شمعیں روشن کرلیں۔ مکان کو بقعۂ نور بنا لیا۔ تو راستہ والے کیوں آپ کی مدح کریں۔ جو ٹھوکر سے محفوظ نہ رہے۔ اگر آپ ایک شمع راستہ میں روشن کر دیجئے تاکہ چلنے والے ٹھوکروں سے بچیں تو وہ آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جائیں گے۔ شب بھر طیور اپنے آشیانوں میں خاموش رہتے ہیں۔ ان کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ ماہتاب اس وقت بھی روشن ہوتا ہے۔ چونکہ ان کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے، زبانیں ان کی خاموش رہتی ہیں۔ ان کے دہن پہ مہر سکوت ہوتی ہے۔ لیکن جب صبح صادق طالع ہوتی ہے۔ اور سپیدائے سحری پھوٹ نکلتی ہے۔ تو ایک زبان ہو کر طیور چہچہانے لگتے ہیں۔ یہ کیوں محض اس لیے کہ آفتاب افق کی طرف چلا۔ اور اس کا فیض رفتہ رفتہ طیور تک پہنچنے لگا۔ تو اب ان چہروں پر خوشی کے آثار ہیں آفتاب کا شکریہ۔ اور اس کے خالق کی حمد و ثنا میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں بہرحال جس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور وہ بھی بے اختیاری فائدہ اس کا جانور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ تو پھر جن سے ہم کو فائدہ پہنچے ہم ان کا شکریہ کیوں نہ ادا کریں۔ نور آفتاب جب نگاہوں کو کھولتا ہے۔ اور وہ دیکھتے ہیں کہ اس کی بدولت راستہ سجھائی

دینے لگا۔ تو ایک زبان ہو کر شکریہ اور حمد وثنا میں مصروف ہو جا
ہیں۔ اپنی اپنی مختلف زبانوں میں متحد الثنا رہوتے ہیں۔ صرف ا
بات پر کہ اس کے ذریعہ سے دنیا کا راستہ دیکھا تھا پھر جب غیر مکلف
خلقت یعنی جانور بے عقل اتنی عقل مندی کریں۔ کہ اپنے دنیا کی
راستہ دکھانے والے تعریف کریں تو پھر جس نے ہم کو دین کا ر
دکھایا ہو۔ جس نے کعبہ کی طرف ہماری پیشانیاں موڑدی ہوں
جس نے سمت سجدہ سے کانٹے ہٹادیئے ہوں غضب ہے کہ
اِن کی تعریف نہ کریں۔ یہ تو وہ تھے جن کے دہن میں زبان ہے
اَب مجیب کو دیکھیے کہ زبان نہیں۔ متنبیؔ شاعر اپنے ممدوح کی تعریف
میں کہتا ہے۔ کہ زینت وہ بزم چمن یعنی کلیاں جو شاخوں کی قوت
نشو و نما سے نکلتی ہیں اِن کے دہن گو بند ہوتے ہیں۔ مگر خاموش
ہوتی ہیں۔ لیکن جب قطرہ ابر باران یا کم از کم شبنم کی برودت ا
کے دل میں ٹھنڈک پیدا کرتی ہے۔ وہ اس سے تر و تازہ ہو جا
ہیں۔ اِن کے دِل کی کلی کھل جاتی ہے۔ تو اپنے فیض رساں محسن
کی تعریف میں مہک اُٹھتی ہیں حالانکہ زبان دہن میں ہے۔ تو
جب بے زبان اپنے فیض رساں کی بلا مدح کیے نہیں رہ سکتے۔ تو
پھر ہمارے منہ میں تو زبان ہے۔ ہم کیسے اپنے محسن کی مدح نہ
کریں۔ یہ شاعری خیالات تھے مگر اصل یہ ہے۔ کہ جو کچھ ابر سے
کلیوں کو مِلا وہ فانی ہے۔ تھوڑی دیر کی وہ رونق ہے۔ بس جہا

گھنٹوں میں سپردہ پژمردہ ہو کر خاک ہو جائیں گی۔ تو کلیاں جن کو
نانی نعمت دامن فیض ابر سے ملی اس کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔ تو پھر
ہم کو اہلبیت کی ہدایت کے برستے ہوئے ابر سے جو کچھ ملا ہے۔
وہ توباقی ہے۔ پھولوں کو ابر سے پانی ملا اور ہم کو اس ڈیوڑھی سے ایمان
ملا ہے۔ جو یہاں سے ورجنت تک ساتھ دے گا۔ جس کی رونق
پر ملائک رشک کریں گے۔ حوریں گرد پھیلا دیں گی۔ طوبیٰ سایہ
فگن ہوگا۔ کوثر جام بکف ہوگا ایک دو چیزیں نہیں اس ڈیوڑھی
سے بر چہار نعمتوں کی ہے۔ علم ملا فضل ملا، دین ملا، ایمان ملا،
بلکہ ایمان مجسم ملا حد یہ ہے۔ کہ اسی ڈیوڑھی پر رسولؐ ملا۔ خدا ملا،
اگر اب بھی کوئی شکر ادا نہ کرے تو کفران نعمت ہے یہ ہماری مجلسیں،
جیسے طیور صبح کو نغمہ سرا ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہم ان مجلسوں
میں بھی نعمتوں کو یاد کر کے رطب اللسان ہوتے ہیں۔ دنیا غرق
تھی بت پرستی اور عالم ضلالت میں مبتلا تھا۔ خدا کا گھر بت خانہ
ہو چکا تھا احسان ہے اس کا جس نے کعبہ کو خدا کا گھر بنا کر ہمارے
سجدہ کو صنم پرستی سے بچا لیا لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر خدا بھی ملا ہم کو تو
اسی ڈیوڑھی سے جتنی الٰہی نشانیاں تھیں ان کے لیے بہتر سے بہتر
سامان کیا تلوار ادھر سے آئی جب کوئی شئے پستی اختیار کرتی ہے
تو یہ سمجھ کر کہ یہاں سے زیادہ عزت ملے گی۔ اگر موتی ملنے کا
سرا نہ ہوتا۔ تو غواص دریا میں کبھی غوطہ نہ لگاتے۔ معلوم ہوتا

ہے۔ کہ جب بلندی سے کوئی اترتا ہے۔ تو عزت کی تلاش میں
ملائک اُترے تو اسی گھر میں تلوار اُتری تو انہیں کے گھر میں سو
اُترے۔ سواری اُتری لباس اُترا ساغر کوثر اترا معلوم ہوتا ہے
کہ ساغر کوثر تڑپ رہا تھا کہ کسی طرح ساقی کے ہاتھ تک پہنچ
جاؤں۔ دن تھا معین حشر کا لیکن جب تمنا میں ضبط نہ کر سکا تو
آخر موقع تلاش کر کے اترا کہ علیؑ کو وضو کی ضرورت ہے۔ اسی
بہانے سہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ساکنین جنت کو وہ عزت
جنت میں نظر نہ آتی تھی۔ جو اس گھر میں دکھائی دیتی تھی۔ جب
کہ قرآن اُترا تو اسی گھر میں اور اہلبیت نے اس کا ساتھ دیا۔ کہ
تو اپنے گھر میں جگہ دی۔ اس کے نشر میں ہمہ تن کوشاں رہے اس
اشاعت میں جان توڑ کر کوشش کی، اس کو اوراق پر لکھ محفوظ کیا
اور دنیا میں شہرت دی خود عمل کر کے دوسروں کو عمل کرنا سکھایا، جب انہوں نے
قرآن کا اتنا ساتھ دیا تو اب قرآن اگر عزت دار ہے تو اس کو ان کا کتنا
دینا چاہیے چونکہ قرآن خدائے عزیز کا بھیجا ہوا اور عزت والا تھا۔ لہذا اُس نے سم
جس ڈیوڑھی پر ہم کو فروغ ہوا ہے۔ اُس کو چھوڑنا نہ چاہیے آخر اسی
گھر کو اپنی منزل بنا لیا۔ وہیں رہ گیا اور ساتھ دیا۔ اسی مطلب کو رسالتمآب
نے یوں ادا کیا۔ اِنَّهُمَا لَنْ يَّفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَىَّ الْحَوْضَ۔ لہذا
جب یہ دونوں ساتھ ہیں۔ تو اگر ان میں سے ایک کا دامن چھوٹا۔ تو دو
بھی چھوٹ جائے گا۔ لہذا اگر کبھی عمل پڑا اہلبیت کے ہاتھ میں تلوار

اور وہ انتقام لے رہے ہوں۔ تو حتماً قرآن بھی انتقام لینے میں مصروف ہوگا
اُحد میں یہی تھا کہ علیؑ کفار کو تہ تیغ کر کے اِن سے انتقام لے رہے تھے کفار
کا مقابلہ اہلبیت کر رہے تھے۔ لیکن قرآن نے خیال کیا کہ یہ کام میں مصروف
ہیں۔ ہم دوسری خدمت اِن کی مدد میں کریں اہلبیت بذریعہ تیغ کفار کا مقابلہ
کر رہے تھے۔ قرآن اپنی آیتوں کے ذریعے سے منافقین کا مقابلہ کر رہا تھا
اور پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ وَمَنْ فَرَّ مِنْهُمْ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ
اللہِ وَمَاْوٰىہُ جَهَنَّمُ۔ علیؑ تلوار کے ذریعہ کفار کو جہنم میں روانہ کر رہے
تھے۔ اور قرآن اپنے مستحکم حکم کے ذریعہ سے منافقین کو جہنم میں روانہ کر رہا تھا
فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا جو لوگ مجرم تھے اِن سے ہم نے انتقام
لیا۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ہمارے اوپر ضروری ہے کہ مومنین
کی مدد کریں۔ معلوم ہوا کہ وہ کسی اور کی مدد نہیں کرتا۔ اگر کرتا ہے تو مومنین
کی، تو اب فضاءِ عالم میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک وہ کہ جن کی طرف سے
خدا انتقام لیتا ہے یعنی مومنین دوسرے وہ جن سے انتقام لیتا ہے
یہ احسان ہے اُسکا، اُسی کی دی ہوئی توفیق، اسی کی سکھائی ہوئی شریعت
اسی کا بتایا ہوا ایمان لیکن جنہوں نے اس پر عمل کیا خداوند عالم نے ان کو ممتاز
کر دیا۔ کہ اِن کی طرف ہو گیا معلوم ہوا کہ مومنین کی طرف خدا ہے لہٰذا
اس گروہ سے جو عداوت کرے گا۔ خدا کا عدو ہو جائے گا۔ اگر اس
گروہ سے دشمنی کرے گا تو خدا کا دشمن ہو جائے گا۔ اگر کوئی اس گروہ
کا مقابلہ کرے گا۔ تو خدا کا مقابلہ ہو جائے گا۔ تو مومنین کا دشمن:

خدا کا دشمن ہو گیا تو اگر کوئی شخص امیر المومنین سے دشمنی کرے تو وہ خدا کا دشمن کیوں کر نہ ہو گا۔ یہی معنی ہیں۔ مَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰہَ وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِیًّا فَقَدْ اَبْغَضَ اللّٰہَ ؛ لیکن ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا جس نے امیر کی دشمنی مول لی پھر خدا کا انتقام تو بڑا سخت ہے انتقام کی جس قدر صورتیں تھیں۔ وہ سب قدرت نے ایسے لوگوں کے لیے صرف کر دیں۔ کوئی معمولی بات تھی امیر کا دشمن ہونا۔ جب وہ مومنین کے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے۔ تو پھر امیر کا جو دشمن ہو اس کو چھوڑ دیتا انتقام جس طرح سے ہوتا ہے۔ پہلا انتقام تو یہ ہے۔ کہ وہ فعل کر کے اس کا اسم فاعل بننا ہی انتقام ہے یعنی کسی برے امر کا موصوف بننا یہ کافی ہے۔ اسکی سزا کے واسطے فرض کیجیے کوئی شخص زنا کرے اور وہ زانی، کہلائے تو زانی کہلانا پہلی سزا یہ ہے۔ اسی طرح اگر چوری کرے تو اس کا چور کہلانا۔ بس یہی پہلی اور سخت سزا ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ سزا ہے جو عزت پر حملہ ہے۔ کیسا ہی بے غیرت شخص لیکن اگر اس کو چور کہہ دیجیے حالانکہ چوری کی ہے تو تیوریوں پر بل آجاتے ہیں۔ یہ بتاتا ہے کہ اپنے کو خود خطا وار سمجھتا ہے۔ تو جرم کر کے مجرم کہلانا یہ پہلی سزا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں اور عمل سے ان کے اہلبیت کی دشمنی ثابت ہوتی ہے۔ اگر ان کو دشمن اہلبیت کہہ دیجیے تو بگڑ جائیں گے۔ غصہ آجائے گا۔ گو ہیں خطا وار مگر ان کو خطا وار کہے یہ گوارہ نہیں ہے۔ چنانچہ تذکرہ ہے کہ جس وقت کوئی میت

قبر میں دفن ہوتی ہے۔ ایک ملک سب سے پہلے آتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ یَاھٰذَا کُتُبْ مَا فَعَلْتَ وہ عذر کاغذ و قلم کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کہاں سے لاؤں تو ملک کہتا ہے کہ لعاب دہن روشنائی انگلی قلم کفن کو کاغذ بنا وہ اپنی تمام نیکیاں لکھتا ہے جب باب نیکیوں کا ختم ہو جاتا ہے۔ تو رک جاتا ہے۔ اس وقت وہ کہتا ہے کہ جو گناہ کیئے وہ بھی لکھو تو اُس وقت شرماتا ہے ملک کہتا ہے۔ کہ جب نہ شرم آئی جب گناہ کیا تھا۔ لکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔

بہر حال جرم کرنے کے بعد مجرم کہلانا پہلی سزا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے حسینؑ کو قتل کیا۔ کچھ دن تک خوش ہو لیئے۔ لیکن جب خطا فاش ہو گئی تو یزید تک گوارا نہیں کرتا تھا کہ اُس کو کوئی قاتل حسینؑ کہے۔ بہر حال پہلی سزا تو یہ ہے۔ دوسرا نہج انتقام یہ ہوتا ہے۔ کہ خطا خود سزا بن جائے جس طرح کسی شاعر نے اپنے ممدوح کی تعریف کی ہے۔ کہ ھُوَ السَّیْف وہ تلوار ہے۔ اگر اس کی باڑھ پہ ہاتھ نرمی سے رکھو گے۔ تو وہ بھی ساتھ نرمی کرے گا۔ اور اگر ہاتھ سختی سے رکھو گے تو وہ بھی سخت بن جائے گا۔ یعنی اگر تلوار کی باڑھ پر آپ زور سے ہاتھ ماریئے تو یہ خطا بن جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ تلوار کی خاصیت یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی خطا کرتا ہے۔ تو وہ خود اس کے لیے سزا بن جاتی ہے۔ تو پھر جو خدا کی تلوار ہو۔ علیؑ کا لقب تھا سَیْفُ اللّٰہِ۔ خدا کی کھینچی ہوئی تلوار۔ تو اب

اگر کوئی جرأت کر کے یہ چاہے کہ ان سے بے ادبی کرے تو یہ بے ادبی اس کے لیے سزا بن جائے گی۔ جس طرح وہ لوگ جو چاہتے تھے کہ معاذ اللہ علیؑ کو ذلیل کریں۔ تو خدا کا عزت دیا ہوا بھلا ذلیل ہو سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود ذلیل ہوئے خندق میں جب علیؑ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں عمر کا سر لیے ہوئے آ رہے تھے۔ تو کسی نے رسولؐ سے کہا کہ آپ دیکھتے ہیں علیؑ کی رفتار کس قدر متکبرانہ ہے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ چپ رہ جانتا نہیں کہ محل پہ یہ چال نازیبا ہے۔ اِلاّ مَوْلا جہاں علیؑ ہیں۔ تو چاہا تھا علیؑ پر اعتراض کرنا۔ لیکن پلٹ کر اُنہیں پر اعتراض پڑا۔ جس طرح چاند پہ خاک ڈالنے والوں کے منہ پہ خاک پڑتی ہے۔ تیسری صورت انتقام کی یہ ہے۔ کہ دنیا جرم پہ مذمت کرے عقل کے حکم سے یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ؕ وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں شر و فساد برپا کیا۔ یعنی سلطنت دینی کو چھین کر اپنے قبضے میں لائے اِن پہ خدا لعنت کرتا ہے۔ اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو اہلبیت کو منبروں پہ بُرا کہتے تھے آج ان پہ لعنتوں کا انبار ہے۔ لیکن اہلبیت اُسی وقار پہ قائم ہیں۔ جن لوگوں نے چاہا تھا کہ اِن کے نام دنیا میں مٹا دیں۔ اِن کا نام تو نہ مٹا۔ لیکن وہ نام مٹانے والے مٹ گئے۔ اور اگر کوئی یاد کرتا ہے۔ تو بُرائی کے ساتھ۔ کون ہے جو شام والوں کو بُرا نہیں کہتا۔ جو یاد کرتا ہے۔ وہ لفظ ظالم کے ساتھ اور یہ اسی طرح مظلوم کہلاتے

ہیں اصحاب امام حسینؑ آج تک دنیا ان کی ہمتوں کا کلمہ پڑھ رہی ہے
ان کے استقلال کی مدح خواں ہیں۔ ہمیں اس سے مطلب نہیں کہ وہ
پیاسے رہے وہ بھوکے رہے ان کا خون خاک پر بہا وہ تین دن
بھی ختم ہو گئے۔ ان کی پیاس تمام ہو گئی۔ بھوک کے دن کٹ گئے
لیکن افسانۂ غم ان کا آج تک باقی ہے۔ مرحبا مرحبا خوب کا حسینؑ کا
ساتھ دیا۔ ایک شخص تھا شب عاشورہ اس کے لڑکے گرفتار ہو گئے
سید الشہداؑ کو معلوم ہوا کہ میرے صحابی کے لڑکے کو فوج یزید نے گرفتار
کر لیا ہے۔ آپ کا دل دہل گیا آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔
خیمہ میں تشریف لائے اور چند قبائیں جنکی قیمت تین ہزار تھی لے
جا کر دیا۔ اور فرمایا کہ بھائی میں نے اپنی بیعت تجھ سے اٹھالی۔ لے جاؤ
ان کو بیع کر کے اپنے لڑکوں کو چھڑا لے بھائی۔ زمانہ ہمارا موافق
نہیں ہے۔ ہم تجھ کو کچھ نہیں دے سکتے۔ یہ سننا تھا۔ ضبط نہ کر سکا
کہ وہ شخص رونے لگا۔ اور کہنے لگا یا ابن رسول اللہؐ یہ بتایئے کہ
آج میں اپنے لڑکوں کی محبت میں جان کو بچا کر چلا جاؤں لیکن کل
جب رسالتمآب پوچھیں گے کہ کیوں میرے فرزند سے تجھ کو اپنے
لڑکے زیادہ پیارے تھے۔ تو کیا جواب دوں گا۔ اگر ایسے ہزار لڑکے
ہوں تو آپ کے قدموں پر نثار۔ فرزند رسولؐ یہ نہیں ہو سکتا کہ
آپ کو مصیبت میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ مولا آپؑ کو یہ سن کر
اس کے لڑکے قید ہو گئے ہیں ضبط نہ ہو سکا۔ مولا اس کے

لڑکے بیمار نہیں ہیں بھوکے پیاسے ہیں نہ در در پھرائے جا رہے ہیں خبر لیجیئے زین العابدینؑ کی، بیماری اور بھوک و پیاس اور اسپر گلے میں طوق ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پاؤں میں بیڑیاں۔ جناب عباسؑ تین بھائی تھے۔ جناب عبداللہؑ جناب عثمانؑ اور آپؑ۔ جس وقت روز عاشورہ شمر سے ملاقات ہوئی تو ان لوگوں نے پوچھا فَمَاتُرِیدُ اے شمر کیا ارادہ ہے جواب دیا اس نے کہ اَنْتُمْ یَا بَنِیْ اُخْتِیْ اٰمِنُوْنَ اے میرے بھانجو! تم پر کون حملہ کرسکتا ہے۔ تم محفوظ و مامون ہو بس یہ سننا تھا کہ بگڑ گئے اور کہنے لگے۔ لَعَنَکَ اللّٰہُ وَلَعَنَ اَمَانَکَ اَتُؤْمِنُنَا وَابْنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَا اَمَانَ لَہٗ کیوں شقی تجھ پر لعنت اور تیری امان پر ہائے میرے لیے امان ہو۔ اور رسولؐ کے نواسہ کے لیے امان نہ ہو۔ بس یہ کہہ کر آواز دی اے لشکر خدا سوار ہو آؤ جنت چلیں اور اس کے بعد جنگ کرنا شروع کی امام در خیمہ پر بیٹھے ہوئے بھائیوں کی جنگ دیکھ رہے تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ اور ادھر ایک غل برپا ہوا۔ جناب زینبؑ در خیمہ پر دوڑیں۔ بھیا کیا ہوا یہ غل کیسا ہے خیر تو ہے۔ کیا کوئی گر گیا۔ فرمایا بہن کس کس کا خیال کرو گی۔ بس اب خاتمہ کا وقت قریب ہے۔ ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی میں نے نانا کو خواب دیکھا۔ فرماتے ہیں حسینؑ تم کو سوا میری گود کے کہیں آرام نہ ملیگا۔ یہ سننا تھا کہ مصیبت زدہ بہن نے رونا شروع کیا۔ سیدالشہدا نے تسکین دی جبتک میں زندہ ہوں نہ روؤ۔ ہائے زینب گھوڑا

تاہیوں میں گر رہی تھی - کوئی سمجھانے والا نہ تھا -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ - اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ - اور جب نبیؐ نے کوئی بات اپنے بعض ازواج سے کہدی - اور اس نے اس بات کی خبر دوسرے کو کی - خدا نے اپنے رسولؐ سے اس افشا کی حالت بیان کردی تو آپ نے دوسرے سے کچھ کہا اور کچھ نہیں کہا جب اس زوجہ کو خبر ملی کہ رسولؐ کو حال افشاء راز معلوم ہو گیا - تو انہوں نے دریافت کہ آپ سے کس نے کہا - تو آپ نے جواب دیا کہ مجھ سے اس نے کہا جو سب سے زیادہ جاننے والا باخبر ہے - اب یہاں سے خطاب ہوتا ہے کہ رسولؐ کی دونوں بھیدیا اگر تم توبہ کرو تو اچھا ہے - کیوں کہ تم دونوں کے دلوں میں کجی پیدا ہو گئی ہے - اور اگر تم نے رسولؐ کے ساتھ اب بھی دشمنی کی تو کوئی پرواہ نہیں کیونکہ اس کے مددگاروں میں خدا ہے - اور جبریلؑ اور صالح المومنین ان سب کے علاوہ ملائکہ بھی مددگار ہیں - یہ آیات سورہ مریمؑ کی ہیں کہ جب رسالتمآبؐ نے ایک راز اپنا اپنی ایک بیوی سے کہہ دیا تھا - خدا نام نہیں لیتا

کہ کونسی بیوی۔ بات یہ ہے کہ خدا ستّار العیوب ہے عیب کو چھپانا چاہتا
ہے۔ اور مصلحت کہتی ہے کہ ظاہر بھی کر دو تاکہ بڑوں کو دُنیا اچھا نہ کہہ
بیٹھے۔ لہٰذا واقعہ ذکر کر دو تاکہ اہلِ فہم سمجھ سکیں اور بغیر نام لیے سمجھیں۔
کیوں کہ جو بات بیان کی جاتی ہے اس کی قدر کم ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے یہ بات
کے جو جلدی گدے سے نکلتی ہے۔ پھر وہ خوب یاد رہتی ہے۔ اب جب نام چھپا
تو دل مشتاق ہوگا۔ کہ وہ کونسی زوجہ تھیں کہ جن کی حالت بیان ہوئی ہے
اور مقدمات جمع کرنے کے بعد تاریخیں تلاش کرنے پر اگر معلوم ہوا تو نام
دل پر نقش ہو جائیگا۔ اور واضح ہو کہ نام کے ساتھ سامنے آ جایا کرے گا
اور دنیا صاحب عیب کو مع اسکے عیب کے خوب یاد رکھے گی۔ لہٰذا نام کو
ستار العیوب نے پردہ میں رکھا۔ یہ وہ وقت ہے خدیجۃ الکبریٰ عالم فنا
سے سدھار کر عالم جاودانی میں حیات جاودانی کے ساتھ جنت الماویٰ
میں خدمتِ رسولؐ کا سلسلہ جاری ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تابل
قدر زوجہ رسولؐ جس نے خدمت و اطاعت میں عمر گذار دی اور جس کو
پروردگار عالم نے محل استقرار نسل رسالتؐ قرار دیا تھا۔ خارج ہیں۔
کیوں کہ ان کی وفات کے بعد آیت نازل ہوئی رہ گئیں ماریہ قبطیہ
انہی کا معاملہ تھا۔ راز جس کو ایک نے دوسرے سے کہا لہٰذا یہ حتماً اس
میں داخل نہیں اُمِ سلمہؓ وہ نیک مزاج بیوی تھیں کہ جنہوں نے اور ازواج
کا کبھی ساتھ ہی نہ دیا۔ بلکہ خدمتِ اولاد رسالت میں زندگی گذار دی۔
ان سے امید نہیں کہ وہ کسی دوسرے سے کوئی راز افشا کریں۔ اب آپکے

ذہن شاید قریب ہوگئے ہوں۔ اور معلوم ہو کہ یہ کونسی بیوی تھیں۔ تاریخوں
کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت حفصہ وہ کج خلق بیوی تھیں۔
کہ ان کے پدر بزرگوار نے اکثر لوگوں سے ان کا عقد کرنا چاہا۔ مگر سب پناہ
مانگ گئے کہ ہم سے یہ نہیں ہوگا۔ اور ہماری گذر اُن کے ساتھ نہیں ہونے
گی۔ آخر باپ بیٹی کو لیکر خدمت رحمۃ للعالمین میں حاضر ہوئے یا حضرت
آپ ہی اپنے دامن رحمت میں اس عیب کو چھپائیے۔ عیب پوش عیوب
امت نے اپنے دامن خلق میں اس کج خلقی کو چھپایا۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے۔
جب ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ لڑکیوں کی فطرت کا تقاضا ہے
کہ جب تک ان کی شادی نہیں ہوتی اس وقت تک وہ دبی ہوئی رہتی
ہیں۔ کھلتی ہیں تو شادی کے بعد۔ جس لڑکی کی شادی کے قبل یہ حالت ہو تو
شادی کے بعد آپ اس کی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ کیا ہوگی۔ جب
بیوی بن گئیں تو اہل تفسیر متفق ہو کر بلا اختلاف لکھتے ہیں کہ انہیں معظمہ سے
رسالت مآبؐ نے آخر زوجہ تھیں ایک راز کہہ دیا۔ اور ان کو منع کر دیا
کہ تم کسی سے کہنا نہیں۔ ان سے کب بات ہضم ہو سکتی تھی۔ فوراً یہ اٹھیں
اور جا کر بلا پس و پیش اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ ہم سے آج
رسول اللہؐ نے یہ بیان کیا وہ اٹھیں اور اپنے باپ سے کہا۔ اِدھر وحی ہوئی
اور رسول اللہ کو خداوند عالم نے بذریعہ جبرئیل اطلاع دی۔ آپ نے اطلاع پاتے
ہی ذکر کیا کیوں حفصہ تم نے دوسروں سے کہدیا۔ انہوں عرض کیا آپ سے
کس نے کہا فرمایا جو سب باتوں کا جاننے والا ہے۔ اسی نے کہا ہے

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ اِنْ تَتُوْبَا اِلَی اللّٰہِ۔ تم دونوں معلوم ہوتا
ہے۔ کہ گناہ مرتکب ہو گیا ہے۔ اگر توبہ کرو تو خیر فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا
تم دونوں کے دل کج ہو چکے ماضی کا صیغہ ہے یہ نہیں کہ کج ہو
جائے گا۔ ثابت ہے۔ ہو چکے۔ کج۔ لہٰذا توبہ کرو۔ ورنہ اگر تم رسولؐ کی دشمنی
ہی پر تیار رہو۔ تو ان کا مددگار خدا ہے۔ اور جبرئیلؑ اور صالح المومنین اور
ملائکہ پشت پناہ ہیں بسا اوقات کمزور سے کمزور دشمن ہوتا ہے۔ مگر
حد کی دشمنی ہوتی ہے جس کی مدافعت کیلئے بڑی قوتوں کے صرف کرنے
کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھنے میں تو ایک کمزور دشمن ہے مگر ایسا
کہ جس میں فوج بیکار لشکر ہیچ مقابلہ کے لیے کمزور تلواریں فضول پیر
دشمن کہ پہلو نشین بن کے دشمن کے دل میں جگہ بنا کے دشمن ایسے دشمن کے
کرنے کے لیے جن قوتوں کی ضرورت تھی خدا خود فرماتا ہے کہ تمہارا مدد
خدا ہے تاکہ ہر مکر و حیلہ سے تم کو مطلع کرتا رہے اور جبرئیلؑ ہیں تاکہ رحمۃ ل
العالمین کی طرف سے تم پہنچا کر مطلع کریں۔ اور صالح المومنین ہے مدد
تاکہ اگر جنگ میں رسولؐ کی عزت برباد ہو رہی ہو۔ تو سنبھال لی جائے
رسولؐ ایک امتحان گاہ عالم میں تھا۔ جس قدر امتحان سخت ہوتا جائے
کر کامیاب ہونے والا ہے اسیقدر بلند مرتبہ پائے گا۔ جہاں
سہل ہوتے ہیں۔ ان کے کامیاب شدہ لوگوں کی اتنی عزت نہیں ہو
جتنی ان لوگوں کی عزت ہوتی ہے۔ جو دشوار گذار امتحانات کو کامیاب
کر کے اپنی منزل طے کر جائیں۔ انبیاءؑ اسی لیے اتنے واسطے سخت

سخت امتحان منتخب کرتے کہ جس محل پر دوسروں کے قدم نہ ٹک سکیں
ہاں اپنے قدم جما دیں اور دکھا دیں کہ ہم ہیں تم ہی جیسے مگر کرتے ہیں جو
تم نہیں کرتے اور عبادت الٰہی اسقدر سرگرمی کے ساتھ کرتے ہیں اور
سختیوں کو اس نرمی کے ساتھ طے کرتے ہیں۔ کہ تم نہیں کرتے ہو خدا نے
جو ہم کو مراتب عالیہ دیئے ہیں۔ تو یہ نا انصافی نہ تھی۔ بلکہ عین عدالت
ہے کیوں کہ ہمارے افعال و اعمال انہیں انعامات کے مستحق تھے لہٰذا سخت
گزار راستوں کو طے کرتے تھے کیوں سخت سے سخت امتحان خدا کی طرف سے
اگر ہے تو ہمسایوں کا برا ہوتا ہے۔ کیوں کہ صحابی ہر وقت ساتھی ہر وقت
سابقہ اگر برا ہے تو ہر وقت تکلیف کس قدر دشوار گذار امتحان ہے
انبیاء اپنے ایسے مقامات پر تلاش کیا کرتے تھے جہاں بدمزاج ہمسایوں
کا سابقہ ہو۔ اور رسالتمآبؐ نے سب سے پہلے مکہ کی زمین پر ایسے برے
ہمسائیوں کے درمیان اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ گذارا حالانکہ فرعون سے
موسیٰ کو اور نمرود جیسے سرکش شخص سے ابراہیمؑ کو اتنی سختیاں جھیلنا
نہیں پڑیں۔ جس قدر رسالتمآبؐ کو مکہ والوں سے تکلیف پہنچی۔ اس سے
سے بڑا امتحان یہ ہے کہ جس کو ازواج کی طرف سے تکالیف پہنچیں
وہ امتحان ہے کہ جس میں قدم جمنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور اس
دشوار گذار راستہ پر رہنا سخت ہوتا ہے۔ کیوں کہ جس کا ہر وقت ساتھ
ہی دشمن ہے۔ رسالتمآبؐ اس میدان میں اپنا قدم سب سے پیچھے رکھنا
نہیں چاہتے تھے یہ اعتراض کیجیے گا۔ کہ رسولؐ نے طلاق کیوں نہ دی

جب اس قدر تکالیف ازداج کے ذریعہ سے آپ کو پہنچتی تھی۔ اگر
طلاق دیدیتے تو پھر امتحان میں ناکامیابی رہ جاتی اور وہ مراتب جو امتحان
میں کامیابی کے بعد ملتے ہیں۔ وہ حاصل نہ ہو سکتے رسالتمآب چاہتے
تھے کہ زندگی ان میں گزار دو تاکہ امتحان کی پوری کامیابی مراتب کے اضافہ
کا باعث ہو رسولؐ نے اس بارہ میں وہ کامیابی حاصل کی جو نوحؑ اور لوطؑ
سے بنی کو نصیب نہ ہوئی۔ کیونکہ ابتدائی حصہ زندگی اگر تکلیف میں گذر رہا
اور بعد میں راحت ہو جائے تو وہ راحت اس تکلیف کو بھلا دیتی ہے
اور اگر راحت کے بعد تکلیف ہوئی تو امتحان سخت ہو جاتا ہے نوح
اور لوطؑ کی بیویاں کچھ حصہ زندگی نوحؑ و لوطؑ کے ساتھ گذارنے کے بعد
انتقال کر گئیں اور ساتھ چھوٹ گیا جس سے راحت ملی۔ جس نے
سابق کی تکلیفوں پر پانی پھیر دیا۔ بخلاف رسالتمآبؐ کے کہ ابتدا میں
خدیجہؑ سی بیوی ہمدرد و مونس ملی۔ جس کو رسولؐ نے مرتے دم تک یاد کیا
ایسی بیوی کے بعد اگر دوسری بیویاں تکلیف دہ ملیں تو سمجھیے کہ وہ
سے زیادہ سخت امتحان تھا۔ اور رسالتمآبؐ بھی کیسے ثابت قدم
تھے۔ کہ امتحان میں قدم ہلنے نہ پایا۔ حالانکہ حبیب کہہ رہا تھا کہ اگر تم
ان کو طلاق دیدو ہم تم کو مومنات دیں۔ لیکن وہ سمجھتے تھے کہ
امتحان ناقص رہ جائے گا۔ اور اضافہ مراتب میں کمی ہو جائے۔ اس
بات کو خداوند عالم آگے ذکر فرماتا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوا
امۡرَاَتَ نُوۡحٍ وَّ امۡرَاَتَ لُوۡطٍ کَانَتَا تَحۡتَ عَبۡدَیۡنِ مِنۡ عِبَادِنَا

صَالِحِیْنِ فَخَانَتَاھُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْھُمَا مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِیْنَ ؀ ممکن تھا کہ کوئی اعتراض کرتا کہ جب خائنہ تھیں بیبیاں تو رسول ایسی عورتوں کو اپنی زوجیت میں کیوں لیا۔ اس کا جواب پروردگار عالم دیتا ہے۔ کہ خدا نے ایسوں کی مثال نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی سے قرار دیا ہے۔ دونوں نیک بندوں کے تحت میں تھیں ہمارے بندوں میں سے اور دونوں نے خیانت کی ان کی زوجیت روز قیامت ان کو کچھ بھی نہ مفید ہوگی۔ اور حکم ہوگا کہ تم بھی جہنمیوں کیساتھ جاؤ۔ وہاں اس کا لحاظ نہ ہوگا کہ کس کی زوجہ اور شوہر جیسے اعمال اسی کے ساتھ حشر تو قدرت جواب دے رہی ہے۔ کہ اگر شان نبوت کے خلاف ہوتا خائنہ رکھنا تو نوحؑ و لوطؑ نہ رکھتے کسی نبیؑ کی زوجہ ہونے سے کسی کو صالح نہ سمجھنا رسم نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ اگر زوجہ خائنہ ہو تو نبیؑ کے دامن پر اس سے دھبہ نہیں آسکتا۔ اور جب فرزند نوحؑ کنعان کافر ہوا اور کفار کے ساتھ غرق ہوا۔ اور نبیؑ کا دامن پاکیزہ رہا بیٹے کا کفر باپ کے دامن پر دھبہ نہ لگا سکا تو زوجہ کا کفر شوہر کے دامن عصمت پر کب دھبہ لگا سکتا ہے۔ لیکن یہاں پھر بھی ایک اعتراض کی گنجائش ہے۔ لفظ اَلَّذِیْنَ مذکر ہے۔ اس تشبیہ کو مردوں کے واسطے کیا ہے نہ کہ عورتوں کے واسطے لہذا یہاں مرد مراد لینا چاہیئے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ کیا مردوں کی فہرست میں خدا کو کفار نہ ملے۔ جن سے تشبیہ دیتا یہ عورتوں سے تشبیہ

تو عورتوں ہی کی ہو سکتی مردوں کی نہیں ہو سکتی اور پھر ازواج رسولؐ کا ذکر
یہاں مردوں کا کام اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس محل پر مراد عورتیں ہیں
اب رہ گیا یہ کہ پھر لفظ اسم موصول مذکر کیوں ہے۔ تشبیہ عورتوں
سے تذکرہ عورتوں کا لفظ مذکر یہ۔ دریا میں کیوں کر جمع ہوں۔ سوا اس
کے اور کوئی صورت نہیں ہے۔ کہ ہم کہیں کہ وہ عورتیں مراد جنہوں نے اپنی
آزادی کو مردوں سے ٹکرا دیا۔ اور اگر آپ کو شک ہو تو وہ محل دیکھئے کہ جہاں
بلوۂ عام میں خود زوجۂ رسولؐ عزت و احترام رسالتمآبؐ کو سپرد خاک
کر کے روانہ ہوئی تھیں۔ اور جس محل پر ازواج کے مقابلہ میں صالح
المومنین کی ہو کی ضرورت ہوئی تھی۔ میدان جمل تھا۔ اور مردوں کے جمل پر
عورتوں کی سواری تھی۔ فوج کی جرنیل واہ کیا کامیاب ہوگی۔ وہ فوج
جس کا افسر ناقص العقل ناقص الایمان ناقص الحظ ہو۔ عورتیں حقیقتاً
جنگ کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں۔ کیوں کہ جنگ کا مقتضیٰ آزادی ہے۔
اور عورتوں کا مرتبہ پردہ چاہتا ہے۔ عورتوں کی طبیعت فطرتاً قدرت نے
نرم بنائی ہے۔ اور جنگ دل کی سختی چاہتی ہے۔ چونکہ فطرتاً وہ کمزور
نرم دل بھی پردہ کی محکوم بھی لہٰذا قدرت نے ان سے حکم جہاد الگ رکھا
کہ جب ہم نے ان کو اس قابل بنایا ہی نہیں۔ تو پھر حکم جہاد دینا ظلم ہو
گا۔ اِنَّ اللّٰہَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ: خدا تو انسان پر ظلم نہیں کرتا۔ اِنَّ
الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمًا جَهُوْلًا: انسان خود ہی بہت بڑا ظالم و جاہل
ہے۔ اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔ کہ تم کو جہاد کے لیے نہیں پیدا کیا لیکن

اپنے اوپر ظلم کیا کہ زبردستی میدان میں نکل آنا۔ کوئی بات ہے یہ ظلم اپنے اوپر بھی تھا۔ اور رسولؐ پر بھی ظلم تھا آپ معمولی حیثیت اور عزت کے آدمی ہیں۔ اگر آپ میں غیرت ہے۔ آپ کی زوجہ میدان میں فاسقوں کے درمیان میں یوں کھڑی ہو تو۔ اگر روح میں حس ہے تو قبر کے اندر روح تڑپے گی مرد کی غیرت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ گوارا نہیں کر سکتا کہ جب تک ہماری زوجہ کہلاتی ہے۔ اس وقت تک اس کی طرف غیر مرد نگاہ اٹھا کے دیکھے نہ کہ رسولؐ سا غیرت دار اور اس کی بیوی اس طرح میدان میں فاسقوں کے درمیان میں کھڑی ہو۔ اور بہانہ یہ کہ علیؑ قاتل عثمان ہیں۔ لہذا ان سے عوض لو جاریہ بنت قدیزہ نے جب محفل دیکھی تو پوچھا کیوں ام المومنین تم میدان میں کیوں آئیں تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ عوض خون عثمان کے واسطے اس نے چلا کر کہا کہ خدا کی قسم قتل عثمان زیادہ سہل ہے۔ رسولؐ کو یہ نسبت اس کے کہ تم کو ان کی زوجہ کہلا کر یوں میدان میں آ کھڑی ہو۔ اگر رسولؐ زندہ ہوتے تو دنیا کو منہ نہ دکھاتے۔ جب ان کو خبر لگی کہ خلیفہ ثالث قتل ہوئے اور علیؑ کو لوگوں نے خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اور طلحہ و زبیر مکہ سے کہنے لگے۔ کہ بڑا غضب ہوا کہ علیؑ خلیفہ ہو گئے اب ان کی معزولی کی کوئی تدبیر نہیں ہے سوا اس کے نہیں کہ قتل خلیفہ عثمان کا ان پہ الزام لگا دو۔ اور تم ہماری سرداری کرو ہم جنگ کریں۔ یہ راضی ہوئیں اور ام سلمیٰؓ کے پاس آکر کہنے لگیں۔ کہ سنا ایک مظلوم مسلمان خلیفۂ رسولؐ کا خون بہا دیا گیا۔ چلو اس کا علیؑ سے عوض لیں۔ جناب ام سلمیٰ نے جواب دیا کہ دیکھو کیسی

طرح جانا مناسب نہیں ہے اس لیے بھی خدا نے روکا ہے۔ وَقَرْنَ
فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى اور اس
بھی کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ہماری بیویوں کو ڈرنا چاہیے اُس دن
سے جب کہ خواب کے کتے بھونکیں گے۔ اور علیؑ سے جنگ کریں گی
تم ہی نے کہا تھا کہ یا رسولؐ اللہ ایسا ہو گا۔ تو حضرت نے فرمایا تھا کہ کہیں تم
ہی نہ ایسا کرو۔ اے حمیرا یاد رکھنا کہ علیؑ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ علیؑ
تو پھر ان سے لڑ کے باطل پرستی سے کیا فائدہ اور اس لیے بھی کہ کل
تم خود کہتی تھیں کہ اس کو قتل کرو یہ کافر ہے۔ اور آج جب قتل ہو گیا تو خون
بہا لینے چلیں۔ لہذا میں تو نہ جاؤں گی۔ میرے خیال میں قتل کی نسبت
علیؑ کی طرف اس لیے دی کہ جس نے فاسق و فاجر کہا تھا۔ ا...
و مجبور ثابت ہو جائے۔ علیؑ کا مشہور لقب تھا۔ جیسے عمرو عاص نے جو
خط معاویہ کو لکھا ہے۔ اس میں تشریح کی ہے۔ کہ وَهُوَ اِمَامُ الْبَرَرَة
وَقَاتِلُ الْفَجَرَة علیؑ جب قتل کرتے ہیں تو فاجر کو لہذا اب یہ تہمت
بدنما بھی نہیں معلوم ہوتی اس لیے یہ تسلیم کرنے کے بعد علیؑ قاتل فاجر
کے ہیں جس کا قاتل چاہیے علیؑ کو ٹھہرئیے علیؑ کا کچھ نہ بگڑے گا۔ بگڑے
اس کا جو مقتول ہے۔ تو ایسی ہونی چاہیے۔ کہ خونریزی کرے اور
عالم میں نہ پھیلے جس طرح درخت کی مرجھائی ہوئی شاخیں کاٹنے سے شجر
اور بڑھتا ہے۔ اسی طرح فاسقین کا قتل شجر اسلام کی ترقی کا باعث
طلحہ و زبیر کے آمادہ کرنے سے ام المومنین محمل میں بیٹھیں اور بصرہ کی سمت

روانہ ہوئیں۔ جب مقام حواب قریب ہوا۔ اور کتوں کے بھونکنے کی آواز کان میں پہنچی تو راہبر سے پوچھا یہ کون مقام ہے۔ کہا حواب ہے، فوراً ام المومنین نے طلحہ سے جو داہنی طرف تھے۔ اور زبیر سے جو بائیں طرف تھے کہا کہ مجھے واپس کرو۔ کیوں کہ اس وقت رسولؐ کا حکم مجھے یاد آگیا۔ ان دونوں نے اس وقت رخصت دے کر لوگوں سے کہلایا۔ اور سب نے مل کر جھوٹی گواہی دی کہ ام المومنین یہ حواب نہیں ہے۔

صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ یہ پہلی جھوٹی گواہی تھی اسلام میں واقع ہوئی میں اسکو قبول کرنے میں ذرا عذر کروں گا۔ کیوں کہ اس سے پیشتر اسلام میں بہت سی جھوٹی گواہیاں دیجا چکی تھیں مگر تاریخیں صاف صاف کہتی ہیں کہ جھوٹ کی نیو اس دن پڑی۔ اسلام میں یہی فرق خدا اور بندہ میں ہے۔ کہ جس کو خدا نے صدیقہ طاہرہ لقب دیا تھا۔ وہ وہ تھی کہ اگر بچوں کے بہلانے میں اتنا کہہ دیا کہ بچو کل درزی صبح کو تمہارے کپڑے لائے گا تم آرام کرو۔ تو چونکہ اُسی نے صدیقہ کہا تھا۔ لہذا مصلحت نے پلٹ کے دیکھا کہ کہیں میری صدیقہ کی بات غلط نہ ہو جائے۔ رضوان کو شب عید الفطر درزی بنا کر بھیجا کہ جاؤ۔ میری صدیقہ کے مُنہ سے بات نکل گئی ہے پوری ہو کر رہے۔ اور آخر رضوان پکار کر اَنَا الْخَیَّاط میں درزی ہوں۔ اس کو اتنی بھی اجازت نہ تھی۔ کہ اس کے دروازہ پر آکر اپنے کو رضوان کہے حکم ہوا جاؤ اور درزی بن کر جاؤ اور یہی نام بتانا ملائک اس در پر مزدور بننے میں عزت سمجھتے تھے۔ جانتے تھے کہ درزی ہی کے نام سے سہی اس ڈیوڑھی

کو چوم آئیں۔ ان کو جنت کی چوکھٹ پر وہ لطف نہ آتا تھا۔ جو مزا ان ڈیوڑھی کے چومنے میں دیکھائی دیتا تھا۔ یہ تھا خدا کا دیا ہوا لقب۔ رہ گئے دینے والے تو جسکو انہوں نے صدیقہ کا لقب دیا۔ انہیں کے ہاتھوں سے اسلام میں جھوٹ کی نیو پڑی ادھر یہ سواری بصرے پہونچی۔ اور آواز بلند ہوئی کہ آؤ مظلوم خلیفہ کے خون کا عوض لینے کے لیے زوجہ رسول کا ساتھ دو لشکر جمع ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ۸۰ یا ۹۰ ہزار لشکر گرد مجتمع ہو گیا۔ اور ادھر امیر المومنین کو خبر ملی آپ نے کوفہ خط لکھا کہ دیکھا ہم پر بہتان لگا کر ہم سے خون کا عوض چاہتے ہیں آؤ اور جہاد کرو۔ ابو موسیٰ جو اگلی خلافتوں سے یہاں گورنر تھا۔ اس نے لوگوں کو بہکانا شروع کیا اور کہا دیکھو اور طلحہ دنیاوی سلطنت پر جنگ کر رہے ہیں۔ لہٰذا جو طالب دنیا ہو وہ ان دونوں میں سے ایک کا ساتھ دے اور طالب آخرت ہو۔ وہ خاموش بیٹھ رہے۔ اس کی تقریر نے کچھ ایسا اثر کیا کہ ایک بھی ان میں سے آمادہ نہ ہوا۔ آخر قاصدان امیر المومنین مایوس ہو کر واپس ہو کر واپس گئے۔ اور حضرت سے کل کیفیت بیان کی حضرت نے جب ابو موسیٰ کی یہ حالت سُنی تو امام حسنؑ اور عمارؓ بن یاسر کو بلا کر کوفے روانہ کیا۔ جب کوفہ میں خبر پہنچی کہ فرزند وصی ذوالمنن شاہزادہ امام حسنؑ آرہے ہیں تو رؤسا استقبال کے لیے آگے بڑھے۔ الغرض چومتے ہوئے شاہزادہ کو نبی کو جامع مسجد تک پہنچایا۔ تمام خلائق جمع تھی۔ اور ابو موسیٰ محفل میں موجود تھا۔ شاہزادہ نے دریافت کیا کہ کیوں ابو موسیٰ تم امیر المومنین کی بیعت کے بعد ان کی

مدد سے کیوں روکا۔ اس نے کہا کہ میں نے رسالتمآب سے سنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن ایسا آئے گا۔ جس دن اسلام میں ایک فتنہ برپا ہوگا۔ اس میں شریک ہونے والا غیر شریک ہونے والوں سے بہتر ہوگا لہٰذا میں نے چاہا کہ برادران اسلام کو فتنہ سے بچا لوں۔ بس یہ سننا تھا۔ کہ عمار جیسے بڑھ کے محفل رسالت کا بیٹھنے والا کون تھا۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ اے جھوٹے اتر منبر سے رسولؐ پر جھوٹ لگاتا ہے۔ آج تک غدیر کا وسیع میدان اور مسجد نبوی کا صحن سننے والوں کے کان گواہ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاہُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ ؛ فوراً منبر سے اتار دیا۔ اتنے میں علیؑ کے سچے مددگار۔ مالک اشتر آ پہنچے کوفہ کی سرحد پر قدم رکھتے ہی انہیں خبر ملی۔ ابو موسیٰ نے لوگوں کو مدد سے روکا ہے۔ سیدھے دارالامارہ پہونچے اور ابو موسیٰ کو حکم دیا کہ دارالامارہ فوراً خالی کردے۔ اس نے عذر کیا کہ آج نہیں کل خالی کردوں گا۔ مالک اشتر نے کہا کہ نہیں ہمارے آقا کی مخالفت کر کے کوئی ہماری زندگی میں راحت اٹھائے۔ ممکن ہے۔ لیکن اشراف کوفہ کی سفارش پر ایک دن مہلت دی۔ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے خطبہ شروع کیا۔ اور فرمایا کہ دیکھو تم لوگوں کے نزدیک جو کچھ ہے وہ بیعت ہے جب بیعت کر چکے تو اب مدد سے انکار نامناسب ہے۔ اس تقریر کا اثر ایسا پڑا کہ ۲ ہزار جوانان کوفہ آپ کی ساتھ ہوگئے۔ ان لوگوں

کو لے کر مقام ذی قار پہونچے اِدھر امیر المومنین بھی اپنے بھی مع اپنے
رفقار کے پہونچے کل ۱۲ ہزار فوج اس طرف اور ۸۰ ہزار اس طرف مقابل
ہوئے امیر المومنین نے اُم المومنین و طلحہ و زبیر کے پاس قعقاع کو بھیجا
انہوں نے ان لوگوں کو سمجھانا شروع کیا کہ دیکھو جنگ مناسب نہیں ہے
اور سب کو صلح کی طرف مائل کر لیا۔ اِدھر فیصلہ کیلئے عاصم بن کلیب سواروں
کو لیے ہوئے آئے۔ امیر المومنین نے ان کو آتے ہی اس طرح نصیحت کی
کہ وہ مدح و ثنا کرتے ہوئے بصرہ واپس گئے۔ بہر صورت اس آمد و رفت
کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس بات پر ٹھہرنے ہوئی کہ اگر علیؑ قاتلین عثمان کو ہمارے
سپرد کر دیں تو مصالحت ہو جائے۔ جب یہ خبر لوگوں تک پہنچی تو انہوں
نے خیال کیا کہ اگر علیؑ نے منظور کر لیا۔ تو ہماری جانیں گئیں۔ لہٰذا ایسی تدبیر
کی جائے کہ بجائے صلح کے جنگ ہو جائے یہ لوگ چھپ کر گئے۔ اور شبخون
کر دیا۔ وہ لوگ یہ سمجھے کہ علیؑ نے شبخون کیا ہے طلحہ و زبیر نے صفیں آراستہ
کر کے مقابلہ شروع کیا۔ امیر المومنین نے آتے ہوئے تیر جو دیکھے تو آپ
بھی آمادہ جنگ ہوئے۔ جب خدمتگذاران قضاء و قدر نے ہودج
آفتاب کو تقرر فلک پر ظاہر کیا اور سپیدۂ سحر طالع ہوتے ہی ستاروں
کی افشان جبین فلک سے چھوٹنے لگی تو ہودج اُم المومنین صفوف فوج میں
گھرا ہوا علم آگے آگے میدان میں پہنچا۔ اِدھر امیر المومنین نے بھی اپنا
علم سبز رنگ کا جس پر طلوع آفتاب کے وقت ہلکی ہلکی کرنیں پڑ کر
حسن علم کو دوبالا کر رہی تھیں بلند کیا تلواروں کی چمک۔ فوجی باجہ کی گرج

سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔ اتنے میں آپؑ نے طلحہ اور زبیر کو بلایا۔ کہا: کیوں ہم سے لڑنے آئے ہو۔ کہا اس لیئے کہ آپؑ نے مظلوم کا خون بہایا ہے۔ اُس وقت آپؑ نے کہا، کیوں خون کا عوض ہم سے لینے آئے ہو۔ حالانکہ تمہاری تلواروں میں ابھی تک خون انکا چمک رہا ہے۔ اچھا آؤ ہم تم مباہلہ کریں۔ اور دعا کریں کہ جو خون عثمان میں شریک ہو۔ اُس پر خدا عذاب نازل کرے۔ مباہلہ کا نام سنتے ہی بدن میں تھرتھری پڑ گئی۔ سر نہ اُٹھا اور صاف انکار کر دیا۔ یہیں ہر فعل ہر کام ہر امر علیؑ میں رسولؐ یاد آ جاتے ہیں۔ ہم کو کیا صاحب محمل کو یاد آ گئے تھے۔ جب علیؑ دونوں، صفوں کے درمیان ٹہل رہے تھے۔ تو صاحب محمل نے پکار کر کہا تھا کہ ھٰذِہٖ مِشْیَتُہٗ کَمِشْیَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ رات کا نکلنے والا چاند ایسا ہونا چاہیئے کہ جو نور آفتاب کا نمونہ ہو۔ جس کو دیکھ کر آفتاب کی صورت ذہن میں آ جائے جس کی ہدایت پر نظر کر کے آفتاب کی ہدایت جسکی نورانیت دیکھ کر آفتاب کی نورانیت جس کا فیض عام دیکھ کر آفتاب کا فیض عام یاد آ جائے۔ جس طرح قمر امامت کے دیکھنے سے آفتاب رسالت یاد آ جاتا تھا۔ آیت تو اسی سورہ مریمؑ میں یوں ہے۔ کہ یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ۝ حکم نبی کو تھا کفار و منافقین سے جنگ کرو۔ رسولؐ کفار سے لڑے۔ اور نفس رسولؐ منافقین سے جنگ کر کے کار رسالت کو پورا کر رہا تھا۔ رسولؐ نے کفار کو مسلمان بنایا۔ نفس رسولؐ نے منافقین کو مومن بنایا۔ رسولؐ

نے جو دعا کی تھی کہ علیؑ کو میرا وزیر بنا دے تاکہ میرا بوجھ بٹا لیں۔
تو وہ ارمان پورا ہو گیا کہ آدھا کام رسولؐ نے رسالت کا کیا اور نصف
علیؑ انجام دے رہے تھے۔ رسولؐ کفار سے آمادہ مباہلہ ہوئے تھے
اور علیؑ منافقین سے مباہلہ کرنے پر تیار ہوئے۔ وہاں کفار مباہلہ سے
بھاگ نکلے۔ یہاں منافقین نے مباہلہ سے انکار کر دیا۔ سامان
مباہلہ پورا وہی موجود تھا۔ لیکن فرق اتنا تھا کہ جس کو کفار کے مقابلے
میں رسولؐ نہیں لے گئے تھے۔ اور گھر میں رہنے دیا تھا۔ علیؑ اسی
کو لے کر آئے تھے۔ اولاد تو خیر نفس بھی جس کو چاہتے بنا لیتے۔
لیکن نساء بنانا مشکل تھا۔ مباہلہ سے انکار شاید اس لیے کیا ہو کہ
نساءً میں جس کو لیکر آئے ہیں۔ اگر وہ میدانِ مباہلہ کے قابل ہوتیں
تو رسولؐ ہی کیوں نہ لے جاتے رہ گئے علیؑ قرآن کے پاس پورا وہی سامان
مباہلہ کا موجود تھا۔ اور وہی صورتیں جن کے متعلق نصاریٰ بنی نجران کہہ
چکے تھے۔ اگر دعا کریں گے تو پہاڑ اپنے مقام سے ہٹ جائے گا۔
جس طرح رسولؐ ایک طرف حسنؑ دوسری طرف حسینؑ آگے علیؑ اور پیچھے سیدہ
کو لے کے چلے تھے حسنؑ و حسینؑ تو موجود تھے۔ لیکن یہاں دو فردوں کی کمی
یا علیؑ رسولؐ کی جگہ پر تو آپ کھڑے ہو جائیے گا۔ اپنا نفس کس کو بنا کر لے کے
کھینچے گا۔ تو تعجب ہے اگر اسکی ضرورت پڑتی تو مالک اشتر کو آپ اپنے
نفس کی جگہ قائم کرتے کہ جیسے میں رسولؐ کیلئے تھا۔ ویسے مالک اشتر
میرے لیے ہیں۔ اب رسولؐ کے پیچھے سیدہ تھیں یا علیؑ آپ کس بیٹی

کہ اپنے پیچھے رکھے گا تو کیا عجیب ہے۔ کہ جواب دیں کہ میری بیٹی زینبؑ
اپنی ماں کی ہم شکل موجود ہے۔ جس مجمع میں زینبؑ سی خاتون مباہلہ کیلئے
کھڑی ہو جائے۔ محال ہے کہ دعا خطا کر جائے یہ وہ لوگ تھے کہ بابِ اجابت
کو جنکی دعائیں ہلا دیتی تھیں۔ عرش الٰہی کو زلزلہ آجاتا تھا۔ دنیا اگر ڈرتی تھی
تو ان کی بد دعا سے اور اگر جری تھی تو اس لیے کہ یہ کبھی بددعا، نہ کریں گے۔
دنیا والوں کو اگر کسی مقام پہ یہ خیال ہو گیا کہ ہمارے حق میں بددعا کر رہے
ہیں۔ تو پھر روح جسم میں خوف کی وجہ سے کانپنے لگی ہے۔ فوج شام کسی
وقت نہ ڈری اگر ڈری ہے تو اس وقت جب کہ سید الشہداء نے وقت
سجدہ میں سر رکھ کے لبوں کو جنبش دی ہے۔ گھبرا اٹھے لوگ جانتے تھے۔
کہ ان بے گناہوں کی دعا، رائگاں نہ جائیگی۔ ان بے قصوروں کی فریاد خالی
نہ رہیگی۔ ان کی آہیں خطا نہ کریں گی۔ آخر جب شمرؔ نے کان لگا کے سن لیا تو
اطمینان ہوا کہ وہاں بجائے بددعا کے دعا ہو رہی تھی۔ دنیا سے جو بے پرواہ
ہوتے ہیں۔ جب تک وہ کسی ایسی مجبوری میں نہ ہوں۔ کسی کے لیے بددعا نہیں
کرتے۔ فاطمہؑ کی پیاری علیؑ کی دلاری ہمشکل زہراؑ، زینبؑ علیا گھر لٹتے دیکھا
بددعا، نہیں کی بھائی کو دم توڑتے دیکھا بددعا، نہیں کی بھتیجے کے کانوں
سے خون بہتے دیکھا بددعا، نہیں کی۔ سر کی چادر چھینی بددعا، نہیں کی بلوے
میں سر ننگے بالوں سے منہ چھپائے رہیں بددعا، نہیں کی۔ ہاتھ رسیوں سے
بندھے بددعا، نہیں کی۔ ہاں جب شمر لعین نے کہا زینبؑ دربار میں چلو
تو یہ آن عورتوں میں تھی جو میدان فاجر و فاسق کے درمیان آکر جنگ کا

تماشا دیکھتیں ۔ یہ وہ تھیں کہ جن کے مزاج میں غیرت تھی طبیعت میں حیا تھی جن کی ماں کا جنازہ پردہ شب میں نکلا تھا۔ جنہوں نے خود کسی نامحرم پر نگاہ نہ ڈالی۔ اس وقت حیا نے مجبور کیا، ایک بار زندگی میں ماں نے بھی بد دُعاء کا لفظ منہ سے نکالا تھا جب علیؑ کی گردن میں رسی بندھی اور کشاں کشاں مسجد رسولؐ کی طرف لوگ لے چلے تو سیدہؑ نے بال کھول کر کہا تھا۔ بس بس علیؑ کو چھوڑ دو ورنہ بد دُعا کرتی ہوں ۔ اس ارادہ کے بموجب قیامت کے آثار نمودار ہو گئے تھے ۔ اور مسجد رسولؐ اپنے مقام سے بلند ہو کر فضاء میں بلند ہو گئی تھی ۔ بیٹی نے بھی ایک ہی بار ارادہ کیا دربار کے دروازے پہ پکار کر کہا۔ آؤ ام کلثوم رقیہ عاتکہ جمع ہو جاؤ۔ میں بد دُعاء کروں تم آمین کہو ۔ مگر ایک مظلوم خیر خواہ امت کا سر سامنے تھا۔ نظر پڑی تو دیکھا آنسو جاری ہیں پوچھا کیوں بھیا کیا اس وقت علی اکبر یاد آ گئے ۔ کیوں کیا عباسؑ کا خیال آیا ۔ کہا نہیں بہن بہن میں اور کسی پر روتا ۔ رونا تو اس کا ہے ۔ کہ ساری محنت برباد ہو گئی۔ اُمت بخشی نہ جائے گی ۔ جاؤ زینب خوشی سے دربار میں چلی جاؤ۔ ۶۰ ادارہ سیدانیاں سر برہنہ بھرے دربار میں داخل ہوتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ

ارشاد ہوتا ہے کہ خدا عالم نے تمہارے نفع کے لیے اس دین کو جاری کیا۔ جس کی وصیت نوحؑ کو کی۔ اور اسی دین کو اے رسولؐ ہم نے تمہاری طرف بھیجا۔ اور اسکی وصیت ابراہیمؑ و موسٰیؑ و عیسٰیؑ کو کی۔ یہ کہ دین کو قائم کرو۔ صرف اولوالعظم انبیاءؑ کا نام نہیں لیا۔ سب کا نام نہیں لیا۔ اس لیے کہ جو دین اولوالعظم کے لیے مفید اور ضروری ہوا۔ وہ غیر اولوالعظم جو اکثر و بیشتر اپنی شریعت میں انہیں کے تابع ہوتے تھے۔ کیوں ان کو ضروری نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دین کوئی معمولی نہیں ہو سکتا جو کسی نبیؑ کے لیے صرف اس زمانہ میں مفید اور ضروری ہو۔ بلکہ وہ عظیم الشان دین ہے۔ جو آدمؑ کو ان کے زمانے میں مفید ہوا۔ نوحؑ کو ان کے زمانے میں۔ عیسٰیؑ کو ان کے زمانے میں موسٰیؑ کو ان کے عہد میں۔ یوسفؑ کو ان کے زمانہ میں۔ اور رسالت مآبؐ کو ان کے زمانہ میں مفید ہوا۔ اور از آدمؑ تا خاتم سب کے ضروری ہے۔ اگر معمولی دین ہوتا۔ تو کسی ایک یا دو

نبیوں پر اس کے قائم رکھنے کا حکم ہوتا۔ کل انبیاء کو حکم نہ دیا جاتا
کہ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ اس دین کو قائم کرو۔ اور انبیاء کے ذریعہ سے ان کی امتوں
کے لیے اس دین پر ایمان لانے کی تاکید نہ کیجاتی اب غور طلب یہ ہے کہ کونسا
دین ہے جس کی پیروی ہر نبی اور ولی کے لیے ضروری ہے۔ پھر جس کی
پیروی ہر نبی کے لیے ضروری قرار پائے۔ اگر اس کی پیروی امتی نہ کریں۔ تو
کہ بے دین نہ ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی دین ہو سکتا ہے۔ جس نے
کفار کو مایوس کر دیا ہو۔ جو دین کامل ہو۔ ناقص نہ ہو۔ جس دین کی بدولت
روحانی نعمتیں مکمل ہو گئی ہوں۔ جو دین خدا کو پسند آگیا ہو۔ وہی دین ہو سکتا
ہے۔ کہ تمام انبیاء کو جس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہو۔ اور اگلے انبیاء کے ذریعہ
سے ان کی امتوں کے لیے ضروری قرار پایا ہو۔ اور اگر انبیاء خود، یا ان کی
امتیں اس دین پر ایمان نہ لاتے۔ تو وہ بے دین ہو جاتے یا دین ناقص پر چلتے
اب تلاش کیجیے کہ یہ کونسا دین ہے۔ کہ جس کی پیروی اگر انبیاء نہ کرتے تو بے
دین ہو جاتے۔ وہ وہی دین ہے جسکے متعلق قرآن صاف کہہ رہا ہے
اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ
دِیْنًا۔ آج کفار مایوس ہو گئے ایمان والوں سے اس لیئے کہ دین کو وہ
سے مٹا نہیں سکتے۔ آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل اور نعمتوں کو تمام
کر دیا۔ اور اسلام کو دین بنانے سے میں راضی ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہی بہت
بالشان دین ہے۔ جس نے کفار کو مایوس۔ اور نعمتوں کو مکمل کر دیا تھا۔ جس

خدا راضی تھا۔ اور دین دین کامل تھا۔ یہ کونسا دین تھا۔ آپ مجھ سے بہتر واقف ہیں۔ کہ غدیرِ خم میں ایک طرف پیغمبر اعلان کر رہا تھا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ دوسری طرف بخٍ بخٍ کی صدائیں بلند تھیں۔ تیسری طرف خدا نے خوشخبری دینے کیلئے اس آیت کو نازل کیا تھا اس لیے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا۔ کہ آپ فرمائیں کہ اس دین سے کونسا دین مراد ہے۔ جس کی وصیت نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو کی گئی ہو۔ جس کا حکم رسالت مآبؐ کو دیا گیا کہ تم سب اس دین کو قائم کرو۔ تو آپؑ نے فرمایا دین سے مراد امامت علی ابن ابی طالبؑ ہے۔ جس کو قائم رکھنے کا حکم اور جس کی پیروی کا حکم جمیع انبیاءؑ کو دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ علیؑ کی امامت کا اقرار انبیاءؑ و سابقین کے لیئے بھی ضروری تھا۔ اگر انبیاء سابقین بھی انکار کرتے تو بے دین ہو جاتے۔ جب انبیاءؑ بلا اقرار امامت علی دین والے نہ بن سکے۔ تو اُمتی انکار کرکے دین والے کب بن سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ اہم مرحلہ یہ ہے۔ کہ اَلَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ۔ یہ وہی دین ہے۔ جس کو بذریعہ وحی ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ تم بھی اے میرے رسولؐ اس دین کو قائم کرو۔ یعنی پیمبرؐ اس دین کو چھوڑ کر صاحب دین نہیں بن سکتا تھا۔ گو خاتم المرسلینؐ تھے گو محبوبؐ رب العالمین تھے گو افضل المخلوقات تھے۔ گو اشرف الموجودات تھے۔ لیکن اگر امامت علیؑ سے انکار کرتے تو دین نہ ملتا۔ اس لیئے غدیر میں آیت نازل کی گئی تھی۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ

فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؛ ظاہر ہے کہ جو رسولؐ فرائض رسالت انجام نہ دے وہ دین والا کب ہو سکتا ہے۔ وہ تو اس قابل ہوگا کہ نافرمان کہلائے معلوم ہوا کہ خاتم المرسلین کے لیے بھی ولایت علیؑ ضروری تھی۔ چونکہ اسی تبلیغ پر ساری کامیابی رسالت کی موقوف تھی اس لیے آپ نے اسی شدت کا انتظام کر کے اس تعجیل کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا۔ کہ دھوپ سے سایہ میں جانا۔ نہ چاہا کسی موزوں محل کی تلاش نہ کی۔ تاکہ خدا کی تبلیغ میں کمی نہ ہو۔ ممکن ہے کہ یہ تاخیر مرضی الٰہی کے خلاف ہو۔ اور میں اپنی رسالت میں مقصر کہلاؤں۔ آپ نے اسی محل پر تلاوت آیات کے بعد حمد و ثنا الٰہی کر کے فرمایا کہ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ تاکہ جس دین کی وصیت تمام انبیاءؑ کو کی گئی اور جو دین میرے پاس بذریعہ وحی اس تاکید کے ساتھ بھیجا گیا میں اسے امت تک پہنچا کے اپنا فریضہ ختم کر دوں۔ پھر خاتم المرسلینؐ جیسا محبوبؐ بھی جب ولایت علی کو چھوڑ کے رسول نہ بن سکا ہو۔ امتی اسے چھوڑ کے امتی کب بن سکتے ہیں۔ اور چونکہ پیغمبر نے امتیوں کی سفارش کا ذمہ لیا ہے۔ اس لیے جس نے علی کو چھوڑا وہ نبیؐ کا نہ امتی بن سکتا ہے۔ اور نہ حقدار شفاعت بن سکتا ہے۔ اس لیے آپ کا لقب شفیع الکفار نہیں ہے شفیع المنافقین نہیں ہے۔ بلکہ شفیع المسلمین بھی آپ کا لقب نہیں ہے۔ اگر لقب ہے تو شفیع المذنبین۔ جس کے معنی ہوئے کہ جب اس دین کو جو تمام انبیاءؑ کے لیے ضروری تھا۔ جو جمیع مرسلین کے ضروری تھا۔ خود خاتم المرسلین

کیلئے ضروری تھا۔ اس کو اختیار کرکے مومن بن جا۔ اس کے بعد اگر گناہ گار ہوگا۔ اور شفاعت کی ضرورت ہوگی۔ تو رسول اسکی شفاعت کریں گے۔ اس لیے حدیث میں ہے یا علی تمہارا دشمن میری شفاعت سے محروم رہے گا۔ بعض مقامات پر ہے کہ تمہارے دشمن کے حق میں میری شفاعت مفید نہ ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اول تو میں ایسوں کی شفاعت کروں گا نہیں اور اگر ایسوں کی شفاعت کروں بھی تو خدا اس شفاعت کو مانے گا نہیں اس لیئے غیر مفید ہوگی۔ اور رسولؐ غیر معقول بات کرتا نہیں۔

اس کی وجہ کیا ہے کہ اس دین کو چھوڑ کر نہ انبیاء دین والے بن سکتے ہیں اور نہ مرسلین اولیاء نہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ بات یہ ہے کہ حق کو حق سمجھنا اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا باطل کو باطل سمجھنا ضروری ہے۔ لہٰذا حق بھی ہو اس پہ ایمان لانا۔ اس کو تسلیم کرنا۔ اس کے حق ہونے کا اقرار کرنا ہی دین ہے مگر حق سے انکار کر جائے کوئی بھی پھر وہ دین والا نہیں بن سکتا۔ ابلیس محض تجگہ سجدۂ آدمؑ سے جو حق تھا۔ جب اس حق سے پھر گیا تو بے دین ہو گیا جس طرح جنت حق ہے۔ نار حق ہے صراط حق ہے۔ خدا حق ہے رسولؐ حق ہے۔ اگر کوئی ان پر ایمان نہ لائے تو بے دین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امامت علی بھی حق ہے۔ بلکہ علیؑ خود حق ہیں اور منکر حق خود بے دین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جو منکر علیؑ کا ہوگا وہ بے دین ہو جائے گا۔ کوئی بھی ہو انبیاءؑ جب ہی تک انبیاءؑ رہیں جب تک معتقد حق ہیں اگر معتقد حق نہ باقی رہیں۔ تو نبی ہونا کیسا۔ مومن نہ بن سکیں گے۔ اسیطرح خاتم المرسلین بھی افضل و اعلیٰ جب ہی تک تھے کہ معتقد حق تھے۔ اگر نعوذ باللہ

کسی حق سے منحرف ہو جاتے تو پھر کیسی نبوتؐ کیسی رسالت۔ یہی وجہ تھی
حکم ہوا کہ اس حق کا بھی اقرار کر دو۔ لیکن اور بھی حق ہیں۔ جنت حق دوزخ حق
حق، کسی کے لیے اتنا اہتمام نہیں کیا گیا۔ جتنا علیؑ کیلئے ان کی امامت کا اقرار
کیلئے اہتمام کیا گیا۔ ہر نبیؑ ہر ولی ہر رسول کو وصیتؐ کی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی
علی خود بھی حق ہیں۔ اور ہر حق قیام قیامت تک ان کی ذات سے وابستہ ہے
جس نے علی کی امامت کا اقرار کیا وہ نہ انبیاءؑ سے پھر سکتا ہے۔ نہ جنت و نار
انکار کر سکتا ہے۔ نہ خداؐ کا نہ رسولؐ کا چونکہ علیؑ خود بھی حق اور ہر حق ان سے
ہے۔ اس لیئے ان کا اقرار مقدم قرار دیا گیا۔ کیوں کہ اس ذریعہ سے ہر حق کا اقرار
ہو جائے گا۔ اور پیغمبرؐ نے اسی کو یوں ارشاد فرمایا۔ عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ
اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مِنْ حَيْثُ مَا دَارَ۔ تاکہ معلوم ہو جائے دنیا تابع حق ہو
ہے۔ یہ امام وہ حق ہے۔ کہ حق خود اس کے تابع اور ماموم ہے۔ اور چونکہ نبیؐ
حق علیؑ حق اور حق کو حق کا بھی اقرار ضروری ہوتا ہے۔ اس لیئے علیؑ کیلئے ضروری
تھا۔ کہ نبیؐ کی نبوت کا اقرار کریں۔ نبیؐ کے لیے ضروری تھا کہ علی کی امامت کا خود
اقرار کریں بعد کے لیئے اعلان بھی کر دیں۔ جس طرح علیؑ کیلئے ضروری تھا۔ وہ
بن کے نبیؐ کی نبوت کا اقرار کر لیں۔ اور اسی طرح نبیؐ کے ضروری تھا کہ علی کی امامت
کا اقرار لیں۔ اسی لیے علی نے سنہ ۱۰ھ تک دوسروں سے اقرار رسالت
سنہ ۱۰ھ کے آخر میں نبیؐ نے تمام امت سے تکمیل دین کیلئے اقرار امامت علی لیا
بہر حال معلوم ہوا کہ جس دین کے قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے
امامت علی ہے۔ جو ہر ایک کے لیے اس کے عہد میں نفع بخش بھی تھی ہر

بحکم خدا خود اقرار کیا اور اپنے آقیوں سے اقرار لیا۔ اور ہر ایک کو ان سے نفع پہنچا جس نبی کو مشکل درپیش ہوئی یہی ذات اس کے لیئے نافع ثابت ہوئی کسی قسم کی مشکل ہو۔ کسی طرح کی مصیبت ہو۔ ہر محل پر یہ دین کامل ان کے لیے مانع بن گیا۔ آدمؑ جب جنت سے نکالے گئے تو توبہ اسی کے ذریعہ سے قبول ہوئی۔ نوحؑ کی کشتی جب طوفان میں آئی تو اس کے ذریعہ سے نجات ملی۔ ابراہیمؑ کو آگ سے اس نے بچایا۔ موسیٰ کو فرعون سے اس نے نجات دلائی یوسفؑ کو چاہ سے اس نے بچایا۔ موسیٰ کو تجلی رب کے وقت مصیبتوں سے اس نے بچایا سلیمانؑ کو شیر سے بچایا۔ محمدؐ کو کفار کے حملے سے بچایا۔ قرآن کو ضائع کرنے سے نفس اللہ نے بچایا۔ لیکن علیؑ جسطرح حق پرستوں کیلئے محافظ تھے۔ اسی طرح باطل کو مٹانے والے بھی تھے۔ پیدا ہوئے تو نگاہ قہر آلود سے بت گرائے اور بڑھے تو گہوارہ میں کلۂ اژدر چپاک کیا اور بڑھے تو کفار کے سر کاٹے اور بڑھے تو خیبر کا در اکھاڑا اور بڑھے تو کفر کا سر قلم کیا اور بڑھے تو کفار کے خدا یعنی بتوں کو کعبہ سے نیست و نابود کیا یہی وجہ تھی کہ جب پیدا ہوئے تھے تو شانے پر قلم قدرت نے لکھ دیا تھا۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ کیوں کہ حق کو بچانے والے اور باطل کو مٹانے والے تھے۔

اب یہ مسئلہ قابل غور ہے۔ کہ انسان دین والا یا صاحب دین ہوتا ہے۔ پر دین کا اطلاق کیسے صحیح ہوگا۔ مثلاً آدمؑ نبی تھے لیکن نبوت نہ تھے ابراہیمؑ خلیل تھے۔ خلت نہ تھے۔ عیسیٰؑ رسول تھے۔ رسالت نہ تھے۔ انسان

پر اطلاق مشتقات ہوتا ہے ۔ مبادی کا اطلاق نہیں ہوتا ہے ۔ جب اس پر
کیا جائے گا تو مشتق کا مصدر کا اطلاق کبھی نہیں ہوتا ہے ۔ مثلاً انسان عا
ہوسکتا ہے جو مشتق ہے ۔ اور اسم فاعل کا صیغہ ہے ۔ اگر آپ کسی انسان
کو کہیں گے ۔ تو عالم کہیں گے ، علم نہ کہیں گے ۔ فاضل کہیں گے فضل نہ کہیں گے
زاہد کہیں گے زہد نہ کہیں گے ۔ اسی طرح عادل کہیں گے ۔ عدل نہ کہیں گے
صاحب دین کہیں گے ۔ دین نہ کہیں گے ۔ دین کا اطلاق کیسے صحیح ہو سکتا
ہے ۔ ہاں اگر وہی وصف اس حد پہ پہنچ جائے کہ اس کے آگے کوئی حد
نہ ہو تو پھر بجائے مشتق کے مصدر کا اطلاق صحیح ہو جاتا ہے ۔ مثلاً زید نے عدل
کیا تو اسے آپ عادل کہیں گے ۔ اگر اس سے زیادہ عدل کرے تو اعدل
یا اشد عدلاً کہیں گے ۔ لیکن اگر زید کا وصف عدل اس حد آخر پہ پہنچ
جائے جس کے بعد اضافہ کی گنجائش ختم ہو جائے تو پھر زیدٌ عدلٌ کہیں گے
ہیں جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ زید نے اس حد پہ عدل کیا کہ خود مجسم عدل
بن گیا ۔ اب کوئی گنجائش اس کے لیے باقی نہیں رہی ہو ۔ علیؑ پہ دین کا اطلاق
بھی اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے ۔ جب کہ پہلے یہ تسلیم کر لیں جائے کہ علیؑ
دین نبیؐ کے اس مرتبہ پہ فائز تھے ۔ کہ اب اس سے زیادہ ممکن نہیں
اس وقت دین کا اطلاق علیؑ پہ صحیح ہوگا ۔ اگر ہو سکتا ہے کہ علیؑ سے
بھی صاحب دین پیدا ہو تو پھر دین کا اطلاق صحیح نہ ہوگا ۔ مگر علیؑ کی ذات تو
وہ ہے ۔ کہ اکثر صفات میں مشتقات کے بجائے اطلاق مصدر ہی ملیگا ۔
جہاں تک نظر دوڑائیے آپ انبیاؑ کے بارے میں مرسلین کے بارے میں مشتقات

ملیں گے لیکن وہی وصف جب علیؑ کے بارے میں دیکھنے گا تو بجائے مشتق کے مصدر ہی ملے گا۔ مثلاً انبیاءؑ کو جب خداوند عالم نے فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یا مومنین کہا دونوں مشتقات ہیں جس کے معنی ہیں ایمان لانے والے معلوم ہوا کہ جب اطلاق ہوا تو لفظ مومن کا مگر جب پیغمبرؐ نے چاہا کہ علیؑ کے ایمان کا تذکرہ فرمائیں۔ تو یہ مناسب نہیں معلوم ہوا کہ مومن کہیں بلکہ یوں فرمایا۔ بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّہٖ۔ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلے میں جا رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ علیؑ کو بجائے مومن کے ایمان کہا گیا اسی طرح جس نبیؑ یا وصی کی نصرت دکھانا ہوئی تو ناصر یا معین کہا گیا۔ مشتق کا اطلاق کیا گیا۔ مگر جب جنگ اُحد میں علیؑ کی نصرت کی وجہ سے پیغمبرؐ کو حکم ہوا کہ علیؑ کو پکارو۔ جبریلؑ پیغام لے کے آئے۔ نَادِ عَلِیًّا مَظْھَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْہُ عَوْنًا لَّکَ فِی النَّوَائِبِ۔ جس طرح بجائے مومن ایمان کا اطلاق علیؑ پر صحیح قرار پایا۔ اس لیے کہ وہ ایمان کے اس مرتبہ پہ فائز تھے۔ کہ جس کے آگے ترقی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اسی طرح علیؑ کے لیے بجائے معین کے عون کا اطلاق اس لیے صحیح ہوا۔ کہ علیؑ نے نبیؐ کی اس حد پہ مدد کی جس سے زائد ناممکن تھی۔ اسی طرح علیؑ پر دین کا اطلاق بھی صحیح ہوگا۔ اس لیے کہ علیؑ دین کے اس مرتبہ پر فائز تھے جس سے زیادہ مرتبہ حاصل کرنا ناممکن تھا۔ یا یوں سمجھیے کہ جو جس کا پوجنے والا اور پرستش کرنے والا، یا اتباع کرنے والا ہوتا ہے۔ اگر اسکی پیروی یا پرستش آخری حد پہ پہونچ جاتی ہے۔ تو اس تابع پر متبوع اور عابد پہ معبود کا اطلاق صحیح ہو جاتا ہے

جس طرح کُل کفر کو پیغمبرؐ نے کہا اِس لیے کفر پرست تھا۔ مگر اس کی کفر پرستی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے اسے کفر کہہ دیا۔ اَللّٰھُمَّ الْعَنْ صَنَمَیْ قُرَیْشٍ یعنی خداوندا قریش کے دونوں بتوں پر لعنت کر حالانکہ قریشی بت پرست نہ تھے لیکن انہوں نے ایسی طرح بت پرستی کی تھی کہ ان پر بت کا اطلاق صحیح ہو گیا۔ تو جب باطل کی پیروی کرنے والا اگر پوری طرح سب سے زائد پیروی کرے تو اس پر باطل کا اطلاق صحیح ہو جاتا ہے۔ تو پھر اگر کوئی شخص حق کی پیروی کرے اور ایسی پیروی کرے جس سے زائد پیروی ناممکن ہو۔ اس پر حق کا اطلاق صحیح ہو جائے گا۔ علیؑ نے دین کی پوری پیروی کی ایسا اتباع کیا جس سے زائد اتباع ناممکن تھا۔ اگر خود دین کہلائیں تو کونسا مضائقہ ہے۔

معلوم ہوا کہ علیؑ دین اور پھر دین پناہ بھی تھے۔ اس لئے کہ دین کا وجود اور اسکی رسالت مآبؐ کے دم سے تھی۔ ہر وہ موقع جہاں کفار نے چاہا محمدؐ کو قتل کر کے دین کو مٹا دیں۔ علیؑ نے جان بیچ کر حفاظت کی۔ جب مکہ میں کفار نے مشورہ کیا تھا کہ پیغمبرؐ کو قتل کر دیں نہ یہ رہیں گے نہ اسلام رہے گا۔ تو علی ہی تھے جنہوں نے بستر پر سو گئے پیغمبرؐ کی جان بچا کر دین بچا کی۔ اُحد میں جب کفار نے ہر طرف سے رسولؐ کو گھیر لیا تھا۔ اور اسلام والے اپنی جان بچانے کی فکر میں لگے تھے۔ تو وہ علیؑ ہی تھے جنہوں نے اس سخت معرکہ میں اپنی پرواہ نہ کی بلکہ رسولؐ کی جان بچا کر دین پناہی کی۔ سچ جس نے پیغمبرؐ کی حفاظت کی وہی دین پناہ ہو گا۔ ورنہ اگر رسالت مآبؐ اس وقت نہ بچتے

سکتے تو تحریک اسلام فنا ہو جاتی اسی سلسلے میں نے کہا کہ علی دین بھی تھے۔ اور دین پناہ بھی تھے۔ جنہوں نے ہر موقع پر دین کو بچایا کبھی ساتھ رہ کے کبھی مدینہ میں چھوڑ کے کبھی جنگ کر کے۔ کبھی صلح کر کے کبھی جاگ کے کبھی سو کے۔ کبھی بول کے کبھی چپ رہ کے۔ پھر جس نے دنیا میں دین کو مٹنے سے بچایا وہی حقدار ہے کہ آخرت میں دین والوں کو جہنم سے بچائے۔

خدا عادل ہے۔ ظالم نہیں۔ دنیا میں جس نے جو کام کیا ہے۔ آخرت میں بھی وہی اس کام سرانجام دینے والا قرار پائے گا۔ جس طرح علیؑ نے ہر غل پہ ہر جنگ میں اسلام کا علم اٹھایا۔ اور پھر یوں بلند کیا۔ کہ اس کو پست ہونے نہ دیا حق ہے کہ آخرت میں لوائے حمد انہیں کے ہاتھ میں دیا جائے۔ جس طرح دنیا میں ایمان و اسلام کو یوں قائم کیا کہ مشرق و مغرب کل عالم میں پھیلا دیا۔ حق ہے کہ انہیں کی محبت میں ایمان قرار دے کے آخرت میں اسی کو ذریعہ نجات بنا دیا جائے۔ اسی طرح دنیا میں دین یوں بچا یا کہ بجائے تنزلی کے ترقی ہوتی گئی۔ لہٰذا علیؑ ہی کا حق ہے۔ کہ دین والوں کی نجات ان ہی کے ذریعے ہو۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔ کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا لَا یَجُوزُ اَحَدُ الصِّرَاطَ اِلَّا مَنْ کَتَبَ لَهُ عَلِیٌّ الْجَوَازَ۔ معلوم ہوا کہ بغیر مرضی علیؑ کے کوئی جنت تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیوں صرف اس لیے کہ دین کو انہوں نے جاری کیا۔ لیکن کو انہوں نے بچایا۔ دین کو ترقی دی۔ دین انہیں کی وجہ سے مکمل ہوا۔ ایمان انہیں کی وجہ سے کفار پہ غالب ہوا۔ دین ان ہی کی بدولت قابل

رضامندی ہوا۔ پھر جس وجہ سے دین قابل پسندیدگی ہوا۔ اہل دین کو اسی کی پسند سے جنت کا حقدار بننا چاہیئے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ دین علیؑ ہی، دین مرتضیٰ ہے۔ اور وہی مفید ہے۔ اس کے علاوہ سب بے کار کیوں کہ دین وہی مفید ہے جس کے ذریعہ جنت مل سکے اور جو دین جہنم میں پہنچا دے اس دین سے تو بے دینی بہتر ہے۔

بہر صورت ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ہم نے وصیت کی انبیاءؑ کو اور اے محمدؐ تم اور تمہارے ذریعہ سے تمام ان لوگوں کی جو تمہاری امت میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ ان سے کہا جاتا ہے۔ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ اس دین کو جو غدیر خم میں خدا نے پسند کیا اسے قائم کرو۔ یا قائم رکھو وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ اور اس میں اختلاف نہ کرو۔ گو قدرت کو اتفاق اس قدر پسند ہے۔ کہ اس نے اسی اتحاد کو قائم کرنے کا حکم دیا۔ اگر تنہا شخص نماز پڑھے تو اس کو اتنا ثواب نہ ملے گا۔ جتنا جماعت میں ملے گا۔ جماعت کو ہزار چند کر دیا۔ تاکہ لوگ جب عبادت الٰہی کے لیے جمع ہوں گے۔ مقصد واحد کے ساتھ اتحاد میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اسی لیے حکم دیا کہ روزانہ پانچ وقت ایک قریہ ایک محلہ کے لوگ ایک مقام پر جمع ہو کر نماز پڑھیں۔ اور ہفتہ میں ایک بار شہر کے کل لوگ جامع مسجد میں جمع ہو کر نماز پڑھیں اور سال کے بعد اطراف و اکناف کے مسلمان بیت اللہ میں جمع ہو کر اپنے اتحاد و اتفاق کا نمونہ پیش کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتحاد بین المسلمین خدا کو پسند ہے۔ مگر اتنی تاکید اتحاد کی اور کسی عبادت میں نہیں فرمائی۔ جس قدر

یہاں تاکید فرماتا ہے کہ میں نے نوحؑ کو وصیت کی ابراہیمؑ وموسیٰؑ وعیسیٰؑ کو وصیت کی اور اب اے رسولؐ تمہارے ذریعہ سے تمہاری امت کو حکم دیا جاتا ہے۔ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ ۔ اس غدیر والے دین کو قائم رکھو وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ۔ اور اس میں اختلاف نہ کرو۔ اور امام جعفر صادقؑ تفسیر آیت میں ارشاد فرماتے ہیں لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ کِنَایَۃٌ عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی مقصد الہٰی یہ ہے۔ کہ علیؑ کے بارے میں اور ان کی امامت میں اختلاف نہ کرو۔ اس لیے کہ اس امامت کی وجہ سے دین کامل ہوا۔ تمام نعمت ہوا اسلام اس قابل ہوا۔ کہ خدا اسے پسند فرمائے پھر اگر اختلاف کرو گے تو یا تو تمہیں دین نہ ملے گا۔ اگر ملے گا تو ناقص ملے گا۔ تو وہ اسلام جو خدا کو پسند نہ ہوگا۔ اس لیے اس میں اختلاف نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ ولایت اور امامت علیؑ سے انکار کے بعد اگر اسلام ملیگا تو وہ جو خدا کو ناپسند ہوگا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خدا کو پسند ہے اور دوسری وہ جو خدا کو ناپسند ہے پس اسلام پسندیدہ اور ناپسندیدہ میں فرق یہ ہے۔ کہ اسلام کے دو فائدے ہیں۔ ایک صرف دنیا میں فائدہ پہنچانے والا۔ دوسرے وہ کہ جو دنیا و آخرت میں دونوں میں فائدہ پہنچائے۔ اسلام ظاہری جو ناپسندیدہ ہے وہ دنیا میں مفید ہے آخرت میں فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیئے کہ وہ اسلام خدا کا پسندیدہ اسلام نہیں ہے۔ اور اگر دنیا میں بھی فائدہ پہنچائے اور آخرت میں بھی مفید ہے۔ سمجھ لیجیے کہ یہ خدا کا پسند کیا ہوا اسلام ہے۔ دنیا والے

جنہوں نے علیؑ کو چھوڑا۔ گو وہ مسلم ہوئے لیکن اسلام ان کا دنیا میں مفید ہو
سکا۔ وہ واجبُ القتل نہ رہے ان کی جان و مال محفوظ ہو گیا۔ طاہر
بنا دیا گیا۔ ان کا ذبیحہ جائز قرار پایا ہے۔ یہ دنیاوی فوائد تھے جو حاصل ہوئے
مگر یہ اسلام آخرت میں فائدہ پہنچا سکتا۔ اسی لیے ارشاد ہوا۔ یا علیؑ
حُبُّكَ اِيْمَانٌ وَّ بُغْضُكَ كُفْرٌ وَّ نِفَاقٌ یا علیؑ تمہاری محبت ایمان اور
دشمنی کفر و نفاق ہے۔ ظاہر ہے کہ جنت میں نہ کافر جا سکتا ہے۔ نہ منافق
جا سکتا ہے۔ یہ اسلام خدا کا ناپسندیدہ اسلام ہے لیکن وہ اسلام جو ولایت
و امامت علیؑ کے ساتھ ہو۔ وہ خدا کا پسند کیا ہوا اسلام ہے جو دنیا
میں بھی مفید آخرت میں بھی مفید۔ دنیا میں اس کا قتل جسطرح حرام ہے
اسی طرح آخرت میں اس پر جہنم حرام جسطرح دنیا میں اس کی جان و مال
محفوظ اسی طرح آخرت میں اس کا جنت و کوثر میں حق محفوظ۔ جس طرح دنیا میں
خود طاہر ذبیحہ حلال اسی طرح آخرت بھی طاہر اور ایسا طاہر کہ کوثر اپنے
کنارے جگہ دے۔ جنت اپنے دامن میں جگہ دے پاک محفلوں میں
اجنبی نہ معلوم ہو۔ چادر تطہیر والے محبت سے بلائیں۔ معصومین کی
میں جگہ ملے۔ ملائکہ ان کی طہارت پر غبطہ کریں۔

بہرصورت چونکہ آخرت کے کل فوائد اسی ولایت پر موقوف تھے
آج پروردگار عالم نے حکم دیا کہ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ. علیؑ کے بارے میں تفرقہ
نہ کرنا۔ اس لیے کہ امامت علیؑ میں اختلاف دو ہی صورتوں سے ہو سکتا ہے
یا علیؑ کو امام کے بجائے رسول یا خدا تسلیم کر لیں اور مرتبہ سے بڑھا دیں

علیؑ کی امامت میں بایں طور پر اختلاف کریں کہ آپ کو آپکے مرتبہ پر امام نہ مانیں یعنی مرتبہ سے گھٹا دیں۔ دونوں کے متعلق پیغمبرؐ کا متفق علیہ حکم موجود ہے۔ چنانچہ صواعق محرقہ میں ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ سَیَھْلِکُ فِیْکَ اثْنَانِ مُحِبٌّ غَالٍ مُبْغِضٌ قَالٍ۔ یعنی دونوں گروہ ہلاک ہو جائیں گے جنہوں نے مرتبہ سے بڑھایا۔ جن لوگوں نے گھٹایا"۔ معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے مرتبہ سے بڑھایا انہیں اسلام نہ ملا۔ اور جنہوں نے گھٹایا۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ انہیں اسلام ملا تو وہی جو خدا کو ناپسند اسلام ہے۔ وہ اسلام جو دنیا میں بھی مفید ہوتا ہے۔ اور دنیا سے زائد آخرت میں ہلاکت سے بچاتا وہ اسلام نہ مل سکا۔ اس لیے میں نے عرض کیا تھا کہ اختلاف امامِ علیؑ میں اس لیے حرام ہے۔ کہ یا تو اسلام نہیں ملتا۔ یا اسلام ملتا ہے تو ناپسندیدہ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ۔ اے رسولؐ جس چیز کی طرف تم دعوت دیتے ہو وہ مشرک پر بہت شاق ہے۔ مشرک اس شخص کو کہتے ہیں جو خدا کی ذات یا اس کے صفات میں غیر کو شریک کرے یا اس کو غیر کا شریک قرار دے۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ ایک خدا کے علاوہ دوسرا بھی خدا ہے۔ تو وہ مشرک ہو جائے گا۔ یا یہ کہے کہ خدا واجب الوجود ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی دوسرا واجب الوجود موجود ہے۔ یا خدا بھی قادر مطلق ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی دوسرا قادر مطلق موجود ہے۔ تو ایسا شخص بھی مشرک کہلائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جیسے ہم ممکن الوجود یا مخلوق ہیں اسی طرح خدا بھی ممکن الوجود یا مخلوق ہے تو یہ مشرک ہو جائے گا۔ اسی طرح فرض

کیجیے کہ خدا ولی ہے۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اللہ ایمان والوں کا ولی ہے۔ یہ اس کا مخصوص لقب ہے اگر اسی کی اجازت سے ہم کسی کو ولی کہیں تو شرک نہ ہوگا۔ اس لیئے ہم مجبور ہیں اپنا لقب خود اس نے دوسرے کو دیدیا اب اگر نہ کہیں تو جرم ہوگا۔ جس طرح بادشاہ خود حکم دے کہ میرے ساتھ فلاں شخص کو بھی بادشاہ تسلیم کرو۔ تو اب تسلیم کرنا جرم نہ ہوگا۔ بلکہ نہ تسلیم کرنا جرم ہوگا۔ ہاں اگر ہم بلا اس کے حکم کے خود کسی کو بادشاہ تسلیم کرلیں تو یہ بغاوت ہوگی۔ اسی طرح اگر ہم کسی کو اس کے حکم سے ولی مانیں تو یہ عین ایمان ہوگا لیکن اگر ہم کہیں کہ ہم کو بھی ولی بنا لینے کا اختیار رہے چاہے خدا حکم دے یا نہ دے تو پھر یہ شرک ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ شرک جلی نہ ہوگا خفی ہوگا مگر شرک ضرور ہوگا۔ اسی طرح خدا کا نام "غنی" ہے۔ جسے اُسنے اپنی ذات کے ساتھ مخصوص کیا۔ اور اپنی ذات کے علاوہ کوئی رسولؐ ہو۔ یا امامؑ کسی کے لیئے اس نے پسند نہیں کیا بلکہ بجائے غنی کے اولیاء اللہ کے لیے فقر و فاقہ پسند کیا۔ اور جس نے اپنی احتیاج خدا کی طرف زیادہ پیش کی اتنا ہی مقرب ہوتا گیا معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک غنی ہونا قابل مدح نہیں ہے بلکہ محتاج ہونا قابل مدح ہے۔ چنانچہ جناب رسالت مآبؐ جیسی جلیل القدر ہستی جسے خدا نے محبوب کا لقب دیا تھا۔ وہ بھی دربار الٰہی میں عرض کرتے تھے۔ خداوندا مجھے ایک وقت کھانے دے تاکہ لذت شکر حاصل کروں۔ جب خاتم المرسلینؐ رحمۃ للعالمین جیسے اپنے محبوب کو غنی کا لقب نہیں دیا۔ تو اور کسی کو کیا یہ لقب ملتا۔ پھر اگر ہم کسی کو اپنی

طرف سے غنی کا لقب دے دیں تو وہ مشرک ہو جائے گا۔ یوں شیطان نے بہتوں کو مشرک بنا دیا اور پتہ نہ چلا۔ بہر صورت کہیں تو شرک واضح ہوتا ہے اور کہیں خفی ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ۔ اے میرے محبوب جس امر کی طرف تم دعوت دیتے ہو لوگوں کو یعنی امامت علیؑ ابن ابی طالبؑ یہ مشرکین پر بہت شاق ہے۔ سچ ہے کہ علیؑ امامت ہر طرح کے مشرکین پر شاق تھی۔ جو ظاہری مشرک تھے ان پر اس لیئے شاق تھی کہ اسلام کی ترقی ایمان کی بقا۔ کفر کا فنا علیؑ کے ساتھ وابستہ تھا۔ اور وہ مشرکین جنہیں خفی شرک موجود تھا۔ وہ تو کہتے ہی تھے کہ اے محمدؐ تم نے ہم پر توحید پیش کی ہم نے تسلیم کر لیا۔ اپنی نبوت پیش کی ہم نے مان لیا۔ اب، چاہتے ہو کہ اپنے بعد ایسے شخص کو ہم پر حاکم مقرر کر جاؤ جس نے آباؤ و اجداد و اعمام و اخوان کو اپنی خون آشام تلوار سے قتل کیا ہے اور آپس میں گفتگو کرتے تھے۔ کہ اگر رسالتمآبؐ نے علیؑ کو امام بنایا تو ہم ہرگز نہ تسلیم کریں گے۔ مگر جس قدر انکار شدید تھا۔ اسی قدر علیؑ کا امام بنانا ضروری تھا۔ اس لیئے ضروری تھا۔ کہ علیؑ اس وعدے پر سب سے پہلے مددگار بنے تھے اس لیئے ضروری تھا۔ کہ اسلام کی کمزوری میں سب سے پہلے پیغمبرؐ کا ساتھ دیا تھا۔ اس لیئے ضروری تھا۔ کہ اسلام پھیلانے میں انتھک کوشش کی تھی۔ اس لیئے ضروری تھا کہ صفات فاضلہ اور اوصاف کاملہ میں پیغمبرؐ کے بعد سب سے بہتر تھے اس لیئے ضروری تھا کہ خدا تاکید پر تاکید کر رہا تھا۔ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ اگر یہ نہ کیا تو کچھ بھی نہ کیا۔ آخر پیغمبرؐ نے کفار سے نڈر بن کے منافقین سے بے پرواہ

ہوکے عظیم الشان مجمع میں فرمایا مَنۡ کُنۡتُ مَوۡلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوۡلَاہُ۔ جس کا میں مولیٰ اُس کے علیؑ بھی ہیں۔ اے پیغمبرؐ جس چیز کی طرف تم مشرکین کو بلاتے ہو۔ وہ ان پر بہت شاق ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس قدر امامت علیؑ مشرکین پر شاق ہوئی اتنی کوئی شے شاق نہیں ہوئی گو کلمہ تو پہلے ہی مشرکین پر شاق تھا مگر صرف ان مشرکین پر کھلے ہوئے مشرک تھے۔ اسی طرح رسالت ختمی مرتبت بھی مشرکین پر شاق تھی۔ مگر صرف ان مشرکین پر جو کھلے مشرک تھے۔ صوم و صلوٰۃ زکوٰۃ و خمس حج و جہاد نیز قرآن کا نازل ہونا یہ سب مشرکین پر شاق تھا۔ مگر ان مشرکین پر جو کھلے مشرک تھے۔ لیکن امامت علیؑ ہر دونوں طرح کے مشرکین پر شاق تھی۔ ان پر بھی جو کھلے ہوئے مشرک تھے۔ اور ان پر بھی جو چھپے مشرک تھے۔ اور ان مشرکین پر بھی شاق تھی جو بت پرست تھے ان مشرکین پر بھی شاق تھی جو بت پرستوں کی پرستش کرنے والے تھے۔ اور ان مشرکین پر بھی شاق جو بظاہر تصدیق نبوت کرتے تھے۔ ان مشرکین پر بھی شاق تھی جو الٹے رو کے نبیؐ کو تکلیف پہنچاتے تھے ان مشرکین پر بھی شاق تھی جو قطع تعلق کرکے نبیؐ کو صدمہ پہنچاتے تھے۔ ان مشرکین پر بھی شاق تھی جو رشتہ جوڑ کر آپؐ کو صدمہ پہنچاتے تھے۔ ان مشرکین پر بھی شاق تھی جو قرآن کے دشمن تھے۔ اور ان مشرکین پر بھی شاق تھی جو حَسۡبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ۔ کہنے والے تھے۔

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔ خدا جسے چاہتا ہے۔ منتخب کر لیتا ہے۔ دنیا خدا جانے کس نشہ میں کہہ رہی ہے۔ کہ انتخاب اجماع و شوریٰ

کا کام ہے مگر قدرت انکار کر رہی ہے۔
یہ کام بندوں کا نہیں ہے۔ بلکہ خدا کا خود جسے چاہتا ہے اُسے منتخب کر لیتا ہے۔ قاعدہ ہے۔ کہ اپنی سلطنت کے لیے وزرا اور حکام وہی منتخب کرتا ہے جو بادشاہ ہوتا ہے۔ بشرطیکہ صحیح الرائے ہو اور اسے اپنی رائے کی مضبوطی پر اطمینان ہو۔ یا تو وہ بادشاہ جو اپنی ذاتی رائے کو کمزور سمجھتے ہوں۔ وہ انتخاب دوسروں کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ وہ سلطان السلاطین جو سب سے زیادہ جاننے والا، اور سب سے زائد سمجھنے والا ہے اُسے کیا ضرورت ہے۔ کہ وہ دوسروں کے سپرد کرے۔ اپنا کام دوسروں کے سپرد وہ لوگ کرتے ہیں جنہیں یا تو فرصت نہ ہو۔ یا اس سے بہتر دوسرا سرانجام دے سکتا ہو۔ وہ خدا جو کن سے ہزار عالم پیدا کر سکے۔ اور جو عالم الغیب بھی ہو اس سے بہتر کون سرانجام دے سکتا ہے۔ اس لیے اپنی طرف سے اپنے بندوں پر جن کو حاکم بنایا۔ ان کا انتخاب خود کیا۔ جس طرح نبی وہی بن سکا۔ جسے اس نے چاہا۔ اسی طرح امام بھی وہی بن سکتا ہے۔ جسے وہ چاہے اگر حکومت الہیہ اجماع کے سپرد ہو جاتی تو وہی خود غرضی اور ایمان فروشی بلکہ ابن الوقتی حکام الہٰی میں پیدا ہو جاتی جو آج الکشن لڑنے والوں میں ہوتی ہے۔ آپ جہاں چاہیں دیکھ لیں کہ جہاں کثرت رائے سے ممبر منتخب ہوتے ہیں۔ وہ کس قسم کے ممبر ہوتے ہیں۔ اور ان کے کیا مقاصد و حالات ہوتے ہیں۔ جب تک ممبر منتخب نہیں ہو جاتے۔ اگر مسلمانوں کی طرف سے امیدوار ہوتے ہیں۔ تو ان سے بڑا کوئی مسلمان نہیں ہوتا۔

چاہے کبھی سجدہ نہ کرتے ہوں۔ اور اگر ہندؤں کی طرف سے امیدوار ہوتے
ہیں۔ ان سے زیادہ پکا سچا کوئی ہندو نہیں ہوتا۔ لیکن ادھر ممبر منتخب ہو
گئے۔ اب نہ مسلم ممبر میں اس اسلام کا پتہ چلتا ہے۔ نہ ہندو ممبر کی ہندویت ظاہر
ہوتی ہے۔ اس کا نام اگر نفاق نہیں تو کیا ہے۔ ووٹر ان کا جب تک
ووٹ نہیں گذر لیتا۔ اُس وقت تک اُن کی وہ خاطر مدارات، اس قدر
اخوت کا مظاہرہ جس کی حد نہیں۔ ادھر ووٹ گذر گئے۔ اب وہی ووٹر
جسے موٹر پر بٹھا کے لائے تھے تانگہ بھی واپسی کے لیے نہیں ملتا چنانچہ
کسی ایک اخبار میں ایک ووٹر کی حالت شائع ہوئی تھی کہ بیچارہ غربت زدہ
موٹر سے گر گیا۔ لوگوں نے شور مچایا کہ ایک شخص گر گیا موٹر روک لو ور کر
ساتھ لیے جا رہا تھا۔ اُس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا ڈرائیور سے کہا چلو
کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کا ووٹ تو گذر چکا ہے۔ باوجود ان ناشائستہ
حرکات کے، ایسے لوگ الیکشن جیت کے کامیاب بھی ہو جاتے ہیں پھر
سچ بتائیے اگر خدائی عہدے الیکشن کے سپرد ہو جاتے کیا ایسے ہی نالائق
اور خود غرض نفس پرور کا کامیاب ہو جانا ممکن نہ ہوتا۔ اور ایک خدا ترس
ایک صالح کا ناکامیاب ہونا ممکن نہ ہوتا۔ اس قدرت نے اپنے عہدوں
کو اپنے ہاتھ میں رکھا تاکہ جیسے وہ دے ایسے ملے نااہل کامیاب نہ ہو جب
خدا نے اس قدر احتیاط کی کہ آدمؑ کے مقابلے میں سارا گروہ معصومین کا
کا ایک طرف جد جہد کرتا رہا کہ آدمؑ کے بجائے خدائی عہدہ کہیں ملک کو
مل جائے مگر اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کہہ کے بتا دیئے کہ میرا

نہ جدو جہد سے ملے گا نہ اتفاق رائے سے ملے گا نہ دو ٹوں کی کثرت سے ملے گا۔ بلکہ میرا عہدہ تو اسے ملے گا۔ جسے میں دینا چاہتا ہوں۔ جب عہدۂ معصومین کا اجماع الٰہی عہدہ کے بارے میں بیکار ثابت ہوا۔ تو خطا کاروں کا اجماع عہدہ الٰہی کب دے سکتا ہے۔

علاوہ بریں جو لوگ اجماع کو معصوم سمجھتے ہیں۔ وہ ایسے خطا دار ہیں کہ جن کی اس خطا سے بڑھ کر کوئی خطا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ جس مجمع کی ہر ہر فرد کو آپ خطا وار سمجھتے ہیں ان کے اتفاق کو ضروری الصواب کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیشہ مجموعہ تابع افراد ہوتا ہے۔ جیسے افراد ہوں گے۔ ویسا ہی مجموعہ تیار ہو گا۔ اگر افراد کامل ہیں تو مجموعہ بھی کامل ہو گا۔ اگر افراد ناقص ہیں تو مجموعہ بھی ناقص ہو گا۔ اگر دس ہزار اندھے ایک مقام جمع کر دیجیے تو وہ مجموعہ بینا نہ ہو جائے گا۔ اگر لاکھ دس لاکھ بہرے ایک محل پر جمع کیجیے تو وہ مجموعہ سامع نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ کروڑوں گونگے ایک محل پر جمع ہو جائیں لیکن مجموعہ متکلم نہ بن جائیگا۔ اگر کسی مقام پر پانی کی ضرورت ہے اور مٹی بڑھاتے جائیے۔ جس قدر مٹی بڑھتی جائے گی اسی قدر بجائے نفع کے نقصان بڑھتا جائے گا پھر جس سرزمین کو عصمت کی ضرورت ہے۔ اگر خطا داروں کی بھرتی کر دیجیے تو وہاں خطا بڑھتی جائے گی عصمت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب ناقص کا مجموعہ ناقص ہوتا ہے پھر خطا کاروں کا مجموعہ معصوم کیسے بن سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ خطا کاروں کا اجماع جب ہو گا تو یقینی الصواب نہیں ہو سکتا۔ جیسے ممکن ہے کہ

صواب پر رائے ہو اسی طرح ممکن ہے۔ کہ خطا پہ ہو اس لیئے کم از کم جو عہدیدار اجماع سے بنے گا وہ مشکوک ضرور ہوگا۔ شک ہوگا کہ یہ مستحق اس عہدہ کا تھا کہ نہیں۔ پھر ایسا شخص جس کی حقیقت مشکوک ہو وہ انہیں لوگوں کا امام بن سکتا ہے۔ جن کا ایمان خود مشکوک۔ لیکن جس کا ایمان یقینی اس کا امام جب ہو گا تو وہ حق جس کی حقانیت یقینی جس کا افضل الاست ہونا یقینی جس کی عصمت جسکی امارت یقینی جس کی امامت یقینی ہو مشکوک العق اہل ایمان کا امام نہیں ہو سکتا۔

قرآن از ابتدا "تا انتہا دلیل ہے جسے وہ چاہتا ہے۔ اسے منتخب کر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے انتخاب کا معیار کیا ہے۔ اور اس معیار کے لحاظ سے بعد ختم المرسلین کسے منتخب ہونا چاہیئے۔

پہلا معیار انتخاب سب سے اہم یہی ہے۔ کہ جسے خدا منتخب کرے وہی امامت کے لائق قرار پا سکتا ہے۔ جسے قدرت نے مختلف مقامات پر ذکر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ۔ خدا جسے چاہتا ہے اُسے پیدا کرتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے اسے منتخب کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح وصف خلقت اُس کی ذات کے ساتھ مخصوص اور غیر خدا خالق نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وصف اختیار و انتخاب بھی اسکی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور دوسرا انتخاب کرنے والا نہیں قرار پا سکتا۔ واقعۂ آدمؑ ہوتا ہے۔ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ ممکن تھا کہ أَجْعَلُ فِي خَلِيفَةً ارشاد ہوتا ہے مگر اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ میں زمین پر خلیفہ

جعل یہ ہوتا ہے۔ کہ میں ایک بار بنا کے دیتا ہوں۔ لفظ اجعل اس بات پر دلالت کرتا۔ کہ ہمیشہ خدا ہی خلیفہ بنائے گا اس لیے اس نے.... بجائے اجعل کے جاعل کا اعلان فرمایا۔ کہ میں خلیفہ بنانے والا ہوں جس کے معنی یہ ہوئے کہ جسطرح میرے اور صفات ہیں۔ اسی طرح جعل خلیفہ بھی میری صفت ہے۔ اب اگر دوسرا دست اندازی کرے تو شرک ہو جائے گا۔ تیسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین کا خلیفہ مقرر کیا فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْعَدْلِ، لہذا سب لوگوں کا تم عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اس کے معنی یہ ہوئے ہوئے کہ داؤدؑ کو اس وقت عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کی اجازت ہوئی جب خدا کی طرف سے خلیفہ بن لیے قبل خلافت فیصلہ کی اجازت نہ تھی تو عدل اور غیر عدل کیسا۔ اور یہ قاعدہ بھی ہے کہ اگر آپ اپنی سلطنت میں کسی کو حاکم بنائیں اور جو شخص عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا شروع کر دے تو یہ عدل بھی مذموم ہو جائے گا۔ پھر جن لوگوں کو خدا نے خلیفہ نہیں بنایا۔ اگر انہوں نے دنیا والوں کے ساتھ بالفرض عدل بھی کیا تو کم از کم حکومت الہیہ پر ضرور ظلم کیا اس لیے غیر اس کی اجازت کے فیصلہ کرنے کا حق ہی کیا تھا جن کا عدل ظلم بن جائے پھر ان کے ظلم کی کیا حالت ہو گی۔ چوتھے مقام پر ارشاد ہوتا ہے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ کہ خدا ان کو خلیفہ زمین میں بنائے گا کہیں بھی قرآن میں یہ نہیں کہا گیا کہ میرے بجائے تم خلیفہ بنا لو۔ بلکہ جہاں ارشاد ہوتا ہے۔ یہی کہ خدا کا کام ہے۔ خلیفہ بنانا بندوں کا کام نہیں ہے۔ اسی طرح اس محل پر ارشاد ہوتا ہے

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وہ خدا خود جس کو منتخب کرنا چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے۔ جس طرح نبیؐ بلا اس کے انتخاب کے منتخب نہیں ہوسکتا ہے۔ اسی طرح امام بھی بغیر اس کے انتخاب کے منتخب نہیں ہوسکتا۔ اب رہ گیا یہ کہ خدا کیسے منتخب کرتا ہے۔ اگرچہ اس کے نسبت سے شرائط لکھے گئے ہیں۔ مگر خلاصہ سب شرائط کا یہ ہے۔ کہ جو اپنے اہل زمانہ میں سب سے زائد علم رکھتا ہو اور اسی کے ساتھ عمل میں کوئی نقص نہ ہو۔ عمل کی تکمیل مستلزم عصمت ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ جو نظر قدرت میں معصوم اور اعلم اہل زمانہ ہوتا ہے اس کا انتخاب کیا جاتا ہے چنانچہ آدمؑ کا انتخاب اسی معیار پہ ہوا۔ کہ جب عصمت کے ساتھ ساتھ ملائکہ کے مقابلہ پہ علم اسماء میں کامیاب ہوئے۔ تو آپ عہدیدار خلافت قرار پائے اسی طرح یوسفؑ جب عصمت کے ساتھ علم تعبیر رؤیا میں کامیاب ہوئے تو حقدار عہدۂ الٰہی قرار پائے۔ اسی طرح جب حضرت موسیٰؑ عصمت کے ساتھ علم و حکمت میں سرفراز ہوئے تو حقدار عہدۂ الٰہی ہوئے۔ یوں ہی حضرت عیسیٰؑ جب عصمت کے ساتھ علم توراۃ و انجیل کے ماہر ہوئے تو حقدار عہدۂ الٰہی ہوئے۔ جو نبیؐ یا ولیؑ خدا کی طرف سے منتخب ہوا۔ وہ جب عصمت کے ساتھ علم میں بہتر نظر آیا۔ تو مستحق عہدۂ خداوندی ہوا۔ پھر جب معمولی انبیاء بلا علم و عصمت منتخب نہ ہو سکے۔ تو ہمارا نبیؐ خاتم المرسلینؐ جسکی رسالت و نبوت کے سامنے کسی نبیؑ کی نبوت کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ وہ بلا عصمت و علم کیسے منتخب ہو سکتا ہے۔ اس لیے قدرت نے پیغمبرؐ کو وہ بے نظیر عصمت دی کہ آپ کے دامن پہ کبھی ترک اولیٰ

یا دھیہ بھی نہ لگ سکا اور علم وہ علم دیا جو کسی نبی کو نہ ملا۔ اس لیے
کہ اور انبیاؑ کو کسی خاص شئے کا علم دیا گیا۔ لیکن ہمارے نبیؐ کو عَلَّمَکَ
مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ کی رو سے تمام معلومات کا علم دیا گیا۔ کیوں آپ سیدُ
الانبیاؑ تھے۔ اس لیئے خدا نے چاہا کہ آپ کا علم بھی تمام انبیاؑ سے افضل
ہو۔ آپ کی عصمت تمام انبیاؑ سے افضل و اولیٰ ہو۔ معلوم ہوا کہ ہمارے
نبیؐ کا علم و عمل خلق و عصمت تمام انبیاؑ سے کامل تر تھی۔ پھر خلیفہ اور قائم و
مقام کے لیئے ضروری ہے۔ کہ مختلف پیغمبر کے صفات کا آئینہ دار ہو۔ اور فرع،
اصل کی قائم مقام بن کے ویسا کر رہی فائدہ پہنچا سکے۔ جو اصل فائدہ پہنچاتی
تھی۔ پھر ہمارے نبیؐ کا قائم مقام وہی بن سکتا ہے۔ جو علم و عصمت میں
اتنا ہی مکمل ہو جتنا نبیؐ مکمل تھا۔ اسی لیے پیغمبرؐ نے علم علیؑ کو ظاہر کرنے کیلئے
ارشاد فرمایا تھا۔ کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا۔ میں شہر علم ہوں اور
علیؑ اس کے دروازے ہیں جس طرح تمام خوبیاں گھر کے دروازہ میں موجود ہوتی
ہیں۔ اگر۔۔۔۔ گھر اچھا ہے۔ اور دروازہ برا ہو۔ تو گھر کے لئے عیب بن جاتا
ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ دروازہ کے نقش و نگار میں گھر کے نقش و نگار
سے کمی نہ ہو۔۔۔۔ جیسا کہ اچھا گھر ہو۔۔۔۔ ویسا ہی اچھا دروازہ ہو
اسی علیؑ رسولؐ کے لیے بمنزلہ دروازہ تھے۔ یعنی خوبیاں رسولؐ میں موجود وہ
سب علیؑ میں موجود تھیں۔ صرف فرق اتنا تھا کہ جس طرح دروازہ گھر کا جُز
ہوتا ہے۔ اسی طرح رسولؐ کل تھے۔ اور علیؑ جُز تھے۔ یا یہ مطلب ہو کہ
جس طرح گھر کی خبریں ہمیشہ دروازہ ہی سے ملتی ہیں۔ چوری کی بات مصرکے

لیکن اگر رضامندی سے لینا ہو تو دروازے سے لو۔ اسی طرح اگر رسولؐ کے علم کو صحیح اور جائز طریقے سے لینا ہو تو۔ علیؑ کے ذریعے سے حاصل کرو، اگر کسی دوسرے کے ذریعہ سے حاصل کیا اور علم رسول بالفرض مل بھی گیا۔ تو وہ جائز نہ ہوگا بلکہ ناجائز ہوگا۔ بہرحال شہر جس طرح دروازہ حالات شہر کا آئینہ ہوتا ہے اسی طرح علیؑ علمی میرے علم کا آئینہ وہ ہے۔ اور میرا کل علم علیؑ کے پاس ہے۔ یہ تو حدیث تھی قدرت نے بھی دکھا دیا۔ کہ رسولؐ کے بعد علیؑ سے زائد صاحب علم دوسرا نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ پہلے قرآن کی تعریف کی اس میں تمام رطب و یابس موجود ہیں۔ اس لئے علیؑ کو من عندہٗ علم الکتاب کہہ کر بتا دیا کہ جس طرح پیغمبرؐ اپنی حیات میں جمیع معلومات کے عالم تھے اسی طرح بعد پیغمبرؐ علیؑ جمیع معلومات کے عالم ہیں۔ بہرحال علم ایسا کہ خدا مداح نبیؐ گواہ جبرائیل کی شاگردی گواہ بزم احباب گواہ کلمات حکم گواہ قضا گواہ بلکہ ہر ہر بات گواہ اور عصمت ایسی کہ خدا جس کا ذمہ دار بن گیا۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ اے اہل بیت خدا نے بس ارادہ کر لیا ہے کہ تم سے نجاست دور رہے۔ اور یوں پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پنجتن بھی ایک چادر کے نیچے تھے۔ خدا جانے اس چادر میں کونسا جذبہ تھا جس نے سدرۃ المنتہیٰ سے جبرائیل امین کو کھینچ لیا۔ جو خدا سے اجازت لیکر چادر

کے قریب آئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ مجھے اجازت دیں کہ میں چادر کے نیچے حاضر ہو جاؤں۔ یہ نہیں معلوم کہ جبرائیلؑ کو اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی۔ رسولؐ کی وجہ سے اجازت تو بے محل تھی۔ کیوں کہ روزانہ حاضری دیتے تھے۔ علیؑ کی وجہ سے بھی اجازت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کیوں کہ اکثر ساتھ رہتا تھا۔ بچوں کو جھولا جھولایا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت صرف فاطمہ زہراؑ کی وجہ سے تھی۔ فاطمۃ الزہراؑ کے دروازے پر جو ملک بھی آیا اجازت لے کے آیا۔ ملک الموت آئے تو اجازت لے کے آئے۔ جبرائیل آئے تو اجازت لے کر آئے۔۔ حد یہ ہے۔ رسالتمآبؐ آتے تھے تو اجازت لے کے آتے تھے۔ افسوس جس در پر فرشتے اور خدا کا رسولؐ باپ ہو کر اجازت لے کر آئے اور اشقیائے اُمت کربلا میں اس گھر میں درانہ چلے آئیں۔ کیا زمانہ تھا کیا ہو گیا۔ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی پردہ دار عورتوں اور بچوں پر مظالم ہونے لگے اہل عرب ہمیشہ اپنے مقابل سے لڑتے تھے۔ اور عورتوں اور بچوں کو ستانا ناروا سمجھتے تھے۔ خود رسالت مآبؐ جب کسی کو جنگ کے لیے بھیجتے تھے۔ تو ہدایت کر دیتے تھے کہ دیکھو عورتیں اگر گالیاں بھی دیں۔ تو تم انہیں جواب نہ دینا۔ اور کبھی کسی بچے کو نہ ستانا۔ اسی رسولؐ کے بچے میدان کربلا میں کس طرح ستائے گئے۔ جب اصحاب حسینؑ کے قدموں پہ اپنا سر نثار کر چکے اعزا جان دے چکے اور کوئی باقی نہ رہا تو حسینؑ رخصت آخری کے لیے در خیمہ پر آئے کہا بی بیو! حسینؑ کا آخری سلام قبول ہو۔ سیدانیوں سے رخصت ہو کر میدان جنگ آئے آواز استغاثہ بلند کی۔ خیمہ سے

رونے کی آواز آئی۔ امام بادل ناخواستہ در خیمہ پر آئے ابھی کیوں روتی ہو
ابھی تو حسینؑ زندہ ہے۔ جناب زینبؑ نے جواب دیا کہ بھیا آپ کی آواز
استغاثہ سن کر علی اصغر نے اپنے تئیں گہوارہ سے گرا دیا۔ امامؑ بچے کو ہاتھوں
پر اٹھا لیا۔ اس خیال سے کہ کہیں دھوپ سے یہ پھول مرجھا نہ جائے۔
عبا کا سایہ کر لیا۔ اشقیا سمجھے کہ حسینؑ قرآن لیے آرہے ہیں۔ لیکن جب
امامؑ نے عبا کا دامن ہٹایا۔ تو قیامت دیکھی کہ ہاتھوں پر ہونٹ خشک
زبان سوکھی ہوئی پیاس سے مرجھایا ہوا ایک بچہؑ ہے۔ امامؑ نے ایک بلندی
پر جا کے بچہ کو اپنے ہاتھوں پر بلند کیا اور فرمایا کہ اے قوم اشقیا اگر تمہارے خیال
حسینؑ خطا وار ہے۔ تو اس بچے نے تو کوئی خطا نہیں کی ہے اسکی ماں کا دودھ
خشک ہو گیا ہے۔ اسے تھوڑا سا پانی پلا دو۔ آپ تو حسینؑ کے دوستدار ہیں
یہ واقعہ تھا کہ دشمن منہ پھیر پھیر کر رونے لگے۔ ابن سعد نے فوج کی حالت
دگرگوں دیکھی تو حرملہ سے کہا اے حرملہ حسینؑ کا کلام قطع کر دے لو عزیزو
حسینؑ حسینؑ کا کلام قطع کیا جا رہا ہے حرملہ نے چلا کر کمان میں ایک تیر لیا
جوڑ کر مارا کہ اِنْقَلَبَ الصَّبِیُّ عَلٰی یَدِ الْاِمَامِ۔ امامؑ کے ہاتھوں پر
بچہ الٹ گیا۔ امامؑ نے زخم میں چلّو لگا دیا۔ خون لے کر آسمان کی طرف
پھینکنے کا ارادہ کیا تو آواز آئی اے حسینؑ اگر آپؑ نے یہ خون آسمان کی طرف
پھینکا تو پانی نہ برسے گا۔ چاہا زمین پر پھینکیں تو زمین سے آواز آئی
کہ اے حسینؑ اگر اس خون ناحق کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرا۔ تو پھر
اس زمین میں کوئی دانہ نہ اُگے گا۔ آپؑ نے وہ خون اپنے چہرے پر مل کر فرمایا!

بیٹا۔ اب یہ باپ اپنی خون کے ساتھ نانا رسول اللہؐ سے ملاقات کرے گا

انکار آسماں کو ہے راضی زمیں نہیں
اصغر تمہارے خون کا ٹھکانا کہیں نہیں

از سرکار شریعتمدار جناب مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد دام ظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

وَلَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ ؕ

خداوند عالم سورہ رعد میں اپنے علم عام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ ہم ہر شئی کو جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ رحم کے اندر بچہ اور اس حالات سے واقف ہیں۔ جو چیزیں حاضر ہیں اور جو غائب ہیں۔ ان سب کو جانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ سب برابر ہیں۔ جو چھپا کر باتیں کرتے زور سے بولتے ہیں۔ شب کے پردوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ دن کی روشنی میں کام کرتے ہیں اُن سب کی حالت سے بخوبی واقف ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ

ہستی مٹا دیتے ہیں۔ اس وقت خط کی بنیاد پڑتی ہے جب خطوط اپنی ہستی مٹا دیتے ہیں۔ اُس وقت سطح کی صورت ہوتی ہے جب سطحیں آپس میں مل جاتی ہیں۔ اُس وقت جسم بنتا ہے۔ یوں ہی قطرے ظاہر کے موج بنا دیتے ہیں۔ موج فنا ہو کے چادر آب بناتی ہے۔ چادر آب مل کر نہریں اور نہریں جب اپنی ہستی مٹا دیتی ہیں۔ تب دریا بنتا ہے۔ یہ دریا کبھی ایک جگہ میں نہیں رہتا۔ فیض رساں طبیعت بے چین کرتی ہے۔ ہر زمین کو سیراب کرکے اور ہر جگہ سے ہو کے نکلو کنوئیں کی حیثیت اور ہے۔ کہ ہر خواہشمند کو اپنے پاس بلاتا ہے۔ اور دریا کی حیثیت اور ہے کہ وہ ہر پیاسے کو خود ڈھونڈتا ہے۔ یہاں تک کہ اس تلاش میں وہ منزل قریب ہو جاتی ہے جب بچھڑے ہوئے بغل گیر ہو جائیں۔ اور دو دریا قریب ہو جائیں وہ مقام دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ جب دو دریا تیزی کے ساتھ ملنے کو بڑھیں اور دونوں کا سنگم ایک ہو جائے زبان نہ ہو۔ مگر صورت بتاتی ہے کہہ نہ سکیں۔ مگر حالت بتاتی ہے۔ کہ مل جانے کی بہت مسرت ہے۔ اور بے حد خوشی ہے۔ قطرے قطروں سے موجیں موجوں سے گرداب گرداب سے اس طرح ملتے ہیں جس طرح کوئی مدت کا دوست گلے مل جائے یونہی ایک سے ایک ملتا ہے۔ آخر اس حد فنا کے قریب آ ملتا ہے۔ جہاں وجود سے عدم ہستی سے نیستی کی منزل ہمکنار ہے۔ اور جو تمام دریاؤں کی زندگی کا آخری لمحہ ہے۔ یعنی وہ کنارہ جس کو طے کرکے دریا سمندر میں گریں۔ اور اس ناپائیدار ہستی میں فناہ ہو جائیں۔ جس کو

وَّمِنْ خَلْفِہٖ؛

ہر انسان کے واسطے کچھ فرشتے ہیں جو سامنے ہیں۔ اور اس کے پشت پر بھی یہ فرشتہ خدا کے حکم سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ؛ یقیناً خداوند عالم کبھی اُن نعمتوں کو نہیں بدلتا جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہیں جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدلے یہ آیت ہے جسے اس وقت میں آپ حضرات کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس مسئلہ کی پہلی منزلت یہ ہے کہ ذات خالق کچھ ہے یا نہیں۔ اس کے بعد دوسری بحث یہ ہے۔ کہ ذات خالق ہر شئی کی عالم ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق کلام کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا۔ اس وجہ سے کہ جو اس بات کو مانتا ہے۔ کہ عالم کا کوئی خالق ہے۔ اور اسے بھی مانتا ہے۔ کہ وہ خلق کرنے میں مجبور نہ تھا۔ بلکہ اس نے اپنے اختیار و ارادہ سے تمام چیزیں خلق کیں وہ یہ بات ماننے پر مجبور ہے کہ خالق عالم ہر بات کا عالم ہے۔ کیوں کہ جو کسی چیز کو جانتا نہ ہو اس شئی کو بنا نہیں سکتا یہ بالکل ظاہری بات ہے۔ کہ آپ جس بات کو نہیں جانتے وہ نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی کام آپ نے اپنے اختیار و ارادے سے کر دیا تو ماننا پڑے گا۔ کہ آپ اس کام سے واقف تھے لہٰذا وہ خالق جس نے اتنی مخلوق پیدا کی جس کا شمار اس کی ذات کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اور وہ چیزیں بنائیں جن کی حقیقت و ماہیت انسانوں کے فہم و گردہ بھی نہ سمجھ سکے اور وہ

انتظام قائم کیا جو ہزاروں لاکھوں برس گزرنے کے بعد ایک حالت پر قائم رہیں۔ جس کے سمجھنے میں ادراک بیکار اور عقل نارسا ایک سلسلہ ہے۔ ایسا وسیع جو در حقیقت تو فنا ہی ہے۔ مگر ہماری عقلوں کے نزدیک لامتناہی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر ہے عقل کام نہیں کرتی کب سے ہے اور بیکار ہے کب تک رہے گا۔ ایک ایک معمولی شئی جب اس کی تلاش میں قدم بڑھائے تو مدتوں کی تحقیق کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ دنیا کی بے شمار چیزوں میں ایک دریا ہی کو دیکھ لیں اور اس کے انتظام کے سلسلہ کو دیکھیں تو ایک ایک قطرہ .... اور اس کی ایک ایک موج آپ کو بتائے گی کہ اس کا بنانے والا کس قدر صاحب علم ہے۔ اور اس کے علم کی انتہا کتنی ہے۔ آپ بیٹھ جائیں گنگا کے کنارے مگر نہ اس لیے کہ صبح بنارس دیکھیں اور نہ اس لیے کہ شام اودھ بلکہ صرف اس لیے کہ خالق کی قدرت دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ ایک وسیع سلسلۂ قدرت ہے۔ جو بے حد پانی کی چادروں کو لپیٹتا ہوا اس طرح لے کر جا رہا ہے۔ جہاں زمین میں نشیب ہے اور وہی قدرت اس بہتے پانی کو وہاں لے کر پہنچتی ہے جہاں فنا کا دامن وسیع ہے۔ سب سے پہلے قطرہ بنتے ہیں۔ اُن کے میل سے موجیں ان کے اتحاد سے چادریں۔ چادروں کے اتفاق سے دریا۔ پھر مختلف دریا آپس میں ملتے جاتے ہیں۔ اور ایک ایک سے ہر شئی بغل گیر ہوتا جاتا ہے۔ مگر اس اتفاق و اتحاد اور اس میل و ملت میں ہر شئی اپنی ہستی کو فنا کر دیتی ہے۔ اس وقت دوسری شئی کی بنیاد پڑتی ہے۔ جس طرح نقطہ جب اپنی

ان دریاؤں سے الگ ہونے کا غم نہ تھا۔ اور مل جانے سے خوشی نہ ہوئی بس یہاں تک قدرت نے دیکھا کہ جہاں دریا سمندر میں گرا۔ کچھ تھوڑی موجوں میں تلاطم پیدا۔ کچھ تھوڑے گرداب چکر میں آ گئے۔ کچھ پانی کی چادروں میں شقیں پڑیں۔ بجنسہ اسی طرح جس طرح آخری وقت بیمار کی سانسوں میں تلاطم ہو۔ دل کی حرکت تیز ہو جائے جسم کی رگیں کھینچنے لگیں۔ مگر اس کا نتیجہ ایک ابدی سکوت میں پس یونہی دریا سمندر سے ملنے کے بعد کچھ تھوڑی دوڑ بھاگ آئی اور پھر سکوت کا پرمول عالم جہاں دریا کی ہستی کا پتہ نہیں۔ یہ گنگا کی انتہائی منزل جہاں عقل کی رسائی ختم ہے۔ کہ کیوں کر یہ پانی ختم ہو گیا اور کہاں اس نے اپنی ہستی مٹائی۔ اب اگر ابتداء کو دیکھیں تو آپ کو بہت صحرا طے کر کے بہت سی آبادیاں گزارنے کے بعد بہت سی وادیاں قطع کر کے ہمالیہ کے قریب پہنچنا ہو گا۔ جب انتظام قدرت ڈھونڈے تو آپ کو پتہ چلے گا۔ پتھر میں راستہ پیدا کر کے پہاڑوں کے دامن کو چاک کر کے پانی کے قطرے نکل نکل کر آبشار کی شکلیں قائم کر رہے ہیں یقیناً انسان کی حیرت اور بڑھے گی کہ کہاں پتھر اور کہاں پانی یہ کیا کرشمہ ہے جب اس کی تلاش میں آپ آگے بڑھیں گے۔ تو آپ کو ہمالیہ کی تین تین میل بلند چوٹیاں اتنی برف سے ڈھکی ہوئی ملیں گی۔ جس کا وزن کرنا آپ کے امکان سے باہر ہو گا۔ حسین منظر آپ کی آنکھوں میں ٹھنڈک کرنے پیدا کرنے کے ساتھ ہی۔ دلوں کا نور بڑھا دے گا۔ جب آپ تصور کریں گے کہ قدرت لاثانی ہے یہ برف کس کارخانہ میں بنی۔ کتنی مشینوں نے اسے درست کیا۔ اتنی

بلندی پر پانی کیوں کر آیا۔ جس سے کروڑوں من پانی درست ہوئی۔ تھوڑی دیر
غور کرنے کے بعد آپ کی عقل خود بتائے گی کہ پانی بلندی کے اوپر ٹھہر نہیں سکتا
اگر ایک قطرہ بھی ہو تو اپنے مرکز کو ڈھونڈتا ہوا نشیب کی طرف ڈھلک
جاتا ہے۔ جب وہاں بھی بے چینی کم نہیں ہوتی تو زمین میں اپنی ہستی کو فنا
کر کے خشک ہونا گوارا کرتا ہے مگر مرکز سے الگ رہنا پسند نہیں کرتا۔ پھر
اتنا پانی کہاں سے آئے گا۔ کہ جس سے گنگا بہے۔ اور ہمالیہ کی فلک بوس چوٹیاں
برف کا لباس پہن کر خلعت شاہی کا شکریہ ادا کریں۔ لہذا معلوم ہوتا ہے
کہ یہ آسمان کے دیئے ہوئے تاج ہیں۔ جو آفتاب کی کرنوں سے جگمگا
کر اپنی جواہر کاری کو ظاہر کر رہے ہیں جب یہاں تک آپ کی عقل بلند ہو گئی۔
تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہی برف ہے جو بادلوں میں روئی کے گالوں کی طرح
فضاء عالم میں برستی رہتی ہے۔ اور مقامات پر زمین سے پیدا شدہ گرمی
اس کو پگھلا دیتی ہے۔ مگر پہاڑوں کی چوٹیوں اس قدر گرمی نہیں ہوتی۔ لہذا
وہ برف کے گالے اور ٹھنڈک پا کے سخت ہو جاتے ہیں جس سے پہاڑ کی
چوٹیاں برف کی سلوں سے ڈھک جاتی ہیں۔ آفتاب کی شعاعوں سے
پگھل پگھل کر قطرہ اور قطرے سے نہریں۔ اور نہروں سے آب شار کی
شکل میں بہہ نکلتے ہیں۔ جب یہاں تک آپ کی فہم مدد کر چکا اب یہ فکر
پیدا ہوگئی کہ یہ ہوا میں کہاں سے آتا ہے۔ جو برف ان ہواؤں سے
مرکب ہیں جن میں ایک کا نام آکسیجن اور دوسرے کا نام ہائیڈروجن
جب کیمیائی طریقے سے آپ پانی سے اجزاء کو علیحدہ کریں۔ تو اس سے بھی

دو ہوائیں پیدا ہوں گی۔ اور جب دونوں ہواؤں کو کیمیائی طریقہ سے ملا جائے تو پھر پانی بن جائے گا۔ اس وجہ سے جب سمندر کے پانی پر آفتاب کی تیز دھوپ پڑتی ہے۔ تو پانی کے اجزا ہوا بن بن کے اڑتے ہیں۔ اور جب یہی ہوا جسے بخار کہیئے سرد ہوا میں پہونچتی ہے۔ تو پھر اس سے پانی بنتا ہے۔ اور برف کے گالوں کی شکل میں ہمالیہ کی چوٹیوں پر گرتا ہے۔ وہاں تیز ٹھنڈک پا کے سلوں کی صورت میں جم جاتے ہیں۔ اور آفتاب کی گرمی پا کے پگھل پگھل کر بہنا شروع ہوتا ہے۔ اس سے گنگا کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور وہی پانی ایک ہزار پانچسو ستر میل طے کر کے پھر اسی سمندر میں ملتا ہے۔ جہاں سے بخار بن کر ابھرا تھا۔ یہ ایک سلسلہ قدرت ہے اور ایک انتظام عالم کا کرشمہ ہے اور ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ کہ کیوں کر دورہ قائم ہے۔ کہاں سے ابتدا ہے اور کہاں سے اسکی انتہا ہے۔

یہی انتظام کا بے نظیر سلسلہ جو گنگا کے پانی میں نظر آیا۔ یہی بعینہٖ ہر شئے میں درخت میں یہی صورت زمین میں ہے۔ تو یہی حالت انسانوں میں ہے تو یہی نوبت خود قرآن میں ارشاد ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ہم نے تم زمین سے خلق کیا۔ اور اسی زمین میں پلٹائیں گے۔ اور پھر دوبارہ اسی زمین سے نکالیں گے۔ کہاں وہ لوگ جو معاد جسمانی کے قائل ہیں اور کہتے ہیں جب انسان مرگیا تو عذاب و ثواب جو کچھ ہے وہ روح پر ہے۔ جسم پر نہیں ہے۔ اور نہ جسم قیامت میں زندہ ہوگا۔ آئیں اور پہلے ایک نظر آیت پر

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ہے تا اُس کی تشریح کہ انسان زمین سے خلق ہوا۔ اور فِیْهَا
نُعِيْدُكُمْ پھر اسی سے تم کو دوسری مرتبہ نکالیں گے۔ اب تو ان کا
انکار نہ کیجیے کہ قیامت میں جسم زندہ نہ ہوگا۔ کیوں کہ اگر صرف اگر روح
کا ذکر ہوتا۔ تو تمام دنیا کو علم ہے۔ کہ انسان کے مرنے کے بعد روح قبر
میں نہیں جاتی۔ اور مٹی میں نہیں ملتی۔ اور روح بھی مٹی کی طرح خاک میں مل
جاتی۔ تو یہ کہا جاتا کہ یہاں آیت میں جس شئے کا دوبارہ زمین سے دوبارہ
نکالنے کا حکم ہے وہ روح ہوگی۔ لیکن جب روح مٹی نہیں بنتی۔ تو معلوم
ہوا۔ کہ جو شئے زمین سے نکلے گی۔ وہ جسم ہی ہوگا۔ اب تو ماننے کا کہ قیامت
میں جسم و روح دونوں ہی ہوں گی۔ اور پھر یہ آیت بتاتی ہے کہ قیامت
کے دن یہی جسم ہوگا۔ کوئی اور نہ ہوگا۔ کیوں کہ خلق کرنا اور ہے نکال لینا
اور ہے۔ ایک دوا جو تیار شدہ کسی مقام پر نہیں ہے۔ اس کے واسطے
آپ کیا حکم دیں گے۔ کہ بنا دو۔ اور جو دوا پہلے سے تیار کر کے کسی بوتل میں
بھری گئی ہے۔ اس کے واسطے آپ کیا فرمائیں گے۔ کہ نکال لو۔
پھول بنانا اور ہے۔ اور پھول سے عرق نکالنا اور ہے۔ بلکہ یوں عرض
کروں کہ روح خلق کرنا اور ہے۔ اور جسم سے روح نکال لینا اور ہے
بس یہی صورت اس آیت میں بھی ہے کہ پہلے مقام پہ ارشاد ہوا تھا۔
مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تم کو زمین سے خلق کیا۔ تمہاری ہستی کچھ نہ تھی
تم کو زمین سے بنایا۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ
اور پھر دوبارہ تم کو اسی زمین سے نکالیں گے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ قیامت میں

دوسرا جسم نہیں بنے گا۔ ارشاد ہوتا کہ پھر دوبارہ تم کو خلق کریں گے
مگر یہ نہیں فرمایا بلکہ ارشاد ہوا کہ تم کو زمین سے نکالیں گے تو معلوم
ہوا کہ جسم وہی ہوگا البتہ نکالنے کی صورتیں دو ہوتی ہیں ایک یہ کہ
کوئی شئے کسی مقام پر رکھی ہے اور آپ نے اوسے نکال لیا۔ مثلاً
خزانہ کہیں دفن تھا آپ نے زمین کھودی اور نکال لیا نہ جستجو کی ضرورت نہ
ہوئی۔ تلاش کی ایک جگہ سے مل گیا اور دوسری صورت یہ کہ پھول
سے عرق نکالا عرق ایک جگہ پر نہیں تھا بلکہ ہر ہر رگ میں متفرق تھا
آپ نے اس طرح اس کو نچوڑ لیا کہ عرق سارا نکل آیا اور پھوک
وہیں کا الگ ہو گیا۔ جسم سے روح یوں ہی نکلتی ہے۔ جو جسم میں پھیلی
ہوتی ہے۔ اوس کے نکالنے میں جسم یوں ہی نچڑ جاتا ہے جس طرح پھول
عرق نکالتے ہیں اسی وجہ سے روح کہتی ہے کہ اس جسم کے ساتھ ندی
کرنا کیوں کہ میں جس رگ سے الگ ہوئی اوسے توڑ کے نکلی تو اب
امر تحقیق طلب ہے۔ انسانوں کے جسم جو قیامت کے دن نکلیں گے
ویسے نکلیں گے جیسے زمین سے خزانہ یا یوں نکلیں گے جیسے پھول سے
عرق ایک صورت تو یہ ہے کہ جس قبر میں انسان دفن ہو گیا اوس قبر سے
مسلم جسم نکل آیا اور دوسری صورت یہ ہے کہ جسم خاک ہوا اور خاک ہو
کے دنیا بھر کی خاک میں متفرق ہو گیا۔ مگر اون کو جمع کر کے پھر جسم بنایا گیا تو
مرا خیال یہ ہے کہ دونوں طرح سے جسم نکلیں گے۔ بعض وہ ہوں گے جو
اپنی اصلی حالت پر قبر میں موجود ہوں گے اور بعض وہ ہوں گے جو سڑ گل

کے متفرق ہو گئے ہوں گے۔ جو اجسام متفرق ہوں گے۔ اس کا تجربہ آپ کو روزانہ خود ہوتا رہتا ہے نہ معلوم کس قدر زمانہ پیشتر وہ جسم ہوں گے جو کبھی آپ کی گود میں تھے۔ پہلو میں تھے۔ مگر جو آپ ہی نے اپنے ہاتھوں سے زمین کی نذر کر دیا۔ اور اس کے بعد ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی اتفاق کی وجہ سے قبریں کھل گئیں وہ گوشت خاک تھا۔ وہی ہڈیاں مٹی تھیں اب پتہ بھی نہیں چلتا کہ قبر کی مٹی کون سی تھی اور جسم کی مٹی کون سی ہے اب رہے وہ اجسام جو بعینہ اپنی حالت پر موجود رہیں گے۔ وہ انبیاء اوصیا آئمہ اور اس کے بعد اولیاء خدا کے اجسام ہیں۔ انبیاء اور آئمہ کی بڑی منزلت ہے جو ایمان والا کسی ذریعہ سے محبت و ولایت خدا کے درجہ پر پہونچ جائے زمین کی مجال نہیں ہے کہ اس کے جسم کو خراب کر سکے یا گلا سکے بہت زائد مدت نہیں گذری ہے۔ چند برسوں ہی کا واقعہ ہے جب دجلہ کے کنارے سے حذیفہ یمانی اور عبد اللہ ابن جابر کے جسموں نے تیرہ سو برس کی مدت کے بعد سالم نکل کے بتایا تھا کہ ہمارے جسم اس قابل نہیں ہیں کہ زمین اون کو مٹا سکے اور ابھی چند روز قبل جنگ موتہ کے ایک دو نہیں سو شہیدوں کی میتوں نے صحیح و سالم نکل کے سمجھایا جب ہم نے اپنے جسم خدا کی بارگاہ میں نذر کر دیئے تو اب زمانہ کی گردشیں لیل و نہار کی آمد و رفت ہمارے جسموں پر اثر نہیں کر سکتیں جس طرح ہمارے نام و تذکرہ اس وقت تک باقی رہیں گے جب وقت تک اسلام کا نام باقی ہے اسی طرح ہمارے بے روح جسم خاک قبر میں اس وقت تک سالم

رہیں گے جس وقت تک قیامت آ کے زمین کا تختہ پلٹ نہ دے یہ دلیل ہے اس کی جس طرح تیرہ سو برس کی مدت ان جسموں کو گلا نہ سکی۔ اوسی طرح آئندہ صدیاں بھی مٹا نہ سکیں گی بس آپ نے سطح نظر سے دیکھنے والے عقل سے کام لیتے نہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ تمہارے امام اس وقت تک کیوں کر زندہ ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے روح وہ شئے ہے کہ جو جسم کی نرمی رکھتی ہے سڑنے سے محفوظ رکھتی ہے اور جب وہی روح نہیں رہتی تو جسم سخت ہو جاتا ہے کہنہ ہو جاتا ہے گل جاتا ہے تو پھر جب بے روح جسم خدا کی قدرت سے تیرہ سو برس رہیں تو وہ جسم جس میں روح انسانی روح ملکی روح امامت ایک ساتھ کام کر رہی ہوں اوس کے بقاء حیات میں کیا تعجب ہے لہذا انکار نہ کیجئے کہ زندہ نہیں رہ سکتے بہرحال اس تمام سلسلہ سے معلوم ہوا کہ جسموں کا قبروں سے نکلنا دونوں طریقوں سے ہوگا۔ اب اگر آپ یہ فرمائیں کہ جب خاک کے ذروں میں جسم کے ذرہ مل گئے تو منتخب کیوں کر ہونگے تو بے شک یہ انتخاب آپ کی نظر کے واسطے مشکل ہے لیکن خلاق عالم کی نظر وہ نہ پہچانے یہ تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہمارے فہم کی کمی یہ ہے کہ ہم خالق کی ہر بات کو اپنی باتوں سے قیاس کر کے سمجھنا چاہتے ہیں یہ کام ہم نہیں کر سکتے تو خدا بھی نہیں کر سکتا۔ یہ بات ہم سے نہیں ہو سکتی تو خدا سے بھی نہیں ہو سکتی۔ مگر قیامت یہ ہے کہ اگر وہ آپ ہی کی طرح ہوتا تو بندہ ہی نہ ہوتا پھر خدا کیوں ہوتا آپ کیا اور آپ کی ہستی کیا آپ کا علم کیا اور آپ کی قدرت کیا مگر نہیں جو ہمیں نہیں معلوم وہ خدا کو بھی نہیں معلوم

جسے ہم نہیں پہچانتے اوسے خدا بھی نہیں پہچانتا۔ اے جناب اس میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ انسان ہیں اور ضرور ہیں مگر آج تک آپ اپنے ہی کو نہیں جانتے تو پھر تو کہئے کہ خدا بھی نہیں جانتا تو اگر جانتا نہ تھا تو بنایا کیوں کر حد یہ ہے کہ آپ تو اس قدر بھی نہیں پہچانتے جس قدر جانور پہچانتا ہے کم سے کم جو جانور کو پالتا ہے اوسکو وہ پہچان لیتا ہے جو کھانا دیتا ہے اوس کو پہچان لیتا ہے جو اوس سے محبت کرتا ہے اوسکو پہچان لیتا ہے مگر آپ نے آپ کو نہ پہچانا اپنے رزق دینے والے کو نہ پہچانا اپنے محبت کرنے والوں کو نہ پہچانا خیر جانے دیجئے ان لوگوں کو آپ ہی کے گھر میں بہت سے جنگلی جانور ایسے آتے ہیں آپ لاکھ غور کریں کہ اس جانور میں اور اس جانور میں فرق کیا ہے آپس میں امتیاز کیا ہے تو کچھ سمجھ میں نہ آئیگا لیکن کوئی امتیاز نہیں کوئی شناخت نہیں تو وہ جانور خود آپس میں ایک دوسرے کو کیونکر پہچانتے ہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کی قوت شناخت جانور سے بھی کم ہے۔ لہذا اگر آپ نہ پہچان سکیں کہ قبر کی مٹی میں جسم کے ذرے کس قدر ہیں تو فرمائیے کہ خدا بھی نہیں پہچانتا۔ دیکھئے آپ نے کبھی ملاحظہ فرمایا ہے کہ معدن سے سونا کیونکر نکلتا ہے۔ یہ صورت نہیں ہوتی کہ کھودا اور سونے کے ڈلے نکلے اور لے آئے جی نہیں وہ مٹی ہوتی ہے جس میں سونے کے ذرات اس طرح ملے ہوتے ہیں جیسے بالو میں چمک دار ذرے مگر ان ذروں کی شناخت کیسے ہوتی ہے اوسے جس کی آنکھوں میں بصارت ہو لیکن اگر آنکھوں میں نور ہی نہ ہو یا کمزور ہو تو پھر وہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس مٹی میں سونے

کا قدہ کون سا ہے۔ مگر اس کمزور بصارت والے کو یہ حق نہیں ہے کہ آپ پر اعتراض کرے کہ میں نہیں دیکھتا کہ تم کیوں کر دیکھ لوگے ہرگز نہیں بس یوں آپ کی بصارت معدن کی مٹی میں سونے کے ذرے پہچان لیتی ہے اور نگاہ قدرت خالق ہر مٹی میں جسم کے ذرہ پہچان لیتی ہے۔ یہی تو سمجھانا تھا۔ جو حضرت ابراہیم نے تمنا کی تھی رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی اے میرے رب مجھ کو دکھا دے کہ تو مردوں کو کیوں کر زندہ کرتا ہے خدا نے حکم دیا کہ چار جانور لو اور ان جانوروں کو ذبح کرکے ان کا گوشت و استخوان قیمہ قیمہ کرکے اور ذرہ ذرہ کرکے ملا دو جناب ابراہیم نے ایسا ہی کیا اور یوں کوٹ ڈالا کہ اب گوشت کے ذروں کا استخوان سے الگ کرنا اور پوست کو گوشت سے امتیاز دینا نظر انسان کا کام نہ تھا اب حکم آیا کہ ان کے ریزوں کو مختلف پہاڑوں پہ رکھ دو اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی صرف سر جانوروں کے حضرت ابراہیم کے پاس تھے اور سلے ہوئے۔ جانوروں کے گوشت مختلف پہاڑوں پر تھے خلیل دیکھ رہے تھے اور حکم قدرت امتیاز کر رہا تھا یکایک گوشت کے ریزے پہاڑوں سے اوترے اور دوش ہوا پر بلند ہوئے اور کوئی چننے والا تھا نہ کوئی الگ کرنے والا تھا بلکہ خود ہوا کے جھونکے جو خاک کے ذروں کو پراگندہ کر سکے نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں آج ادئی تفرقہ امتیاز جھونکے امتیاز دلانے کا کام دے رہے تھے امواج ہوا کی لطیف انگلیاں حکم خدا نافذ کر رہی تھیں پھیلے ہوئے ذرے الگ ہوئے پھر اپنا اپنا جوڑ ڈھونڈھا استخوان کا

استخوان میں گوشت کا ذرہ گوشت میں متحد ہوا قیامت تھی اور زمین سے خلقت پانے والے موج ہوا پر کروٹیں لے رہے تھے وہی خالق جس نے ماں کے بطن میں خلقت کا لباس پہنایا تھا آج ہوا کے کھلے ہوئے دامن میں قبائے وجود پہنا رہی تھی اور درست ہوا منزل عدم سے مکان وجود میں لا رہے تھے۔ یہاں تک کہ خلیل خدا کے نگاہوں کے سامنے جسم جانوروں کے درست ہو گئے حکم راستہ بتاتا ہوا وہاں لایا جہاں سروں کا حصہ موجود تھا۔ جناب ابراہیم ایک جانور کے سر سے دوسرے کے جسم کو ملا دیتے مگر جانوروں کے جسم بے سروں غیرت پہچان کے اپنے ہی سر کی طرف جھکتے تھے یہ وہ اعجاز خلیل تھا جس نے بتایا کہ جس خالق کی نگاہ نے گوشت کے ذرہ پہچان لئے وہی خاک کے ذرہ الگ کرلے گا۔ آپ نے کس دن خاک چھانی جو آپ سمجھ سکتے کہ جسم کی مٹی میں کوئی علامت ہے ایسی جو خالص خاک سے ممتاز کر دے مگر وہ جس کا علم عین ذات اوس کی نگاہ میں ہر ہر ذرہ لہذا اوس کو امتیاز آسان ہے وہ جس وقت چاہے گا تو جسموں کی مٹی الگ کرے گا۔ اور بعینہ اوس انداز سے جس طرح پانی کی حقیقت بتا چکا کہ سمندر سے ہوا بن کے چلا زمہریر میں پہونچ کے برف بنا پہاڑوں پہ آ کے پانی بنا وہاں سے دریا بن کے چلا اور دنیا کو فیض پہونچانے کے بعد پھر اوسی سمندر میں پہونچا۔ جہاں سے اوسکی ابتدا ہوئی تھی اب پھر بخارات اٹھیں گے اور پھر یہی سلسلہ جاری ہوگا آپ کی کمزور اور ظاہری نگاہ بھی بتانے پہ تیار ہوگی کہ دریا کا پانی موجود کہاں وہ تو سمندر میں فنا

ہو گیا۔ مگر نگاہِ ایمان بتائیگی کہ ہم نہ جانیں تو نہ سہی لیکن بہت ممکن
ہے وہی قطرہ جو دریا نے لاکے ڈالے تھے۔ سمندر سے بخار ہو کے
اٹھے ہوں اور انہیں سے پھر یہ پانی بنا ہو تو یہ آیت کی ایک مثال ہوگی
مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ
اوس سے تم کو خلق کیا اوس میں ہم پلٹائیں گے تم کو اور پھر اوس سے تم کو
نکالیں گے تو جہاں اس انتظام قدرت کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب
سمجھ میں آیا وہاں آیت پر نظر کرتے ہوئے تناسخ کا بطلان ثابت ہوا جو
لوگ تناسخ کے قائل ہیں اور آواگون کو حق سمجھتے ہیں قرآن اون کی رد کر رہا
ہے میں چند جملوں میں اسے بیان کر دوں کہ تناسخ کا مطلب ہے۔ کیا
اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ہم کو خلق کیا اور دنیا میں آکر
اچھے برے کام سب ہی کچھ کئے تو اب ان کی جزا کوئی ہونی چاہیے جو
لوگ اچھے ہیں اون کا کوئی انجام ہو جو اشخاص گناہ کریں ان کی کوئی
سزا ہو اس سزا و جزا کے واسطے وہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے
جو شخص اچھا کام کرتا ہے اوسکی روح مرنے کے بعد دوبارہ پھر
دوسرے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور یہاں اوس روح کو اوس کے گذشتہ
زندگی کی بہترین کاموں کی عمدہ سے عمدہ جزا دی جاتی وہ شخص اس
دوسری زندگی میں راحت سے آرام سے بسر کرتا ہے اب اگر اس زندگی
میں بھی اوس نے عمدہ کام کئے تو پھر تیسری زندگی بھی بہتر گذرےگی
اور اگر برے کام کئے تو اب کی مرتبہ اوس کی روح ایسے جسموں میں

ڈالی جائے گی جہاں اوس کو اذیت و تکلیف ملے اسی کا نتیجہ ہے کہ کبھی
آدمی کی روح جانور میں کبھی جانور کی روح آدمی میں ڈالی جاتی ہے
مثلاً زید نے اپنی زندگی برے کاموں میں گذار دی تو اب مرنے کے
بعد ممکن ہے کہ اوس کی روح کسی ایسے جانور میں ڈالی جائے جہاں
وہ انتہائی اذیت سے بسر کرے۔ اب جب کہ جانور بنا اور اس کے
گناہوں کی یہ صورت کفارہ ہو گئی تو اب پھر وہ روح انسان میں آ گئی
اس صورت سے ہمیشہ عذاب و ثواب ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت
آئے۔ میں اسے حق تو نہیں مانتا۔ اور نہ اس طریقہ کی کوئی اصل ہے
لیکن اگر بعض جانور نما انسانوں میں محض خطابی حیثیت سے کہہ ڈالوں
کہ جانوروں کی روحیں کام کر رہی ہیں تو مناسب ہو گا ممکن ہے۔ کہ
پہلے آدمی ہوں برے کام کر کے بیل بنے وہاں گناہوں کا کفارہ ہوا
اب دوبارہ جو انسانی صورت میں آئے تو ظاہر لیٹا ہر آدمی مگر
مُجُوعُ الْبَقَرِ بَاقِیْ رہی اور کھانے بیٹھے تو سب ہضم یا کبھی بلی میں
روح تھی اب انسانیت کا لباس پہنا تو روباہ بازی سیرت رہی کبھی
بکری کی شکل میں تھے اب کی جو نقل مکان کیا اور آدمی کے نام سے پکارے
گئے تو بز کی شان ساتھ رہی یہ تمام باتیں مہمل ہیں کوئی اصل نہیں واہمہ
کی سب من گڑھت ہے حقیقت اس کی کچھ بھی نہیں قرآن اس کے
خلاف ہے اوس کے آیات کی صدا ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا
نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ ہم نے تم کو خلق کیا اور ہم تو کو

دوسرا جسم نہیں بنے گا۔ ارشاد ہوتا کہ پھر دوبارہ تم کو خلق کریں گے
مگر یہ نہیں فرمایا بلکہ ارشاد ہوا کہ تم کو زمین سے نکالیں گے تو معلوم
ہوا کہ جسم وہی ہوگا البتہ نکالنے کی صورتیں دو ہوتی ہیں ایک یہ کہ
کوئی شئے کسی مقام پر رکھی ہے اور آپ نے اوسے نکال لیا۔ مثلاً
خزانہ کہیں دفن تھا آپ نے زمین کھودی اور نکال لیا نہ جستجو کی ضرورت
ہوئی۔ نہ تلاش کی ایک جگہ سے مل گیا اور دوسری صورت یہ کہ پھول
سے عرق نکالا عرق ایک جگہ پر نہیں تھا بلکہ ہر ہر رگ میں متفرق تھا
آپ نے اس طرح اس کو نچوڑ لیا کہ عرق سارا نکل آیا اور پھوک
وس کا الگ ہوگیا۔ جسم سے روح یوں ہی نکلتی ہے۔ یہ جسم میں پہلے
ہوتی ہے۔ اوس کے نکالنے میں جسم یوں ہی نچڑ جاتا ہے جس طرح پھول
عرق نکلنے میں اسی وجہ سے روح کہتی ہے کہ اس جسم کے ساتھ نرمی
کرنا کیوں کہ میں جس رگ سے الگ ہوئی اوسے توڑ کے نکلی تو اب
امر تحقیق طلب ہے۔ انسانوں کے جسم جو قیامت کے دن نکلیں گے
یوں نکلیں گے جیسے زمین سے خزانہ یا یوں نکلیں گے جیسے پھول سے
عرق ایک صورت تو یہ ہے کہ جس قبر میں انسان دفن ہوگیا اوس قبر سے
مسلم جسم نکل آیا اور دوسری صورت یہ ہے کہ جسم خاک ہوا اور خاک ہو
کے دنیا بھر کی خاک میں متفرق ہوگیا۔ مگر اون کو جمع کر کے پھر جسم بنایا گیا تو
میرا خیال یہ ہے کہ دونوں طرح سے جسم نکلیں گے۔ بعض وہ ہوں گے جو
بہ اصلی حالت پر قبر میں موجود ہوں گے اور بعض وہ ہوں گے جو سڑ گل

کے متفرق ہو گئے ہوں گے۔ جو اجسام متفرق ہوں گے۔ اس کا تجربہ آپ کو روزانہ خود ہوتا رہتا ہے نہ معلوم کس قدر زمانہ پیشتر وہ جسم ہوں گے جو کبھی آپ کی گود میں تھے۔ پہلو میں تھے۔ مگر جو آپ ہی نے اپنے ہاتھوں سے زمین کی نذر کر دیا۔ اور اس کے بعد ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی اتفاق کی وجہ سے قبریں کھل گئیں وہ گوشت خاک تھا۔ وہی ہڈیاں مٹی تھیں اب پتہ بھی نہیں چلتا کہ قبر کی مٹی کون سی تھی اور جسم کی مٹی کون سی ہے اب رہے وہ اجسام جو بعینہ اپنی حالت پر موجود رہیں گے۔ وہ انبیاء اوصیا آئمہ اور اس کے بعد اولیاء خدا کے اجسام ہیں۔ انبیاء اور آئمہ کی بڑی منزلت ہے جو ایمان والا کسی ذریعہ سے محبت و ولایت خدا کے درجہ پر پہنچ جائے زمین کی مجال نہیں ہے کہ اس کے جسم کو خراب کر سکے یا گلا سکے بہت زائد مدت نہیں گذری ہے۔ چند برسوں ہی کا واقعہ ہے جب دجلہ کے کنارے سے حذیفہ یمانی اور عبداللہ ابن جابر کے جسموں نے تیرہ سو برس کی مدت کے بعد سالم نکل کے بتایا تھا کہ ہمارے جسم اس قابل نہیں ہیں کہ زمین ان کو مٹا سکے اور ابھی چند روز قبل جنگ موتی کے ایک دو نہیں سو شہیدوں کی میتوں نے صحیح و سالم نکل کے سمجھایا جب ہم نے اپنے جسم خدا کی بارگاہ میں نذر کر دیئے تو اب زمانہ کی گردشیں لیل و نہار کی آمد و رفت ہمارے جسموں پر اثر نہیں کر سکتیں جس طرح ہمارے نام و تذکرہ اس وقت تک باقی رہیں گے جب وقت تک اسلام کا نام باقی ہے اسی طرح ہمارے بے روح جسم خاک قبر میں اس وقت تک سالم

رہیں گے جس وقت تک قیامت آ کے زمین کا تختہ پلٹ نہ دے یہ دلیل ہے اس کی جس طرح تیرہ سو برس کی مدت ان جسموں کو گلا نہ سکی۔ اسی طرح آئندہ صدیاں بھی مٹا نہ سکیں گی۔ ستا آپ نے سطح نظر سے دیکھنے والے عقل سے کام لیتے نہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ تمہارے امام اس وقت تک کیوں کر زندہ ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے روح وہ شئے ہے کہ جو جسم کی نرمی رکھتی ہے سڑنے سے محفوظ رکھتی ہے اور جب وہی روح نہیں رہتی تو جسم سخت ہو جاتا ہے کہنہ ہو جاتا ہے گل جاتا ہے تو پھر جب بے روح جسم خدا کی قدرت سے تیرہ سو برس رہیں تو وہ جسم جس میں روح انسانی روح ملکی روح امامت ایک ساتھ کام کر رہی ہوں اوس کے بقاء حیات میں کیا تعجب ہے لہذا انکار نہ کیجئے کہ زندہ نہیں رہ سکتے بہر حال اس تمام سلسلہ سے معلوم ہوا کہ جسموں کا قبروں سے نکلنا دونوں طریقوں سے ہوگا۔ اب اگر آپ یہ فرمائیں کہ جب خاک کے ذروں میں جسم کے ذرہ مل گئے تو منتخب کیوں کر ہوں گے تو بے شک یہ انتخاب آپ کی نظر کے واسطے مشکل ہے لیکن خلاق عالم کی نظر وہ نہ پہچانے یہ تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہمارے فہم کی کمی یہ ہے کہ ہم خالق کی ہر بات کو اپنی باتوں سے قیاس کر کے سمجھنا چاہتے ہیں یہ کام ہم نہیں کر سکتے تو خدا بھی نہیں کر سکتا۔ یہ بات ہم سے نہیں ہو سکتی تو خدا سے بھی نہیں ہو سکتی۔ مگر قیامت یہ ہے کہ اگر وہ آپ ہی کی طرح ہوتا تو بندہ ہی نہ ہوتا پھر خدا کیوں ہوتا آپ کیا اور آپ کی ہستی کیا آپ کا علم کیا اور آپ کی قدرت کیا مگر نہیں جو ہمیں نہیں معلوم وہ خدا کو بھی نہیں معلوم

جسے ہم نہیں پہچانتے اوسے خدا بھی نہیں پہچانتا ۔ اے جناب اس میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ انسان ہیں اور ضرور ہیں مگر آج تک آپ اپنے ہی کو نہیں جانتے تو پھر تو کہئے کہ خدا بھی نہیں جانتا تو اگر جانتا نہ تجھکو تو بنایا کیوں کر حد یہ ہے کہ آپ تو اس قدر بھی نہیں پہچانتے جس قدر جانور پہچانتا ہے کم سے کم جو جانور کو پالتا ہے اوسکو وہ پہچان لیتا ہے جو کھانا دیتا ہے اوس کو پہچان لیتا ہے جو اوس سے محبت کرتا ہے اوسکو پہچان لیتا ہے مگر آپ نے آپ کو نہ پہچانا اپنے رزق دینے والے کو نہ پہچانا اپنے محبت کرنے والوں کو نہ پہچانا خیر جانے دیجئے ان لوگوں کو آپ ہی کے گھر میں بہت سے جنگلی جانور ایسے آتے ہیں آپ لاکھ غور کریں کہ اس جانور میں اور اس جانور میں فرق کیا ہے آپس میں امتیاز کیا ہے تو کچھ سمجھ میں نہ آئیگا لیکن کوئی امتیاز نہیں کوئی شناخت نہیں تو وہ جانور خود آپس میں ایک دوسرے کو کیونکر پہچانتے ہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کی قوت شناخت جانور سے بھی کم ہے ۔ لہذا اگر آپ نہ پہچان سکیں کہ قبر کی مٹی میں جسم کے ذرّے کس قدر ہیں تو فرمائیے کہ خدا بھی نہیں پہچانتا ۔ دیکھئے آپ نے کبھی ملاحظہ فرمایا ہے کہ معدن سے سونا کیوں کر نکلتا ہے ۔ یہ صورت نہیں ہوتی کہ کھودا اور سونے کے ڈلے نکلنے اور لے آئے ۔ جی نہیں وہ مٹی ہوتی ہے جس میں سونے کے ذرّے اسی طرح ملے ہوتے ہیں جیسے بالو میں چمک دار ذرہ مگر ان ذروں کی شناخت کیسے ہوتی ہے اوسے جس کی آنکھوں میں بصارت ہو لیکن اگر آنکھوں میں نور ہی نہ ہو یا کمزور ہو تو پھر وہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس مٹی میں سونے

کا قدرہ کون سا ہے۔ مگر اس کمزور بصارت والے کو یہ حق نہیں ہے کہ آپ
پر اعتراض کرے کہ میں نہیں دیکھتا کہ تم کیوں کر دیکھ لوگے ہرگز نہیں بس
یوں آپ کی بصارت معدن کی مٹی میں سونے کے ذرے پہچان لیتی ہے
اور نگاہ قدرت خالق ہر مٹی میں جسم کے ذرہ پہچان لیتی ہے۔ یہی تو سمجھانا
تھا۔ جو حضرت ابراہیم نے تمنا کی تھی رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی اے میرے
رب مجھ کو دکھا دے کہ تو مردوں کو کیوں کر زندہ کرتا ہے خدا نے حکم دیا
کہ چار جانور لو اور ان جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت و استخواں
قیمہ قیمہ کر کے اور ذرہ ذرہ کر کے ملا دو جناب ابراہیم نے ایسا ہی کیا اور
یوں کوٹ ڈالا کہ اب گوشت کے ذروں کا استخوان سے الگ کرنا اور
پوست کو گوشت سے امتیاز دینا نظر انسان کا کام نہ تھا اب حکم آیا
کہ ان کے ریزوں کو مختلف پہاڑوں پر رکھ دو اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی
صرف سر جانوروں کے حضرت ابراہیم کے پاس تھے اور رکھے ہوئے۔
جانوروں کے گوشت مختلف پہاڑوں پر تھے۔ خلیل دیکھ رہے تھے اور
حکم قدرت امتیاز کر رہا تھا یکایک گوشت کے ریزے پہاڑوں سے
اُترے اور دوش ہوا پہ بلند ہوئے اور کوئی چننے والا تھا نہ کوئی الگ کرنے
والا تھا بلکہ خود ہوا کے جھونکے جو خاک کے ذروں کو پراگندہ کر کے نہ معلوم
کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں آج وہی تفرقہ انداز جھونکے امتیاز و اتحاد کا
کام دے رہے تھے امواج ہوا کی لطیف انگلیاں حکم خدا نافذ کر رہی تھیں
پھیلے ہوئے ذرے الگ ہوئے پھر اپنا اپنا جوڑ ڈھونڈھا استخوان کا

استخوان میں گوشت کا ذرہ گوشت میں متحد ہوا قیامت تھی اور زمین سے خلقت پانے والے موج ہوا پر کروٹیں لے رہے تھے وہی خالق جس نے ماں کے بطن میں خلقت کا لباس پہنایا تھا آج ہوا کے کھلے ہوئے دامن میں قبا وجود پہنا رہی تھی اور دست ہوا منزل عدم سے مکان وجود میں لا رہے تھے۔ یہاں تک کہ خلیل خدا کے نگاہوں کے سامنے جسم جانوروں کے درست ہو گئے حکم راستہ بتا تا ہوا وہاں لایا جہاں سروں کا حصہ موجود تھا۔ جناب ابراہیم ایک جانور کے سر سے دوسرے کے جسم کو ملا دیتے مگر جانوروں کے جسم بے سروں غیرت پہچان کے اپنے ہی سر کی طرف جھکتے تھے یہ وہ اعجاز خلیل تھا جس نے بتایا کہ جس خالق کی نگاہ نے گوشت کے ذرہ پہچان لئے وہی خاک کے ذرہ الگ کرلے گا۔ آپ نے کس دن خاک چھانی جو آپ سمجھ سکتے کہ جسم کی مٹی میں کوئی علامت ہے ایسی جو خالص خاک سے ممتاز کر دے مگر وہ جس کا علم عین ذات اوس کی نگاہ میں ہر ہر ذرہ لہذا اوس کو نہایت آسان ہے وہ جس وقت چاہے گا تو جسموں کی مٹی الگ کرے گا۔ اللہ بعینہ اوس انداز سے جس طرح پانی کی حقیقت بتا چکا کہ سمندر سے ہوا بن کے چلا زمہریر میں پہونچ کے برف بنا پہاڑوں پر آ کے پانی بنا وہاں سے دریا بن کے چلا اور دنیا کو فیض پہونچانے کے بعد پھر اوسی سمندر میں پہونچا۔ جہاں سے اوسکی ابتدا ہوئی تھی اب پھر بخارات اٹھیں گے اور پھر یہی سلسلہ جاری ہوگا آپ کی کمزور اور ظاہری نگاہ بھی بتانے پر تیار ہوگی کہ دریا کا پانی موجود کہاں وہ تو سمندر میں فنا

ہو گیا۔ مگر نگاہ ایمان تبائیگی کہ ہم نہ جانیں تو نہ سہی لیکن بہت ممکن ہے وہی قطرہ جو دریا سے لا کے ڈالے تھے۔ سمندر سے بخار ہو کے اٹھے ہوں اور انہیں سے پھر یہ پانی بنا ہو تو یہ آیت کی ایک مثال ہوگی مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى اوس سے تم کو خلق کیا اوس میں ہم پلٹائیں گے تم کو اور پھر اوس سے تم کو نکالیں گے تو جہاں اس انتظام قدرت کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب سمجھ میں آیا وہاں آیت پر نظر کرتے ہوئے تناسخ کا بطلان ثابت ہوا جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں اور آواگون کو حق سمجھتے ہیں قرآن اون کی رد کر رہا ہے میں چند جملوں میں اسے بیان کر دوں کہ تناسخ کا مطلب ہے کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے تم کو خلق کیا اور دنیا میں اگر اچھے برے کام سب ہی کچھ کئے تو اب ان کی جزا کوئی ہوتی چاہیے جو لوگ اچھے ہیں اون کا کوئی انجام ہو جو اشخاص گناہ کریں ان کی کوئی سزا ہو اس سزا و جزا کے واسطے وہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے کہ جو شخص اچھا کام کرتا ہے اوسکی روح مرنے کے بعد دوبارہ پھر دوسرے جسم میں ڈالی جاتی ہے اور یہاں اوس روح کو اوس کے گذشتہ زندگی کی بہترین کاموں کی عمدہ سے عمدہ جزا دی جاتی وہ شخص اس دوسری زندگی میں راحت سے آرام سے بسر کرتا ہے اب اگر اس زندگی میں بھی اوس نے عمدہ کام کئے تو پھر تیسری زندگی بھی بہتر گذریگی اور اگر برے کام کئے تو اب کی مرتبہ اوس کی روح ایسے جسموں میں

ڈالی جائےگی جہاں اوس کو اذیت و تکلیف ملے اسی کا نتیجہ ہے کہ کبھی آدمی کی روح جانور میں کبھی جانور کی روح آدمی میں ڈالی جاتی ہے مثلاً زید نے اپنی زندگی برے کاموں میں گذار دی تو اسے مرنے کے بعد ممکن ہے کہ اوس کی روح کسی ایسے جانور میں ڈالی جائے جہاں وہ انتہائی اذیت سے بسر کرے۔ اب جب کہ جانور بنا اور اس کے گناہوں کی بہ صورت کفارہ ہو گئی تو اب پھر وہ روح انسان میں آ گئی اس صورت سے ہمیشہ عذاب و ثواب ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آئے۔ میں اسے حق تو نہیں مانتا۔ اور نہ اس طریقہ کی کوئی اصل ہے لیکن اگر بعض جانور نما انسانوں میں محض خطابی حیثیت سے کہہ دالوں کہ جانوروں کی روحیں کام کر رہی ہیں تو مناسب ہو گا ممکن ہے کہ پہلے آدمی ہوں برے کام کر کے بیل بنے وہاں گناہوں کا کفارہ ہوا اب دوبارہ جو انسانی صورت میں آئے تو ظاہر بظاہر آدمی مگر مجوعُ البَقَرِ بَاقِيٍ رہی اور کھانے بیٹھے تو سب ہضم یا کبھی بلی میں روح تھی اب انسانیت کا لباس پہنا تو روباہ بازی سیرت رہی یا کبھی بکری کی شکل میں تھے اب کی جو نقل مکان کیا اور آدمی کے نام سے پکارے گئے تو بزدلی شان ساتھ رہی یہ تمام باتیں مہمل ہیں کوئی اصل نہیں وا ہمہ کی سب من گڑھت ہے حقیقت اس کی کچھ بھی نہیں قرآن اس کے خلاف ہے اوس کے آیات کی صدا ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ ہم نے تم کو خلق کیا اور ہم تو کو

پلٹائیں گے اور پھر دوبارہ اس زمین سے نکالیں گے لہذا یہ فرمانا کہ اس زمین سے نکالیں گے اس کی تصریح کر رہا ہے کہ دوبارہ خلق نہیں کیا جائے گا اگر خلق کرنے کی لفظ ہوتی تو آپ شبہ کرتے کہ جس طرح جانوروں یا انسانوں کے بچہ پیدا ہوتے ہیں اور اسے خلق کرنا کہا جاتا ہے اسی طرح جو شخص مرچکا ہے وہ پھر پیدا ہوگا۔ لیکن یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ نُخْرِجُکُمْ ہم تم کو نکالیں گے۔ آیت بالکل صاف دلیل ہے اسکی کہ موت کے بعد حشر و نشر لازم ہے اور قیامت میں اسی جسم کے متفرق ذرہ جمع کرکے جسم بنے گا اور حساب کتاب ہوگا اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وقت آخر یہی آیت ہمارے سید و آقا امیرالمومنین کی زبان مبارک پر تھی جس وقت شب نوزدہم ابن ملجم کی تیغ سے سر مبارک زخمی ہوا اور امین وحی نے آواز دی تَهَدَّمَتْ وَاللّٰہِ اَرْکَانُ الْھُدیٰ

اور یہ آواز سن کر امام حسنؑ اور امام حسینؑ دولت سرا سے نکلے اور مسجد کوفہ میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ وصی رسول کا سر مبارک زخمی ہے خون سے تمام مصلیٰ رنگین ہے امیرالمومنین خاک مسجد اٹھا کر زخم پر ڈالتے ہیں اور بار بار ارشاد فرماتے ہیں مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ لوگ چاہتے ہیں کہ علی کو نماز کے واسطے اٹھائیں مگر علی کا ضعف اٹھنے نہیں دیتا امام حسنؑ سے حکم فرمایا کہ نورِ نظر تم اپنے دوستوں کو نماز پڑھاؤ۔ مجھ میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں۔ امام حسنؑ نے نماز جماعت پڑھائی

اور خود امیرالمومنین نے بیٹھ کر اشاروں سے نماز ادا کی جب نماز ختم ہوئی۔ باپ کا سر زانو پر رکھا عرض کرتے ہیں بابا کس نے آپ کو زخمی کیا فرمایا بیٹیا ابن ملجم نے مجھ کو قتل کیا تم گھبراؤ نہیں ابھی تمہارا ملزم آتا ہے۔ یہ ذکر تھا کہ لوگ گرفتار کر کے ابن ملجم کو سامنے لائے امیرالمومنین کو غش آ گیا تھا۔ امام حسن نے شانہ ہلایا بابا آپ کا قاتل آ گیا۔ امیرالمومنین نے آنکھ کھولی نگاہ اٹھا کے ابن ملجم کو دیکھا فرماتے ہیں ابن ملجم میں جانتا تھا کہ تو میرا قاتل ہے۔ مگر اس کے بعد بھی میں سب سے زیادہ تیرا خیال کرتا تھا۔ سب سے زیادہ تجھ پر نظر رحمت رکھتا تھا۔ کیوں ابن ملجم کیا میں تیرا برا امام تھا۔ یہ سنکر ابن ملجم نے سر جھکایا اور عرض کی کہ یا علی جو جہنم میں جانے والا ہو آپ اسے جنت میں نہیں بھیج سکتے امیرالمومنین کو رحم آ گیا فرماتے ہیں۔ اے حسن اپنے مجرم پہ رحم کرو اس کا چہرہ زرد ہو رہا ہے اس کی آنکھیں کاسہ سر میں ور آئی ہیں نور نظر اگر میں زندہ رہا تو میں جانتا ہوں کہ ابن ملجم کے ساتھ کیا سلوک کروں گا لیکن اگر میں مر جاؤں تو تم بھی اس کو ایک ہی ضربت لگانا اور دیکھو اس کے ہاتھ پیر قطع نہ کرنا تمہارے نانا فرماتے تھے کہ انسان کیا جانور کے بھی اعضاء اور جوارح قطع نہ کئے جائیں۔ عزاداران حسین علی نے ابن ملجم کی سفارش کی اور اس کے اعضا قطع نہ کئے جائیں مگر کوفہ والوں نے انہیں کے فرزند حسین ابن علی سے کچھ ایسا سلوک کیا کہ امام نے زیارت ناحیہ میں ارشاد فرماتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلٰی اَعضَاءِ المُقَطَّعَات

سلام ہو اس پر جس کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ اس وعدے کے استحکام کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے کہ وعدہ اس ذات کا ہے کہ جو کسی کو امید والے کبھی مایوس نہیں کرتی جس نے کبھی کلمۂ صدق کے علاوہ اگر معاذ اللہ کہوں کہ کذب کا استعمال کیا ہو جس طرح جن شرائط کے ساتھ وعدہ ہے ویسا ہو کے رہیگا اس نے وعدہ کیا ہے۔ ہر شخص سے نہیں بلکہ ایک مخصوص گروہ ہے کہ جس کو اس نے منتخب کیا ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو ایمان لائیں گے اور جو اپنے ایمان و عمل میں ثابت قدمی دکھائیں گے کبھی اس کے یہاں قرعۂ انتخاب دولت کی طرف نہیں کھینچا بلکہ مدار انتخاب ایمان اور عمل صالح ہے معلوم ہوا کہ جو عمل صالح کریگا اور ایمان خدا کے ساتھ رکھے گا وہ منتخب بارگاہ احدیت ہوگا اور اسی ترتیب سے انتخاب کریگا۔ غیر اہل ایمان پر اہل ایمان مقدم اور اہل ایمان میں جن کا قدم سابق ہے جادۂ ایمان پر وہ لاحق والوں پر مقدم اور جن کا ایمان ایک درجہ پر ہے ان کی بہ نسبت وہ منتخب

ہوگا کہ جو دو درجوں پر فائز ہے اور دو درجوں پر فائز ہونے والوں میں
منتخب وہ ہوگا جو تین درجہ پر فائز ہے یونہی سات درجہ والوں میں
آٹھ درجہ والا منتخب ہوگا اور آٹھ اور نو میں جب امر دائر ہو تو نو درجہ
والا اور نو اور دس میں تو دس درجہ والا مقدم ہوگا اس قاعدہ سے معلوم
ہوا کہ اگر دو مومن ہوں اور ایک ہی طرح کا دونوں کا ایمان فرض کیا
جائے لیکن ایک ابتداء ولادت سے ہو اور دوسرا نصف عمر کفر میں گذارنے
کے بعد جادۂ ایمان پر قدم زن ہو تو ایسی صورت میں جب قرعۂ انتخاب
اُدھر سے پڑیگا تو اُسپر کہ جس کی ساری عمر ایمان میں گذری یہ جب کہ جب
دونوں ایک ہی طرح کے قوت وضعف ایمان پر فرض کئے جائیں لیکن
اگر ایسا ہو کہ ایک اول ولادت سے آخر تک یوں صاحب ایمان رہا ہو
کہ رسول نے اس کو مجسم ایمان کہا ہو اور دوسرا وہ کہ جس کی نصف سے
زائد عمر کفر میں گذرنے کے ساتھ شک فی الرسالۃ آخر عمر تک باقی رہے
تو عقل کہتی ہے کہ ایمان پسند جب منتخب کریگا تو اُسی کو کہ جس کی پیشانی
کبھی شرمندۂ اصنام نہ ہوئی ہو خدا نے وعدہ ایسے اہل ایمان اور
صاحبان عمل صالح سے کیا ہے کہ خدا اُن کو خلیفہ بنائے گا زمین میں
یہ میرا جواب ہے ان لوگوں کے لئے جو کہتے ہیں رسول نے کسی کو خلیفہ بنایا ہی
نہیں اور نہ خدا کی جانب سے استخلاف ہو بلکہ یہ امر اُمت پر چھوڑ دیا گیا تھا
تو میں ان سے پوچھوں گا کیا خدا نے جھوٹا وعدہ کیا تھا اب نہ کہئے گا ہمارا
ایمان قرآن پر ہے اس لئے کہ قرآن بتاتا ہے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ خلیفہ

بنائے گا اور آپ کہتے ہیں کہ اس نے بنایا نہیں عمل قرآن پر ان لوگوں کا ہے
جو خدا کے وعدہ کو حق سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جیسا اس نے وعدہ کیا ہے
ویسا ہی ہوگا۔ اور پھر اس استحکام کے ساتھ وعدہ کہ وَعَدَ اللّٰہ خدا نے وعدہ کیا
ہے چھوڑ دیا اوصاف کو یہ نہیں کہا کہ رحمٰن نے وعدہ کیا ہے یا رحیم نے وعدہ کیا ہے
بلکہ اس اسم کا تذکرہ کیا ہے کہ جس کے معنی اہل لغت نے یہ لکھے ہیں کہ وہ ذات
کہ مستجمع جمیع صفات کمال کی ہو اس کو اللّٰہ کہتے ہیں معلوم ہوا کہ ایک صفت
ہونے کی بابت سے یہ وعدہ نہیں کہ وہ صاحب رحم ہے لہٰذا خلیفہ بنائے گا
اس لئے کہ اس سے وجوب ثابت ہوتا کیونکہ کسی کام کو بمقتضائے رحم اگر کیجئے
تو فعل واجب نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ ایک بار کیجئے اور پھر رحم نہ کیجئے۔ لہٰذا
خدا نے ان اوصاف کو چھوڑ کے کہا کہ وَعَدَ اللّٰہ لفظ اللّٰہ کے ساتھ کہ اللّٰہ کا
وعدہ جو کسی صفت فعلیہ حادثہ پر نہیں مبنی ہے بلکہ وعدہ اللّٰہ کا اللّٰہ ہونے کی
حیثیت سے ہے چونکہ وہ اللّٰہ ہے لہٰذا المقتضائے ذات یہ ہے کہ وہ اپنا خلیفہ
مین پر بھیجے اور جب تک ضرورت ہے اس وقت تک بھیجے اوصاف چھوڑ
کے ذات کو وعدہ کنندہ صرف اس لئے قرار دیا تاکہ دنیا دھوکے میں نہ
رہے کہ یہ تفضل تھا نہ معلوم کیا یا نہیں بلکہ اس وعدہ کو واجب قرار دیا اپنے
اوپر اور لفظ اللّٰہ کا استعمال کر کے وجوب کو ظاہر کر دیا جس طرح اِنَّ اللّٰہ
یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ رزق کی ذمہ داری لفظ اللّٰہ سے کی تاکہ اہل عالم
مطمئن رہے کہ اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا تو جس طرح لفظ اللّٰہ
کا فاعل ہونا بہ رزق میں دلیل وجوب ہے اور اس کو تمام اہل تفسیر

قبول کرتے ہیں تو جب یہاں لفظ اللہ وجوب کے لئے ہے تو وہاں بدرجۂ
اولیٰ وجوب کے لئے ہوگا۔ بلکہ میں عرض کروں خلیفہ بھیجنے کا جو وعدہ کیا
ہے۔ اس کا وجوب کے لئے ہونا زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ رزق
محافظ جسد ہوتا ہے اور خلیفۂ خدا محافظ روح ہوتا ہے۔ تو جب محافظ
جسد کا عطا کرنا اسپر واجب ہے تو محافظ روح کا معین کرنا اس پر بدرجۂ
اولیٰ واجب ہوگا وَعَدَ اللّٰہ خدا نے وعدہ کیا ہے اہل لغت نے بتایا ہے
جس کا جی چاہے جس لغت کو دیکھ لے کہ لفظ وعدہ کا استعمال وہاں
ہوتا ہے جہاں حسن سلوک اور احسان کی امید دلائی جائے تو اس کو وعدہ
کہتے ہیں۔ اور وعید اس کی ضد ہے وعید اس مقام پر استعمال کرتے ہیں
جہاں سزا کی دھمکی دی جائے۔ مثلاً اگر کسی شخص سے کہیئے کہ ہم تم کو کل
دس درہم دیں گے تو یہ وعدہ ہے اور اگر کہیئے کہ کل دس کوڑے لگائیں
گے تو اس کو وعید کہتے ہیں اس کو پورا کرنا اس شخص پہ واجب نہیں ہوتا
ہے اگر نہ کیجئے تو ممدوح ہے کرنے سے وعید کے خلاف کرنا اسی کے
معنی ہیں عفو عقلا تارک وعید کی مدح کرتے ہیں فرض کیجئے کہ اگر خدا
کسی سے کہے کہ ہم تجھ کو جہنم بھیج دیں گے یعنی وعید کرے اور پھر نہ بھیجے
تو یہ ترک وعید اس کی ذات پر دھبہ نہیں لگائے گا۔ بلکہ عین مدح ہے
کہ عفو کر دیا لیکن اگر کسی سے وعدہ کیا ہے کہ ہم تم کو نفع پہنچائیں گے
اور اپنے کو محل احسان و امتنان بنایا ہے اور پھر نہ کیا تو یہ قابل مذمت
ہو گا عقل بُرا کہے گی۔ جب کام کرنا نہ تھا تو کا ہے کو وعدہ کیا تھا آپ

نے ترک سے اوس کے شجر حسرت کو منقطع اور نخل تمنا کو پامال کردیا لہذا ہر عاقل مذمت کرے گا۔ معلوم ہوا کہ اگر خدا کسی مقام پہ وعید کرے تو اس کا کرنا اس پر واجب نہیں لیکن اگر وعدہ کرے تو اس کا فرض ہے کہ اس وعدہ کو پورا کرے اس لئے قدرت نے یہاں وعدہ ہی وعدہ رکھا وعید نہیں کہا تاکہ عفو اپنے مقام پر محفوظ رہے اور دنیا سمجھے کہ اگر تم سچے خدا کے تابع ہو تو یا دیکھو اگر قرآن خدا کی کتاب ہے تو ادھر سے آئے گا خلیفہ معلوم ہوا کہ قرآن کی تصدیق کرنے والے وہی لوگ ہیں جو خلیفہ اسی طرف سے مانتے ہیں۔ اس قدر صاف آیت کا ہے کو نازل ہوئی ہوگی اس سے زیادہ جاہلیت کی دلیل نہیں ہے کہ جو اس کو نہ سمجھے کہ لفظی معنی اس کے یہ ہیں کہ خدا نے وعدہ کیا ہے اے امت محمدی کہ تم میں سے جو ایمان لائیں گے۔ اور عمل صالح کریں گے۔ ہم ان کو زمین پر خلیفہ بنائیں گے جس طرح کہ خلیفہ بنایا ان لوگوں کو کہ جو ان کے قبل تھے اور ضرور بالضرور ان کے لئے پھیلا دیں گے اس دین کو جو ہمارا پسند کیا ہوا دین ہے۔ اور ہم ان کے خوف کو امن سے بدل دیں گے ۔۔۔ ہوں گے جو میری عبادت کے سوا شرک نہ کرتے ہوں گے۔ جس نے اس کے بعد کفر کیا یعنی اس خلیفہ کا انکار کیا پس وہ فاسق ہے۔ خدا صاف لفظوں میں فرما رہا ہے۔ کہ ہم خلیفہ ان کو بنائیں گے جو ایمان لائے ایک بات دوسرے عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الف لام استغراق کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور صالحات جمع ہے۔ لہذا الصالحات کے معنی تمام صالحات کے ہیں

معلوم ہوا کہ خدا نے خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا ہے۔ ان لوگوں کے متعلق
کہ جو ایمان لائے اور تمام عمل صالح کئے اب آپ نے پہچانا کہ کون خلیفہ
خدا کا بنے گا۔ جس نے ایک بھی عمل صالح نہ چھوڑا ہو اب آپ پہچانئے
کہ شک نبوت نبی میں عمل صالح ہے یا غیر صالح یا تو شک فی النبوت
کو عمل صالح کہیئے تو پھر اسلام سے خارج، کہنا پڑے گا۔ کہ غیر صالح لہٰذا
ماننا پڑیگا کہ ایسا شخص خدا کا خلیفہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تمام اعمال صالحہ
نہیں بجالایا، یونہی اگر میدان سے کوئی بھاگے تو نبی کا ساتھ چھوڑ کے
بھاگنا عمل صالح ہے یا غیر صالح اگر کہیئے کہ عمل صالح ہے۔ تو ایمان سے
الگ رہیئے گا اور اگر کہیئے غیر صالح تو پھر ایسے کو خلیفۃ اللہ نہ کہیئے گا یونہی عمر
کے کم یا زیادہ کسی حصے کو کفر میں بسر کرنا عمل صالح ہے یا غیر صالح اگر کہیئے
صالح تو پھر خدا سے الگ رہیئے گا۔ لہٰذا کہنا پڑیگا کہ غیر صالح معلوم ہوا
کہ اگر کوئی شخص ایک دن بھی کفر میں گذارے گا۔ تو عمل غیر صالح کرنے
کی وجہ سے اب خلیفہ نہیں ہو سکتا ہے اگر صاحب عمل غیر صالح خلیفہ
بن سکتا تو نوح کا فرزند خلیفہ پہلے ہو چکا ہوتا۔ لیکن قدرت تو اسی کو خلیفہ
بنانا چاہتی ہے۔ جس نے ایک بھی عمل صالح کو نہ چھوڑا ہو اب یہاں
آدم بھی خلیفہ نہیں ہو سکتے جب ہو گئے لیکن اب بعد رسولؐ آدمؑ بھی نہیں
ہو سکتے تھے اس لئے کہ گو ترک اولیٰ تھا لیکن ترک اولیٰ بھی عمل غیر صالح
ہے بلکہ اُسے خلیفہ ہونا چاہیئے کہ جس نے ترک اولیٰ بھی نہ کیا ہو آدم کا ترک اولیٰ
کرنا بتاتا ہے کہ وہ خلیفہ رسول کی اس تعریف میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ

اس نے کہا ہے کہ اب تو خلیفہ وہ بنے گا جس نے کل اعمال صالح کیے ہوں آدم نے ترک اولیٰ کر کے اس قابل نہیں رکھا کہ وہ خاتم المرسلین کے خلیفہ بن سکیں۔ جب آدمؑ علیؑ کے مقابلہ میں حق پانے سے معذور ثابت ہوئے تو عرب کے اوباش کا تذکرہ فضول ہے۔ معلوم ہوا کہ خاتم المرسلین کا خلیفہ وہ ہو سکتا ہے جو آدمؑ سے بھی بہتر ہو جس طرح خود رسولِ جمیع انبیاءؑ سے بہتر تھا اسی طرح ضرورت ہے کہ اس کی اُمت کا سنبھالنے والا ویسا ہی بہتر ہو۔ کہنا یہ ہے کہ کسی ایسے کو تلاش کیجیے کہ آدم کی دعا جس کی وجہ سے قبول ہوئی ہو۔ عیسیٰ کو مسیحائی اسی کے دم سے ملی ہو۔ معلوم ہوا کہ خدا کا کہنا کہ اُس کو خلیفہ بنائیں گے کہ جس نے کل عمل صالح کیے ہوں۔ یہ مقتضی ہے کہ عصمت مثل رسول اس میں ہو۔ خدا کا وعدہ ہے۔ ان لوگوں سے کہ جو ایمان لائے اور کل اعمالِ صالحات کو بجا لائے ان کو میں زمین پر خلیفہ بناؤں گا قاعدہ ہے کہ جو جس کا مالک ہوتا ہے وہی اس کا حاکم بھی تجویز کرتا ہے لہٰذا اگر انسان اپنی مملوک سمجھتے ہیں زمین کو تو وہ تجویز کریں اور اگر خدا کی مملوک ہو تو اس کو حاکم بنانا چاہیے۔ مفسرین نے بچاس ہا مقاموں پر لفظ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قرآن میں متعدد مقاموں پر ہے تو مفسرین یہاں پر آ کر شبہ پیدا کرتے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت تھی کہ خدا اپنی ملک کو ہزاروں مقاموں پر ثابت کرے یک بار کہہ دینا کافی ہے۔ لیکن میں بتاؤں کہ اس کی وجہ کیا ہے جس قدر منکرین زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر متکلم کو ضرورت ہوتی ہے بتکرار کی

اور اگر منکر کم ہوں تو زیادہ تکرار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن انکار دو قسموں پر ہوتا ہے ایک قولی انکار دوسرے عملی انکار قولی انکار تو ظاہراً قرآن میں ہمکو کم ملتا ہے اگر اس کی تکرار توراۃ انجیل زبور میں ہوتی تو خیر آپ کہہ سکتے ہیں کہ منکر زیادہ تھے لیکن قرآن کے نزول سے اس وقت تک اس کے منکر کم ملتے ہیں اس لئے کہ اس زمانہ میں جتنے گروہ تھے بیں اکثر اس کے قائل ہیں کہ ایک ذات ہے کہ جو خالق زمین و آسمان ہے شاید ہی کوئی گروہ ایسا دہریہ ہو کہ جو خالق زمین و آسمان نہ مانتا ہو۔ خواہ وہ تثلیث کے پردہ میں سمجھے یا موسیٰ کے لباس میں یا علیؑ کے پیکر میں بہر حال سب خدا کو مانتے ہیں اور سب نے اس کو تلاش کیا اور عقل نے تبا یا کسی نے پتھروں کی آڑ میں کسی نے حیوان کے جسم میں کسی نے انسان کے پیکر میں کسی نے ملائکہ کے لعبیں میں مگر بہت کم ایسے ملیں گے جو زبان سے انکار خالقیت خدا کرتے ہوں۔ لہذا چاہیئے تھے کہ تکرار اتنی نہ ہوتی لیکن قرآن اس تکرار سے لبریز ہے معلوم ہوا کہ انکار قولی نہیں ہے مگر تکرار تبا تی ہے کہ انکار ہے لہذا معلوم ہوا کہ انکار فعلی موجود تھا وا لا اتنی تکرار نہ ہوتی انکار فعلی کے معنی یہ ہیں کہ ایسی بات کرنا کہ جس سے ثابت ہو کہ یہ خدا کو مالک و خالق ارض نہیں سمجھتا اگر خدا کو خالق ارض سمجھتے تو کبھی اس کے بنائے ہوئے حاکم سے مڑ کے اپنا نہ بناتے معلوم ہوا کہ جتنے منکر تھے ولایت امیر المومنین کے خدا کے مالک ہونے کے منکر ہم سمجھتے تھے کہ علیؑ ساتھ شرک کیا لیکن یہ شرک خدا کے شرک تک پہونچے گا۔ کیونکہ اس نے

ب ولی بنایا تھا۔ پھر آپ کو کیا ضرورت تھی بنانے کی کیا اس نے
لی بنانے میں کوئی غلطی کی تھی جو آپ نے خود منتخب کر کے پیش کیا
اس نے کچھ کمی کی تھی جس کی تکمیل آپ نے کی یا یہ کہ وہ مالک ہے ایک
اس نے بنایا اور ہم بھی مالک ہیں ایک ہم بناتے ہیں تو گویا اپنے ملک کو
اس کی مالکیت کے سامنے پیش کیا اور یہی معنی مقابلہ قدرت اور شرک
کے ہیں چونکہ ایسے لوگ پہنچو ہوا لے تھے۔ لہٰذا اتنی تکرار کے ساتھ ارشاد
یا کہ وہ وہ ہے۔ جس نے پیدا کیا آسمان و زمین کو اور جب پیدا کیا تو
تو مالک بھی وہی ہے اور جب مالک بھی وہی ہے تو وہی مستحق ہے
اپنی زمین پہ خلیفہ معین کرے۔ کیونکہ اس کے بندہ اس کی زمین تو اسی
خلیفہ بھی ہونا چاہیئے۔ خدا نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم
میں ایمان لائے اور عمل صالح کیا کہ ان کو ہم خلیفہ بنائیں گے اسی طرح
ہے کہ جس طرح ان کے پہلے خلیفہ بنائے تھے وہی عنوان ہوگا تو یا ہر
شخص جو ایمان لائے وہ خلیفہ ہوگا اور یا ایسا نہیں اگر کہیے کہ جو بھی ایمان
یا وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ تو خدا کا وعدہ جھوٹا اس نے تو کہا ہے۔ کہ ہم
خلیفہ ایمان لانے والے کو بنائیں گے۔ یا کہیئے کہ جو ایمان لائے سب
خلیفہ پھر دنیا میں بہت سے مومن ہیں تو چاہیئے کہ سب خلیفہ ہو جائیں
نیا میں کوئی بے خلیفہ نہ رہے۔ ہم مومن ہم خلیفہ آپ مومن آپ خلیفہ
اور اگر کہئے کہ نہیں دنیا میں کوئی صرف دو ہی تین مومن تھے پس جو خلیفہ
تھے وہی مومن تھے تو باقی جتنے وہ غیر مومن تو پھر اگر بے ایمان لوگ

کسی بات پر اتفاق بھی کرلیں تو کس کام کا اتفاق اس لئے کہ اجماع وہ کہ جو ایمانداروں کا اجماع ہو۔ اسی طرح خلیفہ بنائیں گے جس طرح ان کے پہلے والوں کو خلیفہ بنایا۔ اچھا پہلے والوں میں کیونکر خلافت ہوئی۔ سب سے پہلے آدمؑ کی خلافت تھی بس میں اپنے مطلب پر آگیا اور بتانا چاہتا ہوں کہ یہ آیت کس کی شان میں ہے لیکن بتاؤں کہ پہلا خلیفہ وہ تھا کہ جس کے متعلق ارشاد ہوا کہ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں اپنا زمین پر خلیفہ بنانیوالا ہوں۔

کوئی امت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس نے ضرورت سمجھی کہ ایک نہ ایک نبی پہلے بھیجنا چاہیئے اور پہلے خلیفہ معین کرنا چاہیئے قبل اس کے کہ امت آئے تاکہ امت ایک آن بلا خلیفۃ اللہ کے نہ ہو اور امت عذر نہ کر سکے کہ تو نے ہم میں خلیفہ بھیجا نہیں۔ ہم کو ہدایت کون کرتا۔ لہذا ہم نے تیری معصیت کی اس عذر کو دفع کرنے کے لئے امت میں پہلے خلیفہ بھیجا اور جب امت نہ ہونے پر اور امت کے پہلے خلیفہ کی احتیاج ہوئی تو جب آج اتنی بڑی امت موجود ہو گیا خلیفۃ اللہ کی احتیاج نہ ہوگی۔ اگر اگلی امتیں ہادی کی محتاج تھیں تو اب بھی اسی طرح احتیاج ہے۔ مگر یہاں آدمؑ کا کام نہیں ہے کیونکہ آدمؑ چند نفر کی ہدایت کے لئے پیدا کیے گئے تھے۔ بلکہ اس کی ضرورت ہے جو اتنی پھیلی ہوئی امت کی ہدایت کرے ذرا ڈرتے ہوئے کہتا ہوں اور تمام انبیاؑ سے معافی کا خواستگار ہوں اور دبی زبان سے کہتا ہوں اگر غلط ہو تو ان سے معافی چاہتا ہوں اور

وہ یہ کہ اتنی بڑی امّت کا سنبھالنا بہت مشکل ہے۔ اگلوں میں کم ایسے ملیں گے جنہوں نے تنہا سنبھالا ہو بڑی امّت کو آدمؑ سے لے کر نوحؑ کے پہلے تک دنیا آباد نہ تھی چند نفر تھے ایک ایک نبی آیا کیونکہ امت چھوٹی تھی اور پھر جب بڑی امت ہوئی تو دو دو نبی بھیجے گئے ایک طرف اگر ابراہیمؑ تو دوسری طرف اسمٰعیلؑ اگر ایک طرف یعقوبؑ تو دوسری طرف یوسفؑ اگر ایک جگہ زکریاؑ تو دوسری جگہ موسیٰؑ ایک ایک وقت میں متعدد نبی اگر تنہا سنبھال سکتے تو کیوں خدا ایک وقت میں چند نبیوں کو مبعوث کرتا۔ حکیم کا فعل عبث نہیں ہوتا اور اس کی تصدیق یوں ہوگی کہ جب ایک نبی تھا اور امت بڑھی تو قابو سے دل نکل گیا۔ بد دعا کر بیٹھے نوحؑ جو تنہا نبی تھے۔ امت قابو سے نکل گئی اور آخر دل نے کہا کہ بد دعا کرو جو انبیاؑ صرف ایک طبقہ کی ہدایت کرتے تھے تکلیف نہ برداشت کر سکے اور بد دعا کر بیٹھے لیکن کیا کہنا ہمارے نبی کا کہ تن تنہا اتنے عالم کو سنبھالا تکلیف اٹھائی مگر دل کو قابو سے نکلنے نہ دیا تاکہ بد دعا کی نوبت آئے اب اگر خدا کسی کو انکا قائم مقام نہ بنائے تو پھر کون بنائے اسلئے کہ جو تمام عالم کی قوت کا اور تمام امت کے مطابق احتیاج کا اندازہ لگا سکتا ہوگا وہی مستحق ہے کہ خلیفۃ الارض معین کرے۔ اسلئے کہ جو شخص تمام عالم کی قوت کا اندازہ ہی نہ لگا سکتا ہو وہ رحمۃ للعالمین کا قائم مقام کیسے بنا سکتا ہے معلوم ہوا بنانیوالا ایسا ہونا چاہئیے جو عالم کا اندازہ لگا سکے

اور وہ سوائے خدا کے دوسرا نہیں ہو سکتا لہذا اگر وہ کسی
کو معین کرے تو سمجھنا چاہیئے کہ جتنی نبی میں قوت تھی جتنے
کمالات رسول میں تھے۔ جو اس کا قائم مقام اور خلیفہ ہو اس میں بھی اتنی ہی
قوت ہوگی تاکہ شرق سے لے کر غرب تک کو سنبھالے رہے لہذا خدا نے
وعدہ کیا اہل ایمان سے کہ زمین پر ہم تمکو خلیفہ بنائیں گے اسی طرح جس
طرح ہم نے اگلوں کو خلیفہ بنایا پہلے آدمؑ ہوئے دوسرے خلیفہ داؤد تھے
ارشاد ہوا کہ یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ
بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اے داؤدؑ ہم نے تم کو
زمین میں اپنا خلیفہ بنایا پس عدل کرو لوگوں کے درمیان میں اور دیکھو
اپنی خواہش کا اتباع نہ کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ آپ فرق دیکھیں۔ کہ
داؤد معصوم تھے۔ لیکن جب تاج خلافت ان کے سر پہ رکھا گیا۔ تو ان کو
نصیحت کی گئی کہ دیکھو لوگوں کے درمیان میں عدل کرنا اور اتباع ہوا
نہ کرنا کیا خدا کو یہ امید تھی کہ داؤدؑ ایسا کریں گے؟ پھر کیوں کہا ایک معصوم
کی شان میں ایسا کہنا کہ تم ایسا نہ کرنا یہ تو اس سے کہا جاتا ہے جس سے
خیال ہو مگر نہیں صرف اس لئے کہ آئندہ امت کو خیال ہو جائے کہ نبی
جب خلیفہ بنایا گیا تو باں عصمت پھر بھی ضرورت ہوئی نصیحت کرنے
کی تو جب معصوم کو خلافت شرائط کے ساتھ مل سکتی ہے تو پھر غیر
معصوم کو خلافت کب مل سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ خلافت لینے کے لئے
منہ چاہیئے گو قلب داؤد ایسا نہ تھا کہ کبھی باطل کی طرف مڑا ہوا۔ اور

جبین داؤد پر سوائے عبادت خدا کے بت پرستی کا بدنما نشان نہ تھا کبھی معصیت خدا سے دامن جوک آلودہ نہیں ہوا تھا۔ مگر پھر بھی ان شرائط کے ساتھ عہدہ ملا۔ تو جہاں یہ اوصاف موجود نہ ہوں اور جس پیشانی پر بت پرستی کا بدنما نشان دکھائی دتیا ہو وہ دامن جو طرح طرح کے کفرو نفاق سے ملوث ہو وہ کیونکر الوہیت کے سامنے سرخ رو ہو سکتا ہے اسے اپنی نجات خود مشکل ہے اس لئے کہ اصنام دامن پکڑے ہوں گے کہ اس نے میرے سامنے سر جھکایا انبیاء الگ نالاں ہوں گے کہ اس نے ہماری تکذیب کی الیوں کو اپنی ذات سے نکال لے جانا مشکل ہے نہ کہ اتنی بڑی اُمت کو لے کے جانا یہ تو کارے دارد کتنا فرق ہے داؤد میں اور ہمارے نبی میں اس لئے کہ داؤد سے کہا گیا۔ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى داؤد اپنی خواہش کی پیروی نہ کرنا اور ہمارے رسُول سے یوں کلام ہوا مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى کبھی اپنی خواہش سے کلام کرتے ہی نہیں تو جس بات کو داؤد نے نصیحت کے بعد کیا اس کو ہمارے نبی نے پہلے ہی کر کے دکھا دیا دوسرے خلیفہ داؤدؑ و تیسرے جناب ہارُون کے لئے موسیٰ دعا کیا کرتے تھے کہ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هَارُوْنَ اَخِي میرا وزیر میرے بھائی ہارون کو بنا موسیٰ کی دعا قبول ہوئی قدرت نے جناب موسیٰ کا خلیفہ ہارون کو بنایا۔ آپ نے تین خلیفہ دیکھے اور سب معصوم تو کیا چوتھا خلیفہ گنہگار رہنا یا جائے گا۔ جب اُمت کم ہو تو تو خلافت کے لئے شرط عصمت کی جو

اور جب اُمّت زیادہ ہو تو ہر فاسق و فاجر بن جانے۔ عقل کے خلاف بات ہے معلوم ہوا کہ ان سب سے بہتر ہونا چاہیئے۔

موسیٰ کا خلیفہ تو معصوم ہوا اور ہمارا نبی جو بہتر تھا ان دونوں سے اس کی خلافت کے لئے شرط عصمت نہ ہو ہرگز نہیں عقل کے خلاف بات ہے بلکہ یقیناً موسیٰ کے خلیفہ سے ہمارے نبی کا خلیفہ بہتر ہونا چاہیئے جب اُمّت کم تھی اور آدمؑ خلیفہ ہوئے جو ترابی تھے۔ تراب سے بنائے گئے مٹی سے خمیر کیا گیا تو ترابی اس زمانہ کے خلیفہ ہوئے لیکن اب اس اُمّت میں خلیفہ ترابی نہیں ہوسکتا ہے بلکہ اس اُمّت کے لئے اور خاتم المرسلینؐ کی جگہ بیٹھنے کے لئے ابوتراب ہونا چاہیئے اس زمانہ میں خلیفہ داؤد ہوگئے لیکن اس عہد میں مشکل ہے داؤدؑ کی بڑی سے بڑی فضیلت اور بڑا معجزہ یہ ہے کہ وہ لوہے کو موم کرکے نرم کر دیتے تھے پھر اب ایسا خلیفہ ہونا چاہیئے کہ جس کی ادنیٰ اور سب سے چھوٹی فضیلت یہ ہو کہ در خیبر جو لوہے کا بنا ہوا تھا اس میں انگلیاں دھنس گئیں داؤد میں اتنی گنجائش تھی کہ ان سے کہا جائے وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ دیکھو خواہشات کی پیروی نہ کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ اب خلیفہ ایسا ہونا چاہیئے جس کے تمام اعضاء کو قدرت نے اپنی طرف منسوب کر لیا ہو علین عین اللہ اذن اذن اللہ ید ید اللہ بلکہ نفس نفس اللہ ہو گیا ہو۔ اب ان سے خدا نہیں کہہ سکتا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا کہ جس سے گمراہ ہو جاؤ اس لئے کہ یہ عذر کر سکتے ہیں کہ جب ہم سے گمراہی

کا خیال تھا تو پھر ہمارے اعضاء کو اپنے اعضاء کیوں قرار دیا تھا۔ اسی لئے کہ جو ہمارا فعل ہوگا۔ وہ بعینہٖ تیری طرف منسوب ہو جائے گا۔ یہ علیؑ کے لئے بہت بڑی دلیل عصمت ہے اس لئے کہ جب علیؑ کے تمام اعضاء بعینہٖ خدا کے اعضاء تھے تو پھر جو فعل صادر ہوگا علیؑ سے وہ خدا کی طرف منسوب ہو جائے گا۔ تو اب اگر اچھا کہیئے تو خدا کا فعل اور اگر برا کہئے تو بعینہٖ آپ نے خدا کے فعل کو برا کہا جب ہر فعل علیؑ کا خدا کی طرف منسوب ہونے کے قابل ہے تو پھر علیؑ یقیناً معصوم ہوں گے اور جب سلیمانؑ کا خلیفہ بنانے کے لئے خود خدا متوجہ ہوا تو پھر ہمارے رسولؐ کا بھی خلیفہ وہی معین کرے گا۔ ظاہر ہے کہ محبوب کا خلیفہ اور قائم مقام اگر ہو سکتا ہے تو محبوب ہی ہو سکتا ہے غیر نہیں ہو سکتا اور اپنے محبوب کو حبیب سے بہتر کوئی پہچان نہیں سکتا۔ لہٰذا اسی کو معین بھی کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد تیسرے خلیفہ ہارونؑ ہوئے جناب ہارونؑ گو معصوم تھے مگر ایک وقت ایسا ملتا ہے جس وقت جناب موسٰیؑ نے جناب ہارون کے فعل کو نامناسب سمجھا ہے۔ لیکن ہمارے نبی کا ایسا خلیفہ تھا کہ جس کا ہر فعل ہمیشہ مرضی رسول کے مطابق ہوا اور اس حد پر کہ مرتضیٰ نام ہوگیا۔ ہارونؑ تھے معصوم لیکن ان کی عصمت کی گواہی خود قدرت نے نہیں دی تھی۔ لیکن ہمارا امام تھا کہ جس کی عصمت کی گواہی خود قدرت نے دی اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا

ارشاد ہوتا ہے خدا نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو اہل ایمان اور جان

عمل صالح ہیں کہ ہم تم کو خلیفہ زمین پہ بنائیں گے جس طرح ہم نے خلیفہ اگلوں کو بنایا اسی طرح تم کو بنائیں گے اور ہم ان کے لئے اس دین کو پھیلا دیں گے۔ جسکو ہم نے پسند کیا اور ہم ان کے خوف کو امن سے بدل دیں گے اہل تفسیر میں بحث ہے کہ وہ دن جس کا قدرت نے وعدہ کیا ہے وہ ہو چکا ہے یا ہوگا اکثر نے کہا ہے کہ وہ دن ہو چکا لیکن غلط ہے۔ اگر ہو چکا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ امن ہوتا اس لئے کہ اس زمانہ کے لئے وعدہ ہے جب خوف کا فور ہو جائے گا۔ اور امن اپنا بستر ڈال دیگا امن ہی امن ہوگا وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ہم ان کے خوف کو امن سے بدل دیں گے تمام تاریخیں خاموش ہیں اور اس امن کا پتہ نہیں چلتا کہ جس دن مکمل امن جو خوف نہ ہو اسلام کی بڑی سے بڑی سلطنت دیکھئے کوئی بھی سلطنت ہو مگر ہم کو امن نظر نہیں آتا اگر امن ہوتا تو لشکر بھیجنے کی ضرورت کیوں ہوتی اور قتل و غارت ہی کیوں ہوتا جب تک کفر موجود ہے اسلام کی صحیح امن نظر نہیں آسکتی دشمن جب تک پہلو میں موجود ہے اطمینان نہیں ہوسکتا اگر دن کو نہیں تو شب کو اگر آج نہیں تو کل کھٹکا لگا رہے گا کہ جب اس کو موقع ملے گا اپنا وار کر دیگا۔ معلوم ہوا کہ اس دن سے وہ دن مراد ہے جس دن دشمن کا خوف دل سے نکل جائے گا اور مشرق سے مغرب تک ستارہ صلح و امن کا طالع ہوگا۔ تاریخ نہیں بتا سکتی کہ وقت خلقت آدم سے آج تک کون سا دن امن و امان کا گذرا اور اگر آپ ضد کیجئے اور کہئے کہ نہیں امن کے ایام گذر چکے اور وہ وعدہ خدا کا پورا ہو چکا تو ہم کہیں گے کہ پھر آج کیوں

خوف ہے اس لئے کہ وعدہ کرنے والا سخی ہے اور سخی کی شان کے خلاف ہے۔ کسی کو نعمت دیکر واپس لے لے تو اگر وہ دن گذر چکا تو چاہیئے کہ آج بھی امن ہو آج کیوں خوف ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ ایام امن ابھی آئے نہیں بلکہ وہ دن دیا ہے۔ جس کے سہارے اہل ایمان کی زندگی ہے اہل ایمان اسی وعدہ پر جی رہے ہیں۔ اس لئے جانتے ہیں وعدہ کرنے والا ایسا ہے کہ چاہے جو کچھ ہو وعدہ اس کا کبھی نہ کبھی پورا ہوگا۔ آج نہ سہی کل نہیں پرسوں سہی بہرحال آئے گا۔ وہ دن جو اہل ایمان کے امن کا دن ہوگا۔ اور ہماری صبح امید طالع ہوگی خدا ہم کو اور آپ کو اس دن کا دیکھنا نصیب کرے اس لئے کہ ہماری خوشی کا دن اس سے بڑھ کے نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے بادشاہ کی تاجپوشی تخت نشینی دیکھیں میں سچ کہتا ہوں کہ جو امام کے دلدادہ ہیں اور جو غیب پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور جو صرف خدا کے وعدہ پر اعتقاد رکھتے ہیں انہیں جتنا ایمان خدا کے وجود پر ہے اسی قدر ایمان اس امام کے وجود پر ہے وہ امام جو سراج نبوت کی بارھویں لو نور عصمت کی چودھویں شعاع سلسلۂ امامت کی بارھویں فرد ہے معلوم ہوا کہ جس دن کا قدرت نے وعدہ کیا ہے کہ اس دن امن ہوگا۔ ابھی تک نہیں آیا، اچھا تو جب تک وہ دن نہ آئے۔ اس وقت تک ماننا پڑیگا۔ کہ خوف ہے والا پھر امن کے کوئی معنی نہ رہیں گے اگر قبل اس دن کے آنے کے بھی لرکھیر وعدۂ امن کے معنی کیا، معلوم ہوا کہ اس دن تک امن بالکل نہ

ہوگا بعض خوف ہوگا اور کس کو خوف ہوگا۔ جن سے وعدہ ہے۔ یَاأَیُّھَاالَّذِینَ آمَنُوا۔ ایماندارون کے لئے خوف ہوگا تو اگر کوئی دعویٰ کرے کہ ہمکو خوف نہیں ہے۔ تو سمجھئے کہ ایمان اس میں نہیں ہے اس لئے کہ آیت بتاتی ہے کہ اس دن خوف امن سے مبدل ہوگا۔ تو پھر جب خوف ہی رہے گا۔ تو اگر امن کا کوئی مدعی ہو تو سمجھئے کہ ایمان سے خارج ہوگیا معلوم ہوا کہ ایمانداروں کے لئے خوف ہے اور انہیں اہل ایمان میں سے جن کو خوف ہے خدا نے خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا ہے معلوم ہوا کہ خدا کا بنایا ہوا خلیفہ وہ ہوگا کہ جو عالم خوف میں ہو! اگر خلیفہ مطمئن ہو تو سمجھئے کہ خلیفہ خدا کا بنایا ہوا نہیں ہے کیونکہ خدا نے اپنے خلفاء کے خوف کو امن سے ابھی بدلنے کا وعدہ نہیں کیا ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان کے لئے خوف لازم ہے۔ یہی معنی ہیں قول رسول کے لَا اِیْمَانَ اِلَّا بِالتَّقِیَّۃِ ایمان نہیں ہے مگر خوف کے ساتھ۔

معلوم ہوا کہ جب تک وہ دن نہ آئے گا۔ جو وعدہ کیا گیا امن ہے خدا کی طرف سے اس وقت تک نہ ایمان بلا خوف کے متحقق ہوسکتا ہے اور نہ خلیفہ بلا خوف کے ہوسکتا ہے۔ چاہتا ہوں کہ آج واضح کروں کہ تقیہ کے کیا معنی ہیں اور کیا بد ظنی پھیلی ہے۔ تقیہ کے معنی یہ ہیں کہ کسی عذر شرعی کی وجہ سے مجبوراً کسی ایسی بات کو کہنا یا کرنا جو خلاف معتقد ہو مثلاً ہماری گردن پر قاتل تلوار رکھے ہے اور کہتا ہے کہ کہو نماز واجب نہیں تو دل میں تو ہم یہی رکھیں کہ واجب ہے لیکن زبان پر لفظ مخترمہ کے

خوف سے خلاف معتقد ظاہر کر دیں۔ کیونکہ خدا ہم کو حکم دیتا ہے۔
لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّہْلُکَۃِ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ خدا
کا حکم ہے کہ اپنے کو حتی الامکان ہلاکت میں نہ ڈالو اور یہ صرف میرے
یہاں نہیں۔ بلکہ میں دکھا سکتا ہوں کہ تمام اسلام چاہے۔ لفظ تقیہ
منہ سے نہ نکالے مگر اس کا قائل ہے۔ تمام اصولیین میں یہ مسئلہ مشہور
ہے کہ اقل قبیحین کا ارتکاب جائز ہے مثلاً اگر نماز قضا ہو رہی ہو
اور ادھر ایک نبی پانی میں غرق ہو رہا ہو ساحل دور ہو اور نہ بچنے کی
کوئی صورت نہ ہو سوائے اس کے کہ یہی نکال سکتا ہو تو اب عقل حکم
دیتی ہے کہ ایسے وقت میں نماز کو قضا کرنا اور نبی کا بچانا ہی مناسب تعقل
ہے حالانکہ نماز کا قضا کرنا بھی قبیح اور نبی کو غرق ہوتے دیکھنا بھی
جب اس کا بچانا امکان میں ہو قبیح ہے۔ لیکن ایک زیادہ قبیح ہے
اور دوسرا کم لہٰذا عقل حکم کرتی ہے کہ اقل قبیحین کو اختیار کرنا چاہیئے
اور اس مسئلہ پر تمام اسلام نے اتفاق کیا ہے تو پھر اب وہی یہاں
بھی مطابق کر لیجئے کہ یہاں بھی دو قبیح جمع ہیں ایک خلاف اعتقاد کہنا
دوسرے نفس محترمہ کا بلا وجہ ضائع ہونا اگر تسلیم کر لیا جائے کہ دونوں
قبیح ہیں تو عقل کیا بتاتی ہے کہ کس کو اختیار کرنا چاہیئے۔ یقیناً عقل
بتاتی ہے کہ جو اقل قبیحین ہے اس کو اختیار کرنا چاہیئے اور جو قبیح ہے
اس کو چھوڑ دیجئے علاوہ بریں قرآن خود ہم کو حکم دیتا ہے تیسرا پارہ
سورۂ آل عمران گیارھویں رکوع میں ہے وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ

مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً جو شخص کفر کو اختیار کریگا یا کفار سے راہ و رسم جاری کریگا وہ بالکل خدا سے الگ ہے مگر یہ کہ تقیہ کے عالم میں ہو اور خلاف اس کے کرے تو کوئی حرج نہیں دوسری آیت چودھواں پارہ سورہ نحل تیسواں رکوع مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ خدا کا غضب ہے اس پر ہے جو ایمان کے بعد کفر اختیار کرے۔ مگر ہاں اگر کوئی شخص مجبور کیا جائے اور قلب کو اس کے اطمینان ہو یعنی اعتقاد نہ بدلے تو کوئی حرج نہیں معلوم ہوا کہ تقیہ میں کفر بھی اگر زبانی ہو تو اجازت ہے تو پھر باقی اصول تو بعد میں ہیں۔ معلوم ہوا کہ قرآن تقیہ کا موافق ہے لہٰذا جو اہل تقیہ ہیں وہی اہل قرآن ہیں اور جو غیر اہل تقیہ ہیں انہوں نے قرآن کی تکذیب کی اسی طرح انبیاء کے افعال بھی گواہ ہیں کہ انہوں نے بوقت ضرورت تقیہ کا استعمال کیا جناب ابراہیم جناب سارہ کو لے کر جا رہے تھے اور بادشاہ نے جب دریافت کیا کہ یہ تمہاری کون ہیں تو آپ نے فرمایا یہ ہماری بہن ہیں اگرچہ قرابت اخوت کی ہو۔ مگر قرابت قریبہ زوجیت کی تھی لہٰذا یہ کہنا کہ میری بہن ہیں خلاف واقع نہ سہی مگر جواب خلاف ظاہر ضرور تھا پھر ہم تو اسی ملت ابراہیمی پر ہیں جس پر ہمارے رسول نے ہم کو قائم رہنے کا حکم دیا ہے۔ جب خلیل کے لئے تقیہ عیب نہ ہوا تو ہمارے لئے کب تقیہ عیب ہوگا سب سے بڑھ کے فعل خاتم المرسلین جو سب سے بڑی حجت ہے وہ

تائم ہے اس بات پر صلح حدیبیہ میں جب رسول نے غلبۂ کفار کو دیکھا
تو ان شرائط پر صلح کی ۔ اگر کوئی تم میں کا ہمارے یہاں آئے
تو اس کی جان کے ہم ذمہ دار ہیں اور اگر کوئی مسلم تمہارے یہاں جائے
تو تم کو حق ہے کہ اس کے خون کو بہا دو ۔ بتائیے کیا رسول کا دل چاہتا
تھا کہ مسلمانوں کا خون بہے اور کفار کا خون نہ بہایا جائے ہرگز نہیں
معلوم ہوا کہ خلاف منشا قلب و معتقد حضرت نے اقرار نامہ لکھا تھا
اسی کا نام تقیہ ہے پھر جب امیرالمومنینؑ نے عہد نامہ لکھا تو اسم کاتب
کے مقام پر محمد رسول اللہ لکھا تھا کفار نے واپس کیا اور کہا کہ ہم آپ
اگر رسول ہی مانتے تو نزاع کا ہے کو ہوتی ۔ اس وقت آپ نے
امیرالمومنین سے فرمایا! علی مٹا دو لفظ رسول اللہ آپ نے عرض کیا
رسول اللہ میرے ہاتھوں سے تو یہ نہ ہوگا کہ میں مٹا دوں اور محو کر
دوں میرا دل گوارہ نہیں کرتا ۔

وہی انداز جو انبیاء کا کلام خدا کی درگاہ میں ہوتا تھا ۔ اس وقت
رسول اللہ نے اپنے ہاتھ سے محو فرمایا ، آخر کہنے والوں کو شک پیدا ہوا
کہہ دیا تمام کتب فریقین لبریز ہیں کہ مجھ کو اس دن اتنا شک ہوا کہ
کبھی اتنا شک نہیں ہوا تف ہے مسلمانوں پر کہ اتنے معجزات اور
آیات دیکھنے کے بعد بھی اس قدر شک باقی رہا اور ان سے مقابلہ
کر کہ جن کے دماغ میں بوئے رسالت بسی ہوئی تھی ۔ امیرالمومنین
علیہ السلام جب چادر تطہیر کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا اِنِّی لَاَجِدُ

طِبْتَ مَا اَطْيَبَ رِيْحَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مجھے تو رسول کی خوشبو آرہی ہے یاد رکھئے کہ مشہور حدیث ہے کہ لَا یَنْقُضُ الْیَقِیْنُ بِالشَّکِّ کبھی یقین شک سے نہیں ٹوٹ سکتا ہے اگر کسی بات کا یقین ہو اور اس کے خلاف کا شک ہو تو وہی یقین باقی رہے گا شک نہیں توڑ سکتا از عم صاحب یقین تھے اور غیر صاحب شک تھے پھر بھلا یہ شک اس یقین کو کب توڑ سکتا تھا۔ معلوم ہوا کہ رسول نے مقامات ضروریات پر تقیہ کیا غار میں چھپ کر بیٹھنا تقیہ نہ تھا تو پھر کیا تھا جب رسول کے غار میں چھپنے کے ان کے لئے عیب نہ ہوا تو ہمارے امام کے چھپنے میں کیا عیب ہو سکتا ہے۔ پہلے رسول کو ہنسیے کہ کیوں غار میں چھپے بہر حال منتظر خلفاء خدا میں ان کو خوف رہے گا۔ اس آیت کے معنی میں بعض غیر اہل البصیرت نے اختلاف کیا ہے اور ان میں سے دو معنی استخلاف کے یہاں ذکر کیے ہیں۔ ایک استخلاف کے معنی یہ لکھے ہیں کہ جیسے ہر سابق کا خلیفہ اور قائم مقام لاحق ہوتا ہے۔ یعنی پہلے پہلی امتیں تھیں اور اس کے بعد ایک امت گذری اور اس کی قائم مقام دوسری امت اور دوسری گذری اس کی تیسری امت قائم مقام ہر سلف کا قائم مقام اس کا خلف ہوتا ہے اگر یہ معنی مراد ہیں تو پھر وعدہ کرنا لغو ہے اس لئے کہ یہ تو ہونا ضروری ہے کہ جب جمعہ گذرے گا۔ تو سفتہ کا دن آجائے گا۔ اور جب ہفتہ گذرے گا تو اتوار آئے گا۔ یونہی دن گذرتے جائیں گے تو اگر کوئی شخص کہے گا کہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جمعہ کے بعد سفتہ لائیں گے

تو عبث ہے کیونکہ وہ تو ضرور ہوتا یونہی یہ کہنا کہ جب ایک اُمّت گزرے گی تو وعدہ کرتا ہوں دوسری اُمّت آئے گی لغو ہے کلام جو ہونا ضروری ہے اس کے وعدہ سے فائدہ؟... دوسرے معنی یہ نکلتے ہیں کہ ہم نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل اعمال صالحہ کئے کہ ہم ان کو خلیفہ بنائیں گے جس طرح اگلوں کو بنایا اور اس دین کو پھیلائیں گے دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى اُس دین کو پھیلاؤں گا جس کو پہلے پسند کر چکا ہوں معلوم ہوا کہ وہ وہ دین ہے کہ جو پسندیدہ ہے خدا کا اور وہ پھیلائے گا۔ خدا کا شکریہ ادا کیجئے کہ صاف کہتا ہے۔ کہ ایک دن آئے گا کہ جس دن پسندیدہ دین پھیلایا جائے گا۔ اب ڈھونڈھیئے قرآن میں کہ کون دین خدا کا پسندیدہ ہے تو نہ ملے گا سوائے اُس دین کے کہ جس کو غدیر خم میں تہنیت کی صورت میں جبرئیل لائے تھے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا یہی وہ دین مرتضیٰ ہے کہ جسے پھیلانے کا وعدہ کرتا ہے خداوند عالم اس کے بعد فرماتا ہے کہ يَعْبُدُوْنَنِيْ وَلَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ہم اپنا خلیفہ ان کو بنائیں گے کہ جو صرف میری عبادت کریں گے يَعْبُدُوْنَنِيْ مضارع کا صیغہ استمرار کا فائدہ دیتا ہے یعنی وہ جو ہمیشہ میری عبادت کرتے رہیں گے اور میرا شریک کسی کو نہ بنائیں گے دونوں صیغہ مضارع کے مفید استمرار یعنی وہ خدا کی ہی عبادت کریں گے اور کبھی شرک نہ کریں گے ان کو خدا اپنا خلیفہ بنائیگا

اب کہئے بُت پرستوں سے کہ الٰہی خلافت کی تمنا نہ کریں اس لئے کہ اس کے خلفاء کی شان یہ ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اور نہ شرک کریں گے اور اسی کو قدرت نے پہلے بھی کہا تھا ابراہیمؑ سے کہ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ لوگوں نے پوچھا ظلم کیا تو سورہ لقمان میں دوسری آیت فرما دی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ اسی کو آج اپنے خلفاء کی تعریف میں کہتا ہے کہ لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا معلوم ہوا کہ ایک زمانہ آئے گا جس میں خدا کا بنایا ہوا خلیفہ آئے گا اور دین مرتضیٰ پھیلے گا۔ اچھا تو ایک ہم ہی نہیں امام منتظر کے منتظر ہیں۔ بلکہ بہت گروہ منتظر ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ کوئی عیسیٰ کے انتظار میں ہے۔ کوئی موسیٰ کے کوئی زید ابن علی کے کوئی اسمٰعیل ابن جعفر کے کوئی یحییٰ کے کوئی امام آخر الزمان کے انتظار میں ہے کہاں تک گناؤں اسلام کے تہتر فرقوں میں سے اکثر فرقہ کسی نہ کسی امام کے منتظر ہیں اور علاوہ اسلام کے اہل کتاب بھی منتظر ہیں۔ معتزلہ اور اشاعرہ کے بہت سے گروہ حتیٰ کہ خوارج و نواصب ان میں کے گروہ اور شیعہ تو ہیں ہی ملل و نحل جب میں نے اٹھا کے دیکھی تو اکثر فرقہ انھوں نے بتائے ہیں کہ جو ایک آنے والے کے منتظر ہیں جو آخر زمانہ میں آئے گا۔ اور تمام عالم کو عدل و انصاف سے بھر دیگا۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے بھرا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ سے سُنا سب نے تھا کہ ایک آنیوالا آخر زمانہ میں آئے گا۔ لیکن انطباق میں غلطی ہوئی۔ اختلاف ہوگیا کسی نے کسی کو کہا

کس نے کسی کو یعنی اس میں تنازع ہی نہیں کہ کوئی آنے گا۔ پوچھنا یہ ہے کہ جب اتفاق ہے اس بات پر کہ ایک آنے والا ہے جو عدل و انصاف سے عالم کو بھر دیگا تو یہ کس کا بنایا ہوا ہوگا آیا امت کا یا خدا کا اگر کہئے کہ امت کا تو ہم ہیں گے تو پھر ابھی سے ایسا شخص کیوں نہیں بنا لیتے جو عالم کو اسلام سے لبریز کر دے جس طرح وہ فسق و فجور سے بھرا ہے کاہے کو تاخیر ہو رہی ہے کوئی مسلم نہ چاہتا ہوگا کہ اسلام پھیلے کہنا پڑے گا کہ اگر اختیار میں ہوتا تو بنا ہی لیتے۔ معلوم ہوا کہ امام اپنے بنائے سے نہیں بنتا بحمد اللہ ہمارا کوئی امام بندوں کا تراشا نہیں ہے بلکہ خدا کا بنایا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ آخری امام پر دنیا متفق کہ اگر ہے تو خدا ہی کا بنایا ہوا ہے پھر غیبہ بدل کیوں جائے گا۔ جس طرح سب بنے اسی طرح اس کو بھی بننا چاہیئے۔ اسی وجہ سے ہم پہلی ہی منزل پہ اپنا قدم جمائے رہے کہ خدا کے بنائے سے بنتا ہے۔ بندوں کے ہاتھوں میں اتنا ورجب نہیں کہ وہ اچھے کو برا اور بد صورت کو خوب صورت بنا سکیں لیکن غیر خلیفہ کو خلیفہ اور خلیفہ کو غیر خلیفہ کیا بنا سکتے ہیں اتنی صاف ایت لیکن امت کی سمجھ میں نہ آیا کیوں نہ آیا اس لئے کہ انہوں نے کتاب کو لیا اور دامن عترت کو چھوڑ دیا۔ کسی نے صادقؑ آل محمدؐ سے دریافت کیا مولا کیا وجہ ہے کہ جو چاہتا ہے۔ جس طرح اپنے مطلب پہ قرآن کی آیت کو پیش کرتا ہے۔ جتنے فرقے ہیں وہ اپنے مذہب کی حقیقت کو قرآن ہی سے پیش کرتے ہیں اہل اسلام کے فرقے

اپنے مطلب کے موافق کل مذاہب اسلامیہ جس کو دیکھو وہ قرآن سے
اپنے مذہب کی حقیقت ثابت کرتا ہے۔ حضرت نے جواب دیا
"اِنَّہٗ مَرْکَبٌ ذَلُوْلٌ" قرآن تو ایک سیدھی سواری ہے جس کا جی چاہے
جدھر گھما دے اور جس راستہ پر چلائے چلنے کے لئے تیار ہے لیکن
ہر شخص اس کو چلانے کا راستہ نہیں جانتا ائمہ قرآن کے راستہ جاننے
والوں سے دریافت کرکے کہا جاتا تو کاہے کو یہ اختلاف ہوتا۔ اس
کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ اگر ہمارے علاوہ کوئی دوسرا اسرار قرآنی کا
جاننے والا ہوتا تو اسی کے گھر میں قرآن اُترتا ہمارے گھر میں کاہے
کو اترتا ہمارے گھر میں قرآن کا اترنا بتاتا ہے کہ ہم ہی منازل قرآنی و
عالم اسرار ربانی ہیں، بحمداللہ ہم وہی ہیں کہ جو اہل قرآن کے بتائے
ہوئے راستہ پر نور قرآن کو لے کر چلتے ہیں اور جادۂ حق پہ چل کے
مقصد واقعی تک پہنچتے ہیں اور ہم کو اس آیت نے صاف صاف
بتایا کہ ایک دن آئے گا۔ کہ جس دن آخر ایام دنیا ہوگا اور یوم اول
آخرت ہوگا اسی کی خبر ہم کو حدیث دیتی ہے اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ
الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی
یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑتا ہوں ایک
کتاب خدا اور دوسری اپنی عترت جب تک ان دونوں سے متمسک
رہو گے میرے بعد گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا
نہ ہوں گے جب تک حوض کوثر پر نہ وارد ہوں۔ لہٰذا جتنے اوصاف

قرآن کے لئے ثابت ہوں گے وہ کل اہلبیت کے لئے ثابت ہوں گے اگر قرآن اس قابل ہے کہ بحکم وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ امام کہلائے تو اہلبیت بھی امام یقینی ہوں گے اگر قرآن اب تک باقی ہے تو اہلبیت کا ہونا ضروری ہے اور کوثر تک جدا نہ ہوں گے یہ کوثر پر قرآن کا کیا کام وہ مئے فروشوں کا مقام ہوگا۔ کام ہے پلانے والوں کا یا پینے والوں کا جو نہ پینے والوں میں ہو نہ پلانے والوں میں اس کا کیا کام اب کہئے اس شراب کی تعریف کروں یا جام کی یا ساقی کی اس لئے کہ یا تو یہ کہوں کہ یہ وہ شراب ہے کہ دنیا میں شراب پینے کی جس نے ممانعت کی تھی وہاں وہ خود پینے آئے گا اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم نے اس شراب کے پینے کی ممانعت نہیں کی تھی لَا تَشْرَبُوْا الْخَمْرَ بس دنیا ہی کی شراب تک تھا یا اس لئے کہ جام اس قدر محبوب ہوگا کہ اس کی طرف قرآن بھی نظر اٹھا دے گا۔ یا اس لئے کہ قرآن دنیا میں حکم لا چکا تھا کہ علیؑ کے در پر بھیک مانگنا ملائکہ کے لئے عبادت تھی لہذا وہاں جاکر تصدیق کے لئے خود علیؑ کے سامنے جام کے لئے ہاتھ پھیلا دیگا اور ہر فعل قرآن کا عبادت ہے لہذا یہ فعل بھی عبادت ہوگا۔ یا اس لئے کہ حدیث میں ہے جنّت میں داخل نہ ہوگا۔ وہ شخص جو کوثر کا جام نہ پیے قرآن کو بھی آخر اشتیاق ہوگا۔ جنّت میں جانے کا لہذا حاضر ہوگا۔ کہ علی جام دیجئے تاکہ جنّت جاؤں یا اس لئے کہ اسکو دکھانا ہوگا۔ یہ اللہ سے مانگنے میں کوئی شرم نہیں۔ جب ہیں

جس کو رسول نے ان کا مساوی قرار دیا ہے۔ مانگنے میں نہیں ٹھہرا تو پھر کیا شرمائے یا قرآن کو حوصلہ ہوگا۔ کہ آج چل کر صفوف انبیا میں کھڑا ہوں۔ لہذا ان میں کھڑا ہو کر حوض کو عزت دے گا اور دکھا دیگا کہ انبیاء محمدؐ و آل محمدؐ کا مقابلہ کیا کر سکتے ہیں۔ جب ان کا مداح انبیاء کے برابر نکلا اور ان کے صفوف کے درمیان کھڑا ہوا اس کے بعد قرآن اپنے تبعین کو جنت لے کر جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ حوض کے بعد جنت جائے گا۔ تو ظاہر ہے کہ قرآن کے ساتھ جانے والے وہی ہونگے کہ جو کوثر پر علی کے ہاتھ سے جام پئیں گے اور جو پانی نہ پائیں وہ نہ قرآن کے ساتھ جانے والوں میں ہوں گے نہ قرآن پر عمل ہوگا اب ایک حدیث میں آپ کو یاد دلاؤں۔ صحیح بخاری مطبوعہ مصر دوسری جلد میں منقول ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا قیامت میں کچھ میرے اصحاب کوثر کے کنارے آئیں گے اور آ کر پانی مانگیں گے وہاں سے علیؑ انہیں نکال دیں گے رسول اللہ کہیں گے کہ اصحابی اصحابی اس وقت آواز آئے گی خداوند عالم کی کہ میرے حبیب سچ کہتے ہو کہ تمہارے اصحاب ہیں لیکن تم نہیں جانتے ہو۔ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا اور ملائکہ کو حکم ہوگا کہ ان کو جہنم میں لے جاؤ معلوم ہوا کہ یہ لوگ جو آب کوثر نہ پائیں گے وہ اہل قرآن سے نہ ہوں گے والا قرآن کے ساتھ جنت جاتے جب پیروں کا عمل قرآن پر ثابت نہ ہو سکا تو مریدوں کا عمل قرآن پر کب ثابت ہو سکتا ہے اور جب پیر جنت کی بو نہ سونگھ سکے تو مریدیں

کوئی امید رکھنا چاہیئے کہ جنت میں جائیں گے اس سے بہتر تھا کہ کوثر پر نہ پہنچتے نہ جاتے تو نکالنے کی ذلت سے بچتے یہ کم ذلت ہوگی کہ اولین و آخرین کے سامنے نکالے جائیں گے مگر جن کو دنیا میں نکالے جاتے کی شرم نہ تھی اپنی صحبت سے رسول نے نکالا اور شرم نہ آئی تو وہاں کیا شرم آئے گی۔ اسی لئے شریعت اسلام نے سکھایا تھا کہ سوائے اللہ کسی سے بلا استحقاق نہ مانگو اگر حق ہو تو غیر سے مانگو لیکن بلا حق نہ مانگو کیونکہ اگر نہ دیگا تو ذلت ہوگی ہاں اگر کوئی شخص عذر کرے کہ مانگنے والے نے غیر سے کب مانگا۔ ید اللہ ہی سے تو مانگا اگر غیر سے مانگتے تو ذلت ہوتی۔ تو بہر حال علیؑ نکالیں گے مگر پانی سے ہٹاتے ہوئے آنسو نکل پڑیں گے دل چاہتا ہے پوچھوں مولا وہ تو خوشی کا مقام ہوگا نہ رونے کا کیا عجب ہے فرمائیں سچ ہے مگر مجھ کو اس وقت اپنا فرزند حسین یاد آجائے گا۔ جو کربلا میں اپنے ششماہے بچے کو لیے ہوئے ایک ایک سے پانی مانگ رہا تھا اور کوئی پانی دینے والا نہ تھا۔ جب حسینؑ نے آواز استغاثہ بلند کی تو خیمہ سے رونے کی آواز بلند ہوئی امام در خیمہ پہ آئے فرمایا بیبیوں ابھی حسینؑ زندہ ہے ابھی سے کیوں رو رہی ہو جناب زینبؑ نے جواب دیا بھیا علی اصغر نے آواز استغاثہ سن کر اپنے تئیں گہوارہ سے گرا دیا ہے۔ امام بچے کو لئے ہوئے قتل گاہ میں آئے فرمایا کہ اے قوم اشقیاء اگر تمہارے خیال میں حسینؑ خطاوار ہے۔ تو اس بچے نے تو کوئی خطا نہیں کی ہے۔ اس کی ماں کا دودھ خشک ہوگیا ہے اسے تھوڑا سا پانی

پلا دو جب کسی نے جواب نہ دیا تو امام نے اصغر کو جلتی ہوئی زمین پر
لٹا دیا مسلمانوں! اگر تمہارا خیال ہے کہ حسینؑ خود اس بہانے سے پانی پی
لے گا تو لو میں زمین پر لٹائے دیتا ہوں تم خود آکر اپنے ہاتھ سے پانی پلا
دو جب کسی نے جواب نہ دیا امام بچے کو لے کر ایک ٹیلے پر پہنچے فرمایا
بیٹا تم بھی حجت خدا کے بیٹے ہو اپنی حجت تمام کر دو۔ معصوم نے اپنا ننھا سا
منہ کھولا سوکھی زبان سوکھے ہوئے ہونٹوں پر پھرانا شروع کی مطلب یہ
تھا کہ اے کلمہ گویوں میں پیاسا ہوں اس حالت کو دیکھ کر اشقیا میں تہلکہ
مچ گیا۔ ابن سعد نے حرملہ سے کہا اُقْطَعْ کَلَامَ الْحُسَیْنِ اے حرملہ تو نے امیر
شام کا مدتوں نمک کھایا ہے حسینؑ کا کلام قطع کر دے۔ لوعزادارو! حسین
کا کلام قطع ہوتا ہے حرملہ نے ایک تیر ایسا چلّہ کمان میں جوڑ کے مارا فَانْقَلَبَ
الصَّبِیُّ عَلٰی یَدَیِ الْاِمَامِ امام کے ہاتھوں میں بچہ الٹ گیا۔ بچے کا گلا چھدا
حسینؑ کا بازو چھدا رباب کا دل چھدا عزاداروں کے جگر چھدے۔ حسینؑ
نے بچے کو ایک قبر کھود کے دفن کیا رباب کی کمائی سپرد خاک کی ہے

نھی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کے ۔۔۔ شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان لانے والو خدا کو بہت یاد کیا کرو اور
صبح و شام اس کی تسبیح پڑھتے رہو جب انسان اعتقادات کے ذریعہ

سے ایمان باللہ حاصل کر چکا تو اب ضرورت ہے کہ اپنی عبدیت خدا کے سامنے پیش کرے ضرورت ہے کہ اظہار عبدیت کے واسطے عبادت کرے ۔ عبدیت کو خدا کے سامنے پیش کرنے کی تین صورتیں ہیں دل سے تصدیق کرنا زبان سے اقرار کرنا اعضاء کے ذریعہ سے عمل کرنا پہلے دل کی تصدیق ہے جو تمام طریقوں پر مقدم ہے اور اسی کا نام ایمان ہے اس لئے انسان کا وہ اشرف گروہ جو اپنی عبدیت خدا کے سامنے بذریعہ تصدیق قلب پیش کر کے سند ایمان حاصل کر چکا ان کو مخاطب کر کے پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے کہ اے ایمان لانے والو تم نے دل سے تو اپنی عبدیت کا میری درگاہ میں اقرار کیا اور ایمان بالقلب کی منزل طے کی مگر ابھی دو منزلیں باقی ہیں۔ زبان کے ذریعہ میرا ذکر کر کے اقرار باللسان کی منزل اور اس کے بعد صبح و شام میری عبادت کر کے عبدیت کا اعضاء کے ذریعہ سے اقرار۔ اس لئے کہ اگر تم نے محض دل سے تصدیق کی اور نہ زبان و عمل سے عبدیت کا ثبوت نہ دیا تو دعویٰ بلا دلیل قابل سماعت نہ ہوگا لہذا جس طرح ہر دعوے کے لئے دو گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت وہ دعویٰ پایہ ثبوت پہ پہنچ کر قابل سماعت قرار پاتا ہے اسی طرح دل کی تصدیق پر اس کے دونوں گواہ پیش کرو تو تمہارا دعوئے ایمان ثابت ہو جائے اور اقرار لسانی اور عمل اعضاء جب تمہارے ایمان کے گواہ بن جائیں گے تو اب تمہارا ایمان ثابت ہو جائیگا اور اس قابل ہو جائے گا کہ خدا کی طرف سے تم پر رحمت نازل کی جائے

دوسرے مقام پر بھی اسی کو حدیث قدسی میں اس طرح ارشاد کیا ہے عَبْدِیْ کُنْ لِیْ اَکُوْنُ لَکَ اسے میرے بندے تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں گا مقصود یہ ہے کہ دل کو میری تصدیق میں صرف کر دے زبان کو میرے ذکر میں صرف کر دے اعضاء کو میرے بتائے ہوئے اعمال میں صرف کر دے جب اپنے تمام اعضاء کے ذریعہ سے میرے کاموں میں غرق ہو کر میرا بندہ بن جائے گا تو میں بھی تیرے لئے ویسا ہی معبود ہو جاؤں گا۔ یہ دنیا کا قاعدہ ہے ایک باپ کے بہت سے بچے ہوتے ہیں۔ ایک آقا کے بہت سے غلام ہوتے ہیں ایک مالک کے بہت سے نوکر ہوتے ہیں۔ مگر مالک اسی نوکر کو اور آقا اسی غلام کو باپ اسی بیٹے کو زیادہ چاہتا ہے جو اس کا مطیع ہوتا ہے بیٹے کی اطاعت جس قدر بڑھتی جاتی ہے۔ باپ کی شفقت اسی کے ساتھ بڑھ جاتی ہے غلام کی خدمت جس قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے آقا کا رحم و کرم اس کے ساتھ زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ نوکر کی خیر خواہی میں جتنا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مالک کی نظر میں اتنا ہی عزت دار ہوتا جاتا ہے۔ اور یہی عدل کہلاتا ہے۔ چونکہ تقاضائے عدل یہی ہے۔ اسی لئے وہ خدائے عادل بھی اپنے بندوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندے تو میرے لئے ہو جا اور تمام اعضاء کو میری ہی اطاعت میں صرف کر میں بھی تیرا ہو کر اتنا ہی تجھ پر مہربان ہوتا جاؤں گا۔ تو جس قدر اپنے ایمان کو قوی کرتا جائے گا۔ اسی قدر تیری روح حق میں جذب ہوتی جائے گی۔ جس قدر زبان سے ذکر کرتا جائے گا

عالم غرور سے دور مالک غفور سے قریب ہوتا جائے گا۔ جس قدر میری راہ میں عمل کرتا جائیگا۔ مجھ سے قریب ہوتا جائے گا پہلے تو میرا بننے کی کوشش کر اس کے بعد تو میں خود تیرا ہو جاؤں گا۔ یہ بھی اُس کا رحم وکرم اور تفضل ہے کہ اُسی نے قلب بنایا اُسی نے زبان عطا کی اُسی نے اعضاء دیئے اُسی نے ذکر وعمل کی طاقت دی اُسی نے ذکر کرنا سکھایا عمل کا طریقہ بتایا اور فدا تیری رحمت کے کہ خود ہی کہتا ہے کہ اگر میری دی ہوئی چیزوں کو میری راہ میں صرف کردے تو اے بندہ میں تیرا ہو جاؤں گا۔ امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ذکر خدا وہ مفید شے ہے کہ رسالتمآب اپنے اُس بھائی کو جسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتے تھے وصیت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں اَوْصَی النَّبِیُّ اِلٰی عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ یَا عَلِیُّ اُحْفِظِ التَّوْحِیْدَ فَاِنَّہٗ رَاْسُ مَالِیْ لِزِمِ الْعَمَلَ فَاِنَّہٗ حِرْفَتِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ فَاِنَّھَا قُرَّۃُ عَیْنِیْ وَاذْکُرِ الرَّبَّ فَاِنَّہٗ بَصِیْرَۃُ فُؤَادِیْ وَاسْتَعْمِلِ الْعِلْمَ فَاِنَّہٗ مِیْرَاثِیْ رسول اللہ نے علیؑ ابن ابی طالب سے وصیت کی یا علی توحید کی حفاظت کرنا کیونکہ وہ میرا راس المال ہے اور عمل کو نہ چھوڑنا کیونکہ وہ میرا پیشہ ہے اور نماز کو تمام رکھنا کیونکہ وہ میری روشنی چشم ہے اور ذکر خدا سے غافل نہ ہونا کیونکہ وہ میرے قلب کی بینائی ہے اور علم کو صرف کرتے رہنا کیونکہ وہ میری میراث ہے اپنی طرف ان تمام باتوں کو منسوب کرنا اور امیر المومنین کو ان سب کے متعلق وصیت کرنا اور یہ کہنا کہ ا۔

اِحْفَظِ التَّوْحِيْدَ فَاِنَّهٗ رَأسُ مَالِیْ اے علیؑ توحید کی حفاظت کرنا کیونکہ توحید میرا راس المال ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم خدا کو ہمیشہ بوحدت یاد کرنا کیونکہ علیؑ تو خود سید الموحدین تھے اور پھر اگر یہ معنی لیے بھی جائیں تو راس مال کے کچھ معنی نہیں رہتے۔ اس لئے کہنا پڑے گا کہ یہاں توحید سے مراد اسلام ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اے علیؑ اسلام کی حفاظت کرنا کیونکہ یہی میرا سرمایہ حیات ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ وَالْزَمِ الْعَمَلَ فَاِنَّهٗ حِرْفَتِیْ دنیا کا کوئی پیشہ ہے ایک باکمال پیشہ ور اپنا پیشہ اسی کو بتا کر اپنا قائم مقام اس پیشہ میں بناتا ہے۔ جس سے اسے امید ہو کہ میرے تمام شاگردوں میں سب سے بہتر یہ انجام دے گا۔ رسالتمآب نے عمل خیر کو اپنا پیشہ قرار دے کر فرمایا کہ اے علیؑ تم میرے اس پیشہ کو لازم رکھو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں پیغمبرؐ کے بعد اگر عمل خیر کو پیغمبرؐ کی طرح کوئی بجا لا سکتا تھا تو صرف علیؑ کی ذات تھی وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ فَاِنَّهَا قُرَّةُ عَیْنِیْ دنیا میں اور لوگوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور چیزوں سے پہنچتی ہے لیکن پیغمبرؐ کی آنکھوں کو نماز سے ٹھنڈک پہنچتی تھی وَاذْكُرِ الرَّبَّ فَاِنَّهٗ بَصِيْرَةُ فُؤَادِیْ یا علیؑ اپنے خدا کو یاد کرتے رہنا کیونکہ یہی میرے دل کی بصیرت ہے نماز خود ذکر ہے مگر اظہار خصوصیت کے لئے علیحدہ ارشاد فرمایا کہ خدا کو ہر وقت یاد کرتے رہنا تاکہ جس طرح ذکر خدا نے میرے دل میں بصیرت پیدا کر دی اسی طرح تمہارے دل میں بھی بصیرت پید

کر دے پھر وصیت فرماتے ہیں۔ اَقِیْمُوا الصَّلوٰۃَ کیا پیغمبر کو علیؑ سے
اُمید نہ تھی کہ وہ نماز قائم رکھیں گے۔ یا ذکر خدا کریں گے۔ یہ بات نہیں
ہے بلکہ فرمارہے تھے علیؑ سے سنا تھا آپ کو کہ دیکھو میری اُمّت والو
نماز نہ چھوٹنے پائے اور ذکر خدا سے کبھی غافل نہ ہونا ورنہ دل مردہ ہو
کر رہ جائے گا۔ وَاسْتَعْمِلِ الْعِلْمَ فَاِنَّہٗ مِیْرَاثِیْ اے علیؑ علم کو صرف
کرنا یہ میری میراث ہے جو میں تمہیں دیتا ہوں دنیا میں اگر کوئی شئے
ناجائز طریقہ سے لی جاتی ہے تو وہ شرعاً قابل استعمال نہیں ہوتی۔ اگر
بلا اجازت مالک کسی کے گھر میں نماز پڑھے تو وہ نماز ناجائز ہوتی ہے
اسی طرح علم رسولؐ اگر اسی طریقہ سے لیا جائے جس طریقہ سے رسولؐ
نے بتایا ہے تو جائز ہوگا۔ ورنہ ناجائز ہوگا۔ آپ نے تمام متعلمین
اُمت کو علم حاصل کرنے کا ایک راستہ بتایا ہے کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ
وَعَلِیٌّ بَابُھَا میں شہر علم ہوں علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ فَمَنْ اَرَادَ
الْمَدِیْنَۃَ فَلْیَاْتِ الْبَابَ جو شہر میں آنا چاہے اُسے لازم ہے کہ دروازہ
سے آئے مقصد یہ ہے کہ جس کو میرا علم حاصل کرنا ہے اگر علیؑ کے ذریعہ
سے لے تو وہ جائز ہوگا ورنہ جائز نہ ہوگا چونکہ خود علیؑ در ہیں۔ اس لئے
ان کے لئے کوئی شرط نہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ اے علیؑ تم میرے علم کو
تقسیم کرنا یہ میری میراث ہے اس کے جائز الاستعمال ہونے میں تمہارے
لئے نہ کوئی شرط ہے نہ شک ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ پیغمبرؐ کی میراث پیغمبرؐ
کے فرزندوں میں تقسیم ہوتی اور علم رسولؐ کے وارث حسنؑ وحسینؑ ہوتے

جن کو خود پیغمبر نے اپنا فرزند کہا ھٰذَانِ ابنائی اور آیت مباہلہ کے ذریعہ سے خدا نے بھی ان کو فرزندان رسول قرار دیا پھر اولاد ہوتے ہوئے علیؑ کا وارث علم رسول ہونا عجیب چیز ہے اس لئے کہ داماد کو نواسوں کے ہوتے ہوئے میراث نہیں ملتی ہے۔ لیکن میراث اولاد کی طرف تو اس وقت منتقل ہوتی ہے جب اپنا نفس نہ موجود ہو اور جب تک اپنا نفس موجود ہے اس وقت تک اولاد کو میراث نہ ملے گی آیت مباہلہ سے حسنینؑ کا فرزند رسول ہونا ثابت ہوتا ہے اسی آیت میں علیؑ کا نفس رسول ہونا اسی لئے ثابت کر دیا تاکہ علیؑ کا حق حسنینؑ پر مقدم ہو جائے۔ قرآن میں ذکر اللہ مختلف مقامات پر استعمال ہوا ہے اور مفسرین میں اختلاف ہے کہ ذکر خدا سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے ذکر سے مراد قرآن لیا ہے۔ جس طرح ارشاد ہوتا ہے وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ اے رسول یہ قرآن تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے ذکر ہے دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اے رسول ہم نے ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اگر یہاں بھی ذکر سے مراد قرآن لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن بہت پڑھا کرو دوسری تفسیر ذکر کی یہ ہے کہ ذکر سے مراد رسول ہے چنانچہ قرآن نے ایک مقام پر ارشاد کیا ہے قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ خدا نے ذکر نازل کیا جو رسول ہے اور یہی رسول تم پر آیات خدا کی تلاوت کریگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور رسول دونوں ہم مرتبہ ہیں کیونکہ

خدا نے ان دونوں کو ایک ہی نام سے یاد کیا ہے اور پھر یہ عجیب بات ہے کہ قرآن بھی ذکر رسول بھی ذکر رسول کے لئے قرآن ذکر قرآن کے لئے رسول ذکر قرآن میں ذکر رسول قلب رسول میں قرآن قرآن کا ذکر قلب رسول میں رسول کا ذکر قلب قرآن میں نہ قرآن رسول سے خالی تھا اور نہ رسول قرآن سے خالی تھے۔ جب قرآن و رسول ایک ہی ہیں تو جو اہل رسول ہونگے وہی اہل قرآن بھی ہوں گے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ذکر سے مراد تسبیح و تقدیس ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ نماز مراد ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ذکر سے مراد آل محمدؐ ہیں لیکن یہ روایات جمع یوں ہو سکتے ہیں کہ ذکر خدا سے مراد یہ لیا جائے کہ وہ تذکرہ جس سے خدا یاد آجائے عام اس سے کہ خود خدا کا ذکر کر کے خدا یاد کیا جائے یا ایسے لوگوں کا ذکر کیا جائے جن کا ذکر خدا کو یاد دلاتا ہے۔ محمد و آل محمد اسی لئے ذکر خدا کہلائے کہ ان کے ذکر سے خدا یاد آتا ہے۔ پیغمبر اسلام بھی فرما رہے تھے زَیِّنُوا مَجَالِسَكُمْ بِذِكْرِ عَلِيِّ ابْنِ اَبِي طَالِبٍ فَاِنَّ ذِكْرَهُ ذِكْرِي وَذِكْرِي ذِكْرُ اللّٰهِ وَذِكْرُ اللّٰهِ عِبَادَةٌ معلوم ہوا کہ آل محمدؐ کا تذکرہ محمدؐ کا ذکر ہے اور محمدؐ کا ذکر خدا کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا اب اگر کوئی محمدؐ و آل محمدؐ کا تذکرہ کرے تو یہ نہ کہیے گا کہ خدا کے ذکر سے غافل ہے ہم علیؑ کا ذکر اس لئے کرتے ہیں تاکہ ایک ذکر سے تینوں ذکر ہو جائیں علی کا بھی ذکر رسول کا بھی ذکر خدا کا بھی ذکر اور اسی لئے ہم ان مجلسوں کو نماز سے کم نہیں سمجھتے اس لئے کہ جن کا ذکر نماز میں ہوتا ہے انہیں کا ذکر مجلسوں میں ہوتا ہے اور جب ہم محمد و آل محمد کو ذکر

کرتے ہیں تو ہماری عقل کمال توحید تک کس آسانی سے پہنچتی ہے کہ جس خدا کے بندے اتنے باکمال تھے وہ خدا کیسا ہوگا علاوہ بریں پیغمبر خدا ارشاد فرما چکے ہیں کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ جیسے خدا کو پہچانتا ہو اپنے نفس سے پہچانے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کی وحدت سے اس کی وحدت اس کی بیداری سے اس کا لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ہونا اس کی حفاظت جسد سے اس کا حافظ ہونا اس کا محل مقرر نہ ہو سکنے سے اس کا لامکان ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ پھر دنیا غور کرے کہ جب اپنے نفس سے خدا کی معرفت اس حد پر ہوتی ہے۔ تو پھر نفس نفیس اللہ سے خدا کی کتنی معرفت حاصل ہوگی۔ ہماری مجلسوں کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ کچھ بے سمجھے بوجھے واہ واہ کیجئے۔ بلا معرفت حسینؑ رو دیجئے اور تبرک لے کے گھر جائیے تو سب بھلا کر سو رہیئے۔ اصلی غرض ان مجالس کی یہ ہے کہ جو نہیں معلوم ہے اسے معلوم کیجئے تاکہ جہل بسیط سے نجات حاصل ہو جو معلوم ہے۔ اس کی تصحیح کے لئے منطبق کیجئے تاکہ جہل مرکب سے نجات ملے۔ جن کی اقتدار لازمی قرار دی ہے ان کی حالت و سیرت سن کر تتبع کی کوشش کیجئے ان کے اخلاق سن کر اپنے اخلاق کی اصلاح کیجئے یہ دیکھئے کہ غریبوں مسکینوں۔ یتیموں۔ بیواؤں بیکسوں مسافروں کے ساتھ رحم و کرم پیدا ہو۔ ان کے حالات عبادت سنئے تاکہ اطاعت الٰہی کا جذبہ پیدا ہو۔ ان کی شجاعت آپ کے دلوں میں بہادری کی امنگ پیدا کرے۔ ان کا صبر آپ میں قوت صبر ان کے مصائب

میں حمد و شکر آپ میں ثابت قدمی پیدا کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے اخلاق سے آپ کے اخلاق درست ہوں ان کے اعمال سے آپ کے اعمال درست ہوں ان کے حالات سے ان کی معرفت پیدا ہو۔ ان کی معرفت سے خدا کی معرفت حاصل ہو اور آخر میں اپنے دامن عصیاں کو دھونے کے لئے ان کو پہچان کر ان پر آنسو بہائیے۔

بہر حال ذکر خدا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے حضرت نے فرمایا مَا مِنْ شَیْئٍ اِلَّا وَلَهٗ حَدٌّ یَنْتَهِیْ اِلَیْهِ اِلَّا الذِّکْرُ فَلَیْسَ لَهٗ حَدٌّ یَنْتَهِیْ اِلَیْهِ مطلب یہ ہے کہ نماز پنجگانہ خدا نے واجب کی مگر جو اسکو خضوع و خشوع کے ساتھ ادا کرے اس کی حد ختم ہوگئی۔ سال میں ایک ماہ کے روزے واجب ہیں جو رکھے اس کی حد ختم ہوگئی۔ حج بیت اللہ واجب ہے زندگی میں جب کبھی ایک بار ادا کرے حد ختم ہوگئی۔ رگیا ذکر تو اس کے لئے کوئی حد ہی نہیں۔ اس کے بعد حضرت نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی کہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَشِیْعَتُنَا اِذَا خَلَوْا ذَکَرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا ہمارے دوست جب بھی اکیلے بیٹھتے ہیں خدا کا بہت ذکر کرتے ہیں معلوم ہوا خدا کا بہت ذکر کرنا یہ پہچان ہے دوستان اہلبیت کی جب دوست اہلبیت وہ ہے جو ذکر خدا کرتا ہو۔ تو جب کوئی شخص دوست اہلبیت کے پاس بیٹھے گا تو خدا اسے بھی یاد آجائیگا جب اہلبیت کے دوستوں کے پاس بیٹھنے سے خدا یاد آتا ہو۔ تو اہلبیت کیونکر ذکر خدا کا ذریعہ نہوں گے۔ چونکہ قدرت نے وعدہ کیا تھا کہ

اُذْکُرُونِیْ اَذْکُرْکُمْ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ محمد وآل محمد نے خدا کا اتنا ذکر کیا کہ اور تو اور سا انبیاء میں نہیں ملتا۔ خدا پر بھی وعدہ پورا کرنا واجب ہے کہ اہلبیت کا ذکر کرے اس لئے اُس نے وعدہ وفا کرنے کے لئے ہر مقام پر اپنے ذکر کے ساتھ اہلبیت کا بھی ذکر شامل کر دیا۔ قرآن خدا کی کتاب اس میں اہلبیت کا ذکر نماز ذکر خدا اس میں محمد و آل محمد کا ذکر کعبہ خدا کا گھر اس میں اہلبیت کا ذکر اذان خدا کا ذکر اس میں اہلبیت کا ذکر شامل ہے، عوض کے لئے شرط ہے کہ معوض بہ کے مطابق ہو۔ اس لئے ضرورت ہے کہ پہلے اس کا ذکر کروں کہ محمد وآل محمد نے خدا کا ذکر کیوں کر کیا تاکہ معلوم ہو کہ خدا کو اہل بیت کا ذکر کیونکر کرنا چاہیئے سرورکائنات ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اور علی ایک نور سے ہوں اور جب سے ہم دونوں کا نور پیدا ہوا برابر تسبیح و تقدیس خداوند عالم کرتے رہے۔ اس کے بعد یہ نور سراپردہ الٰہی میں رہا تو تسبیح و تقدیس کرتا رہا۔ اس کے بعد جب حجاب قدرت میں یہ نور آیا تو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَبِحَمْدِہٖ بارہ ہزار سال تک کہتا رہا۔ حجاب قدرت سے نکل کے حجاب عظمت میں آیا تو گیارہ ہزار سال تک سُبْحَانَ عَالِمِ السِّرِّ وَالْخَفِیِّ کہتا رہا حجاب عظمت سے نکل کے جب حجاب ہیبت میں آیا تو نو ہزار سال تک سُبْحَانَ مَنْ ھُوَ غَنِیٌّ لَا یَفْتَقِرُ کہتا رہا حجاب ہیبت سے نکل کے جب حجاب ہیبت میں آیا تو نو ہزار سال تک سُبْحَانَ مَنْ ھُوَ غَنِیٌّ لَا یَفْتَقِرُ کہتا رہا حجاب ہیبت سے نکل کے جب حجاب عزت میں آیا تو دس ہزار سال

یہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْمَنَّانِ کہتا رہا۔ حجاب عزت سے نکل کے جب حجاب جبروت میں پہنچا تو آٹھ ہزار سال تک سُبْحَانَ الْکَرِیْمِ الْاَکْرَم کہتا رہا۔ جب حجاب جبروت سے نکل کر حجاب رحمت میں پہنچا تو سات ہزار سال تک سُبْحَانَ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْم کہتا رہا جب حجاب رحمت سے نکل کے حجاب نبوت میں آیا تو چھ ہزار سال تک سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْن کہتا رہا اسی طرح کل حجب میں ذکر الٰہی کرتا رہا۔ جب حجب کی منزل میں تذکرہ کر چکا تو دریائے علم و عظمت میں صبر میں غوطہ دیا گیا۔ جب یہ نور غسل کر چکا تو قدرت نے آواز دی اے میرے حبیب اے بہترین پیغمبران اے ابتدائے آفرینش یہاں تک تو یہ نور چپ لیکن جب قدرت نے آواز دی کہ اے شفیع روز جزا تو یہ نور سجدہ میں گر پڑا جب سجدہ سے سر اٹھایا تو ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرہ پسینے جبینِ نور سے ٹپکے ہر قطرہ کے اندر نور نبوت چمکا اور اتنے ہی انبیاء انہیں قطرات سے قدرت نے پیدا کئے، جسکے پسینہ کا قطرہ نبی بن جائے اگر اسکے ٹکڑے انبیاء سے بہتر ہوں تو کیا تعجب ہے الغرض انبیاء نے اس نور کا طواف کرنا شروع کیا آواز آئی کہ تم لوگ مجھے پہچانتے ہو۔ سب سے پہلے محمدی نے جواب دیا۔ اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ شَرِیْكَ لَكَ رَبَّ الْاَرْبَابِ وَمَلِكَ الْمُلُوْك نور محمدؐ و آل محمدؐ کی رٹن کر تمام انبیاء نے ذکر الٰہی شروع کیا ایسا تو ذاکر ہو جس کا ذکر سن انبیاء ذاکر بن جائیں۔ اس کے بعد عرش و کرسی و لوح کو پیدا کیا اور لوح

سے قلم کو پیدا کیا حکم دیا کہ میری توحید لکھ قلم نے پوچھا پالنے والے کیا
لکھوں جواب ملا لکھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ قلم نے نام محمدؐ
سنتے ہی پوچھا کہ اے پالنے والے یہ محمدؐ کون ہیں - جن کے نام کو تو نے
اپنے نام کے ساتھ اور جن کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ رکھا ہے جواب ملا
کہ اے قلم اگر ان کو نہ پیدا کرتا تو میں کسی مخلوق کو خلعت وجود ہی نہ دیتا میں
نے اسی کے لئے سب کو پیدا کیا اے قلم یہ وہ میرا بندہ ہے جو میری جانب
سے بشیر و نذیر ہوگا۔ قیامت میں گنہگاروں کی بخشش کا آسرا و سفارش کرنیوالا
ہوگا۔ یہ نور عرش و کرسی سدرۃ المنتہیٰ جنت اور آسمانوں پر تسبیح و تقدیس
کے ساتھ ذکر الٰہی کرتا رہا آخر مشیت ایزدی مقتضی ہوئی کہ آدم خلعت وجود
سے سرفراز کئے جائیں تو جبرئیل امین کو حکم ہوا کہ ایک قبضہ ہر قسم کی مٹی کا
زمین سے لائیں ابلیس قبل جبرئیل زمین پر پہنچا اور اس نے زمین سے کہا کہ
خدا نے بذریعہ ملائکہ ایک مٹھی مٹی تجھ سے منگوائی ہے تاکہ ایک مخلوق کو
تجھ سے بنائے ۔ اس کے بعد اسپر عذاب کرے جس وقت تیرے پاس
ملائکہ آئیں تو تو کہدینا کہ میں خدا سے پناہ مانگتی ہوں کہ جو مجھ سے بنے وہ
آگ میں جلایا جائے جب جبرئیل امین زمین پر مٹی لینے آئے تو زمین نے
فریاد شروع کی جبرئیل واپس گئے اور عرض کیا پروردگارا زمین نے مجھ سے
فریاد کی مجھے رحم آگیا اسی طرح میکائیل اور اسرافیل آئے اور واپس
گئے اس وقت حق تعالیٰ نے عزرائیل کو بھیجا حسب معمول زمین نے فریاد
اور خدا سے پناہ مانگی - عزرائیل نے جواب دیا میں بھی خدا سے پناہ مانگتا

ہوں کہ اس کی نافرمانی کروں اور بغیر مٹی لئے ہوئے واپس جاؤں آخر عزرائیل مٹی لے کر واپس ہوئے اس وقت خدا نے عزرائیل کی طرف وحی کی کہ اے عزرائیل میرے تمام ملائکہ نے زمین پر رحم کھایا مگر تجھے رحم کیوں نہ آیا اس نے عرض کی کہ پروردگار تیری اطاعت اور حکم کی پابندی مجھے رحم سے بہتر ہے حکم ہوا کہ اچھا عزرائیل میں نے یہ مٹی اس لئے منگائی ہے کہ اس سے انبیاء و اولیاء صلحا اچھے بڑے بندے پیدا کروں اور ان کی روح کا قبض کرنے والا تجھے بناؤں گا۔ آخر پیکرِ آدمؑ تیار ہوا اور وہ نور جواب تک عالم بالا میں ذکرِ الٰہی کر رہا تھا۔ صلبِ آدمؑ میں ودیعت کیا گیا۔ یہ نور ہر محل پر ذکرِ الٰہی کرتا رہا جہاں اور جس منزل میں رہا ذکرِ الٰہی کرتا رہا آدمؑ کے صلب میں ذکر کیا نوحؑ کے ساتھ سفینہ میں ذکر کیا ابراہیمؑ کے ساتھ آتشکدۂ نمرود میں ذکر کیا اسمٰعیلؑ کے ساتھ چھری کے نیچے ذکر کیا ہاشمؑ کے صلب میں ذکر کیا۔ عبدالمطلب کی جبین میں ذکر کیا عبداللہ کی پیشانی میں ذکر کیا جب پیدا ہوئے تو سب سے پہلے خدا کا ذکر کیا کبھی فاران کی چوٹی پر خدا کا ذکر کیا کبھی شعیب کی گھاٹیوں میں ذکر کیا کبھی مکہ کی پتھریلی زمین پر ذکر کیا کبھی غار ثور میں ذکر کیا کبھی حدیبیہ کے سبزہ زار میں خدا کا ذکر کیا۔ کبھی مسجد کے اندر خدا کا ذکر کیا کبھی میدانِ جنگ میں خدا کا ذکر کیا۔ سوئے تو خدا کا ذکر جاگے تو خدا کا ذکر فاقوں میں خدا کو نہ بھولے لڑائی میں خدا کو یاد کیا۔ خندق کھودنے میں ذکر خدا کیا غالب ہوئے تو خدا کا ذکر کیا۔ اپنوں میں بیٹھے تو خدا کا ذکر کیا غیروں میں بیٹھے تو خدا کا ذکر کیا بچپنا خدا کے ذکر میں گذرا

جو اُن خدا کے ذکر میں گذری اول عمر سے آخر ساعت موت تک خدا کا ذکر کیا۔ دنیا سے چلے گئے مگر ابھی تک انھیں کی ذات سے خدا کا ذکر دنیا میں باقی ہے بہر حال محبوب نے حبیب کو اٹھتے بیٹھتے ہر وقت یوں یاد کیا کہ آخر حبیب خود پکار اٹھا طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى اے میرے پاک محبوب میں نے قرآن تیرا س لئے نہیں نازل کیا ہے کہ تم اپنے کو مصیبت میں ڈال دو۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا اے کملی میں لپٹے ہوئے رات کو عبادت اور ذکر الٰہی کے لئے اٹھا کرو مگر اتنا نہیں اسی طرح امیر المومنین اول عمر سے آخر عمر تک خدا کا ذکر کرتے رہے اور ہر وقت ہر حال میں خدا کا ذکر کیا آپ کے کلمات ذکر الٰہی بہت مشہور خطبہ جس پر فصحا آج تک انگشت بدنداں ہیں اور علمار کلام محو حیرت ہیں دیکھنے کے قابل ہے۔ بڑے بڑے علمار اسلام جب اس خطبہ کو دیکھنے بیٹھے تو قلم رکھ کے پہلے مدح کرلی اس کے بعد شرح لکھی ہے علامہ ابن ابی الحدید معتزلی سا شخص بھی جب شرح لکھنے بیٹھا تو اقرار کر لیا کہ علی کا کلام تَحْتَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَفَوْقَ كَلَامِ الْبَشَرِ ہے اگر تمام عالم کا کلام ایک طرف رکھا جائے اور علی کے چند کلمات ایک طرف تو علی ہی کا کلام وزنی ہوگا آپ فرماتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَا يَبْلُغُ مِدْحَتَهُ الْقَائِلُوْنَ وَلَا يُحْصِىْ نَعْمَائَهُ الْعَادُّوْنَ جمیع حمد اس خدا کے لئے ہے جس کی حد مدح تک مداح پہنچ نہیں سکتے اور جس کی نعمتیں شمار کرنے والے شمار نہیں کر سکتے مقصد یہ ہے کہ خدا اپنی بے شمار نعمتوں کی وجہ سے بے انتہا مدحتوں کا

مستحق ہے جب ساری دنیا کے بولنے والے خواہ ملائکہ ہوں یا انسان یا جن سب مل کے اس کی ایک مدح کا حق نہیں ادا کر سکتے تو جتنی مدحتوں کا وہ مستحق ہے اس کی حد تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ چونکہ مداح ممکن الوجود ہیں اور ممدوح واجب الوجود۔ ممکن الوجود کتنی ہی ترقی کرے۔ واجب تک نہیں پہنچ سکتا تو کلام ممکن مدح واجب کا حق کیونکر ادا کر سکتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں وَلَا یُحْصِی نَعْمَائَہُ الْعَادُّوْنَ اور شمار کرنے والے اس کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے۔ علیؑ کا کلام کلامِ الٰہی سے کتنا ملتا جلتا ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اگر تم خدا کی نعمت کا شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ علیؑ کا کلام کلام الٰہی سے کتنا ملتا جلتا ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اگر تم خدا کی نعمت کا شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ وَلَا یُؤَدِّیْ حَقَّهٗ الْمُجْتَهِدُوْنَ اور کوشش کرنے والے خدا کے حق کو ادا نہیں کر سکتے وہ لوگ جنہوں نے اپنی زندگی ادائے حقوق الٰہی میں صرف کر دی اور اس کے حق کو ادا نہ کر سکے اور کسی کا تذکرہ کیا خاتم المرسلین نے ادائے حقوق الٰہی میں کس قدر کوشش کی مگر آخر حق نہ ادا کر سکنے کی معذرت اس کی درگاہ میں پیش کر دی اور اپنی امت کو تعلیم دے گئے کہ دیکھو اگر چاہتے ہو کہ اس کی رحمت تم سے قریب ہو جائے تو میری طرح تم بھی معذرت پیش کر دینا اور یہ سمجھ لینا کہ جب ہمارا نبی باوجود اس کوشش کے خدا کا حق ادا نہ کر سکا تو ہم اس کے حقوق کیونکر ادا کر سکتے ہیں مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ جو تیرے پہچاننے کا حق تھا نہ پہچانا لیکن حبیب کرتو مجبوب

کی ہر ادا پسند ہوتی ہے ادھر بندے نے معذرت کی ادھر یہ ارشاد ہوا
اے محمدؐ تمہاری امت میں جو بھی معذرت کرے گا۔ کہ میں تیرا حق ادا نہیں
کرسکتا اُس کو میں اپنا مقرب بندہ بنا لونگا۔ مقصد یہ ہے کہ اے بندے
اظہار بندگی کے لئے تو انکساری کے ساتھ معذرت کرتا جا جس قدر معذرت
کرتا جائے گا۔ میری رحمت اپنے دامن میں لیتی جائے گی اس کا حق ادا
ہو تو کیونکر اس لئے کہ اسی کے بنائے ہوئے وہ اعضاء جن سے حق ادا
کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اسی کی عطا کردہ طاقت جس کے بھروسہ
پر ادائے حق کی سعی کیجا سکتی ہے اسی کی دی ہوئی سمجھ جس کے ذریعہ سے ذرائع
سمجھے جاسکتے ہیں تو پھر حق کیونکر ادا ہو۔ کس قدر کریم ہے۔ معبود خود اعضاء
دیئے خود طاقت دی خود عقل و فہم عطا کیا اور پھر اگر اس کی راہ میں عمل خیر
کیا جائے تو ثواب ایک کا دس گنا دینے کے لئے تیار ہے اس کے بعد ارشاد
ہوتا ہے لَا يُدْرِكُهُ بُعْدُ الْهِمَمِ وَلَا يَنَالُهُ غَوْصُ الْفِطَنِ وہ وہ خدا ہے
کہ ہمتوں کی انتہا اس کا تدارک نہیں کرسکتی اور سمجھ کی گہرائی اسے پا
نہیں سکتی۔ یہ ذکر الٰہی ہے اور ان لوگوں کا جواب بھی ہے۔ جو خدا کو جسم و
جسمانیات سے متصف کرکے رویت کی تمنا میں ہیں کیونکہ بڑی سے بڑی بات
ہو اگر عقل ممکن سمجھتی ہے تو ہمت اس کے حاصل کرنے پر تیار رہتی ہے اور
گو اعضاء و جوارح کی رسائی نہ ہو مگر عقل و فہم ڈوب کے اسے نکال لاتے
ہیں اہل عقل کی ہمت وہاں پست ہوتی ہے جہاں ادراک و فہم کی پرواز
ختم ہو جاتی ہے فرماتے ہیں کہ ہمت جو کہیں نہ ہاری وہ ادراک ذات

الٰہی میں بے کار ثابت ہوئے اور فہم جو کہیں عاجز نہ ہوا وہ ذات باری میں
تنگ نظر آیا۔ پھر جسے عقل نہ سمجھ سکے ہمت نہ پا سکے اُسے آنکھ کیا دیکھ سکتی ہے
اَلَّذِی لَیْسَ لِصِفَتِہٖ حَدٌّ مَحْدُوْدٌ وَلَا نَعْتٌ مَوْجُوْدٌ وَلَا وَقْتٌ
مَعْدُوْدٌ وَلَا اَجَلٌ مَمْدُوْدٌ ایسا خدا جس کی صفت کے لئے کوئی حد
مقرر نہیں ہے اور کیونکہ اس کی صفت کے لئے حد موجود دوسروں کی حد بندی
کو ہوتا ہو۔ اور نہ کوئی صفت موجود ہے یعنی اس کی ذات میں کوئی
صفت موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ وجود کی دو قسمیں ہیں۔ واجب الوجود
اور ممکن الوجود اگر اس کی ذات میں صفت کا وجود تسلیم کیا جائے۔ تو یا وہ
صفت واجب الوجود ہوگی۔ یا ممکن الوجود اگر واجب الوجود ہے۔ تو
ایک کے بجائے دو واجب الوجود تسلیم کر لینا پڑیں گے ایک اُس کی
ذات واجب الوجود دوسری اس کی صفت واجب و قدیم اور واجب و قد
یم ہوئے تو ہمیشہ دو مابہ الامتیاز و مابہ الاشتراک سے مرکب ہوتے
ہیں اور ہر مرکب مسبوق الاجزا ہوتا ہے اور ہر مسبوق الاجزا حادث
ہے لہٰذا دونوں حادث ہو جائیں گے قدیم نہ رہیں گے۔ اور اگر
صفت ممکن الوجود یعنی حادث ہوگی اور خدا میں پائی جائے گی تو
محل حوادث ہو جائے گا اور جو محل حوادث ہو ممکن ہوتا ہے اس
لئے خدا ممکن ہو جائے گا۔ وَلَا وَقْتٌ مَعْدُوْدٌ وَلَا اَجَلٌ مَمْدُوْدٌ
اس کے لئے کوئی وقت مقرر ہے اور نہ مدت معین ہے اس لئے
وقت نام ہے۔ حرکت فلک کا اور اجل کہتے ہیں مدت کو جس نے

فلک کو پیدا کر کے اُسے مدت بنایا ہو خود اسی کے لئے وقت و مدت کیسے معین ہو سکتے ہیں۔ فَطَرَ الْخَلَائِقَ بِقُدْرَتِہٖ وَنَشَرَ الرِّیَاحَ بِرَحْمَتِہٖ وَوَتَّدَ بِالصُّخُورِ مَیَدَانَ اَرْضِہٖ اس نے تمام مخلوقات کو اپنی قدرت کے ذریعہ سے پیدا کیا۔ ہواؤں کو اپنی رحمت کے ذریعہ پھیلایا زمین کی حرکت کو پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ کے روکا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو پہلے دل میں ارادہ کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کی شکل و صورت کی فکر کرتا ہے۔ پھر اسباب فراہم کر کے ہاتھوں سے بناتا ہے۔ مگر خدا کسی چیز کے بنانے میں نہ فکر کا محتاج نہ شکل و صورت پر غور کرنے کی ضرورت نہ اسباب فراہم کرنے کی حاجت نہ فکر کا محتاج ہوتا تو دل کی ضرورت ہوتی۔ غور کرنے کا محتاج ہوتا تو دماغ کی ضرورت ہوتی نہ اس کے دل نہ دماغ بلکہ وہاں تو قدرت ہی قدرت ہے ادھر علم میں گذرا اور مصلحت مقتضی ہوئی قدرت کاملہ نے اُس مخلوق کو بنا کر دیا جو مسبب الاسباب ہو وہ اسباب کا کیا محتاج ہوگا۔ قدرت سے پیدا کیا رحمت سے ہوائیں چلائیں۔ وتد زمین جو کبھی کبھی حرکت میں آجاتا ہے۔ اگر دنیا چاہے تو اس حرکت کا جس کا نام زلزلہ ہے نہیں روک سکتی۔ یہ اسی کی قدرت ہے کہ پہاڑوں کا بوجھ ڈال کے زمین کا توازن قائم کر کے روکے ہوئے ہے اور جب چاہتا ہے تو حرکت دے دیتا ہے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:- اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتُہٗ وَکَمَالُ مَعْرِفَتِہِ التَّصْدِیْقُ بِہٖ وَکَمَالُ التَّصْدِیْقِ بِہٖ تَوْحِیْدُہٗ وَکَمَالُ تَوْحِیْدِہٖ الْاِخْلَاصُ

لَهُ وَكَمَالُ الْإِخْلَاصِ لَهُ، نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ لِشَهَادَةِ كُلِّ صِفَةٍ أَنَّهَا غَيْرُ الْمَوْصُوفِ وَشَهَادَةِ كُلِّ مَوْصُوفٍ أَنَّهُ غَيْرُ الصِّفَةِ فَمَنْ وَصَفَ اللهَ سُبْحَانَهُ فَقَدْ قَرَنَهُ وَمَنْ قَرَنَهُ فَقَدْ ثَنَّاهُ وَمَنْ ثَنَّاهُ فَقَدْ جَزَّأَهُ وَمَنْ جَزَّأَهُ فَقَدْ جَهِلَهُ

وَمَنْ جَهِلَهُ فَقَدْ أَشَارَ إِلَيْهِ وَمَنْ أَشَارَ إِلَيْهِ فَقَدْ حَدَّهُ وَمَنْ حَدَّهُ فَقَدْ عَدَّهُ وَمَنْ قَالَ فِيمَ فَقَدْ ضَمَّنَهُ وَمَنْ قَالَ عَلَامَ فَقَدْ أَخْلَى مِنْهُ۔ اول دین معرفت ہے اس لئے اگر خدا ہی کو دیکھا تو پھر دین کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلی چیز دین میں معرفت ہے اور اسی پر دین موقوف ہے کیونکہ دین جس کا ہے۔ اگر ہم اسی کو نہ پہچانیں تو اس کا دین کیونکر حاصل کر سکتے ہیں۔ کمال معرفت اس کی تصدیق ہے۔ معلوم ہوا کہ معرفت کبھی ناقص ہوتی ہے کبھی کامل ہوتی ہے معرفت ناقص تو یہ ہے کہ انسان تصور کر لے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جو اس عالم سے افوق ہے اس لئے کہ عالم مخلوق ہے اور ہر مخلوق کے لئے مؤثر کی ضرورت ہے۔ لہذا اس عالم کا بھی کوئی مؤثر ہے اور وہی اللہ ہے لیکن یہ قدر معرفت ناقص معرفت ہے۔ معرفت کامل اس وقت ہوگی۔ جب انسان کا دل الیقین کے مرتبہ پر پہنچ کے مصدق بن جائے۔ کمال تصدیق کو بوحدت یاد کرنا ہے اور کمال توحید یہ ہے کہ خالص توحید کا قائل کسی اعتبار سے شرک نہ ہونے پائے اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو جسم

وجسمانیات عرض وعرضیات سے مبرا سمجھے اس لئے کہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب ممکن ہوتا ہے۔ واجب الوجود نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر عرض محتاج محل ہوتا ہے اور جو محتاج ہو وہ واجب الوجود نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ واجب اُسے کہتے ہیں کہ غنی بالذات ہو۔ لہذا اگر کوئی توحید کو سمجھ لے اور اس کو جسم وجسمانیات عرض وعرضیات سے مُبرا نہ سمجھے تو وہ توحید نہ ہوگی۔ توحید کامل یہ ہے کہ اس کو واحد سمجھتے ہوئے یہ یقین کرے کہ نہ وہ جسم ہے نہ عرض ہے نہ جہت میں ہے نہ محل کا محتاج ہے اور کمال اخلاص یہ ہے کہ اس سے جمیع صفات کی نفی کرے ہوسکتا تھا کہ کوئی اس کا جسم واحد نہ سمجھے لیکن اس کے صفات کی اس میں ترکیب سمجھ لے۔ مثلاً خدا کی ذات میں قدرت پائی جاتی ہے۔ علم پایا جاتا ہے ارادہ یا کلام پایا جاتا ہے۔ تو اگر زائد بر ذات صفات کا محل اسے بنا دیا تو گویا اسے مرکب بنا کے محل کثرت سمجھ لیا پھر یہ خالص توحید نہ ہوگی۔ کیونکہ مخلوقات صفات سے مرکب ہوتے ہیں۔ مثلاً مخلوق اگر عالم ہے تو ضروری ہے کہ ایک ذات ہو جس میں علم پایا جائے تو علم وذات کے عالم بنے۔ اگر یونہیں خدا کے صفات بھی تسلیم کئے جائیں گے تو وہ ذات وصفت سے مرکب ہو جائے گا۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اس کے صفات عین ذات ہیں۔ تاکہ ترکیب نہ لازم آئے خدا عالم بایں معنی نہیں ہے کہ اس میں علم پایا جاتا ہے۔ قادر بایں معنی نہیں ہے کہ اس صفت قدرت پائی جاتی ہے۔ بلکہ جو ذات ہے وہی علم ہے وہی قدرت ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔ جس نے خدا کے لئے صفت قرار دی اس

نے اس کو مقابل قرار دیا اور جس نے مقابل تیار کیا اس نے خدا کو دو سمجھ لیا جس نے دو سمجھا اس نے قابل تقسیم سمجھا اور جس نے دو پر تقسیم قرار دیا وہ اس سے جاہل ہے اور جس نے خدا کو قابل اشارہ سمجھا اس نے حد مقرر کی اور جس نے حد مقرر کی اس نے اس کو محدود سمجھا جس نے کہا کہ کسی چیز میں ہے اس نے خدا کو شامل سمجھا اور جس نے کہا خدا کسی چیز پر ہے اس نے اس سے خالی قرار دیا۔ کَائِنٌ لَا عَنْ حَدَثٍ مَوْجُوْدٌ لَا عَنْ عَدَمٍ ہے۔ مگر یہ نہیں کہ پیدا ہوا ہے موجود ہے مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا ہے دنیا کے جتنے موجودات ہیں وہ پہلے نہ تھے اب ہوئے ہیں لیکن خدا وہ ہے کہ جو اب بھی ہے اور پہلے بھی تھا اسی طرح فاطمہ زہرا کا ذکر الٰہی کہ اپنے خدا کو کیونکر یاد کیا۔ افسوس ہے کہ باوجود تلاش نمونہ کلام نہ مل سکا۔ جسے میں ذکر کرسکوں اور کیونکر نمونہ کلام ذکر الٰہی اس کامل کے جس کی پردہ داری کے لئے خدا نے گھر کو مسجد اور جس پر جہریہ نمازوں کو بھی چپکے چپکے پڑھنا واجب قرار دیا ہو لیکن ہاں وہ کیفیت جو ذکر الٰہی کے وقت آپ پر طاری ہوتی تھی۔ اسے یا رسالتمآب یا امیرالمومنین یا فاطمہ کے بچے حسن حسین کبھی دیکھ لیتے تھے۔ تو اس کا تذکرہ موجود ہے جناب رسالتمآب ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت میری بیٹی فاطمہ محراب عبادت میں کھڑی ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول ہوتی ہے۔ تو خوف خدا سے جوڑ جوڑ کانپنے لگتا ہے اس وقت خداوند عالم ملائکہ سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے ملائکہ تم دیکھتے ہو۔ میری کنیز فاطمہ کو کیونکر میرے خوف سے کانپ رہی ہے اور کس طرح دل سے میری طرف متوجہ ہے ملائکہ گواہ رہنا کہ جو مجھ سے اتنا ڈرے میں اس کی وجہ سے

اس کے دوستوں کو بھی جہنم سے نجات دوں گا لیکن ہاں اتنا یاد رکھئے کہ فاطمہ
تو بڑی چیز ہیں ان کے گھر کی کنیز جناب فضہ کے متعلق تمام اہل تاریخ لکھتے ہیں
کہ بیس سال تک آپ نے سوائے قرآن کے کوئی کلام نہیں کیا جب کوئی ضرورت
ہوتی تھی۔ تو ایک آیت اسی مطلب کی آپ پڑھ دیتی تھیں جس سے سمجھنے والا
مطلب سمجھ جاتا تھا۔ ابوالقاسم قشیری ناقل ہیں کہ ایک شخص نے مجھ سے بیان
کیا کہ میں ایک بار حج کرنے جارہا تھا راستہ بھول کر قافلہ سے چھوٹ گیا میں
نے ایک ضعیفہ کو دیکھ کر سوال کیا آپ کون ہیں ان ضعیفہ نے جواب دیا۔ کہ
قُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ اے شخص کیا مسلمان نہیں پہلے سلام کر تو تجھے بتاؤں
میں نے سلام کرکے دریافت کیا آپ یہاں کیا کر رہی ہیں فرمایا مَنْ یَّھْدِیْ اللّٰہُ
فَلَا مُضِلَّ لَہٗ جب میں نے ہر بات کے جواب میں قرآن کی آیت سنی تو حیرت
سے پوچھا آپ جن سے ہیں یا انس سے جواب دیا یَا بَنِیْ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ
اس وقت میں سمجھا کہ یہ انسان ہیں تو میں نے پوچھا کہ مِنْ اَیْنَ اَقْبَلْتِ کہاں سے
آرہی ہیں جواب دیا کہ یُنَادُوْنَ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ پھر میں نے پوچھا اَیْنَ تَقْصِدِیْنَ
جواب دیا۔ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ میں نے کہا کہ آپ قافلہ سے کب چھوٹیں
جواب دیا لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ میں نے عرض کیا اَتَشْتَھِیْنَ
طَعَامًا جواب دیا وَمَا جَعَلْنٰھُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ میں نے کھانا پیش
کیا اور عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ اونٹ پر بیٹھ لیں ذرا سیدانیوں کو فاطمہ
کی کنیز کا جواب سننا چاہیئے فضہ نے جواب دیا لَوْ کَانَ فِیْھِمَا اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ
لَفَسَدَتَا اگر زمین و آسمان میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو فساد برپا ہوجاتا۔

یہ سنتے ہی میں اونٹ سے اُتر پڑا۔ جو کلام کرتی بیشک وہ قرآن سے تاکہ ہر جملہ جو دہن سے نکلے وہ ذکر الٰہی بن جائے جس گھر کی لونڈیاں یوں ذکر الٰہی کرتی ہوں وہ بیبیاں خدا کو کیونکر یاد کرتی ہونگی اس سے اندازہ کر لیجیے کہ جب یتیم و اسیر و مسکین کو روٹیاں دی ہیں تو یہ کہدیا تھا۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا ہم تمکو خدا کی راہ میں کھانا کھلاتے ہیں نہ تم سے جزا کے طالب ہیں نہ شکریہ کے اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ہم اپنے خدا سے اُس دن کی وجہ سے ڈرتے ہیں جو سخت ہیبت ہیں یہ ذکر الٰہی خود خدا کو ایسا پسند آیا کہ اسی صبح میں سورہ نازل کر کے بعینہٖ الفاظ اہلبیت اس میں شامل کر دیئے فرق اتنا کہ جب ادھر سے یہ کلام بارگاہ الٰہی میں گیا تھا۔ تو اہلبیت کا کلام تھا اور جب اُدھر سے بندوں کی طرف آیا تو خدا کا کلام بن کے آیا اسی طرح امام حسنؑ خدا کا یوں ذکر کرتے تھے کہ دنیا سمجھ نہیں سکتی تھی۔ کہ حسنؑ بول رہے ہیں یا علیؑ بول رہے ہیں۔ ایک دن امام حسنؑ سے امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ بیٹا حسنؑ آج تم خطبہ پڑھو اور ہم سنیں باپ کے دل کا ارمان کہ بیٹے کا کلام سنیں آپ نے عرض کیا بابا میں آپ کے سامنے کیسے خطبہ پڑھوں مجھے حیا معلوم ہوتی ہے آپ ہٹ کے اس مقام سے ایسی جگہ کھڑے ہو گئے کہ اچھی طرح سن سکیں امام حسنؑ نے خطبہ شروع کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ بِلَا تَشْبِيْهٍ الدَّائِمِ بِغَيْرِ تَكْوِيْنٍ الخ اس خدا کی حمد ہے جو واحد ہے۔ مگر اس کا کوئی مشابہ نہیں ہے۔ ہمیشہ سے ہے مگر پیدا نہیں ہوا ہے قائم ہے مگر تکلیف نہیں ہوتی۔ خالق ہے مگر اسے غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی ایسا موصوف

جس کی صفت کی کوئی انتہا نہیں ایسا مشہور ہے جس کی شہرت کے لئے کوئی حد نہیں ویسے دیر اس کی حد جبروت کو سمجھ نہیں سکتا لوگ اس کی جلالت کی حقیقت تک پہنچ نہیں سکتے علما اپنی قوت عقل سے اس کا ادراک کر نہیں سکتے ایہا الناس ہم وہ ہیں جنہیں خدا نے اپنی ذات کے لئے چن لیا اپنے دین کے لئے پسند کیا ہم ہی پر وحی نازل کی ہمارے ہی گھر میں اپنی کتاب اتاری اسی طرح امام زین العابدین کیا کہنا آپ کے ذکر الٰہی کا دنیا اس ذکر کا تذکرہ سن کر انگشت بدنداں ہے۔ یا من ذکرہ شرف للذاکرین ویا من شکرہ فوز للشاکرین ویا من طاعتہ نجاۃ للمطیعین صل علی محمد وآل محمد واشغل قلوبنا بذکرک عن کل ذکر۔ اے وہ ذات جس کا ذکر ذاکرین کے لئے شرف ہے اور جس کا شکر شکر گذاروں کے لئے کامیابی ہے اور جس کی اطاعت اطاعت کرنے والوں کے لئے سبب نجات ہے رحمت نازل فرما محمد و آل محمد پر اور ہمارے دلوں کو اپنے ذکر سے بھر کے تمام تذکروں سے خالی کر دے۔ مولا یہ کیا آپ خود ہی آل تھا اور خود ہی اپنا واسطہ دے کر دعا کر رہے ہیں یہ تو دوسروں کے لئے مناسب تھا کہ آپ کا واسطہ دے کر خدا سے دعا کرتے آپ کو خود کیا ضرورت تھی کیا تعجب ہے کہ جواب دیں کہ میرے دوستو یہ میں تم کو سکھانے کے لئے کہہ رہا ہوں کہ تم اسی طرح دعا کیا کرو تاکہ تمہاری دعا ہمارے واسطے سے قبول ہو اگر کسی نے ہم کو چھوڑ کر دعا کی تو وہ قابل قبول نہ ہوگی کہاں تک ذکر کیا جائے جس امام کا ذکر الٰہی ملاحظہ کریں اسی مرتبہ پر ملتا ہے۔ بالخصوص آج چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے ذکر کروں کہ ہمارا تیسرا امام خدا کو کیونکر یاد کرتا تھا آپ کے متعلق اہل تابعین متفق

طور پر لکھتے ہیں کہ آپ اپنا کوئی وقت ذکر الٰہی سے خالی نہیں رکھتے تھے اس لئے چاہتا ہوں کہ اوّل سے ذکر کروں کہ کہاں کہاں ذکر الٰہی کیا پیغمبر خدا فرما چکے ہیں کہ حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْن اس کے معنی یہ ہیں کہ نور حسینؑ اور میرا نور ساتھ ساتھ تھا اسی لئے یہ نور عرش سے پہلے جب پیدا ہوا ذکر الٰہی کرتا رہا عرش کے اوپر رہا تو ذکر الٰہی کرتا رہا۔ بین عرش میں رہا تو ذکر الٰہی کرتا رہا۔ اور تحت العرش رہا۔ تو ذکر الٰہی کرتا رہا حول عرش رہا تو ذکر الٰہی کرتا رہا۔ حجب میں رہا تو ذکر الٰہی کرتا رہا بحر نور میں غوطہ لگایا تو ذکر الٰہی کرتا رہا سرادقات قدرت میں رہا تو ذکر الٰہی کرتا رہا جنت میں رہا تو ذکر الٰہی کرتا رہا گوشوارۂ عرش بن کے رہا۔ تو ذکر الٰہی کرتا رہا آدم کے انگوٹھے میں رہا تو ذکر الٰہی کرتا رہا نوحؑ کے ساتھ رہا رہا تو سفینہ میں ذکر الٰہی کرتا رہا اجداد کے صلب میں ذکر الٰہی کرتا رہا امہات کے بطن میں ذکر الٰہی کرتا رہا حالت حمل میں ذکر الٰہی کرتا رہا چنانچہ جس وقت جناب سیدہ حاملہ ہوئیں تو جبین فاطمہ پر ایک ایسا نور ساطع ہوا جو نور فاطمہ پر غالب آگیا آپ نے رسالتمآبؐ سے پوچھا کہ بابا یہ کیا ہے آپ نے جواب دیا کہ فاطمہ تمہارے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوگا کہ خدا کی حجت ہوگا۔ حالانکہ امام حسنؑ بھی حجت خدا تھے مگر آپ کا نور نور فاطمہؑ پر غالب نہ آسکا۔ مگر حسینؑ کا نور غالب آگیا اس لئے کہ امام حسنؑ کا نور تنہا تھا اور نور حسینؑ دس انوار کا مجموعہ تھا اس لئے کہ آپ ہی سے نو نور اور پیدا ہونے والے تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو پیدا ہوتے ہی ذکر الٰہی شروع کیا۔ پیغمبرؐ کی گود میں ذکر الٰہی کیا۔ نبیؐ کے سینے پر ذکر الٰہی کیا۔ رسولؐ کے کاندھے پر ذکر الٰہی کیا سوئے تو ذکر الٰہی کیا

پیغمبر کے ساتھ چادر تطہیر میں لیٹے تو ذکر الٰہی کیا۔ مدینہ میں رہے تو ذکر الٰہی کیا جب سفر کیا تو راہ مکہ میں ذکر الٰہی کرتے رہے کعبہ میں ذکر الٰہی کیا مقام منیٰ میں ذکر الٰہی کیا راہ کربلا میں ذکر الٰہی کیا زمین نینوا پر ذکر الٰہی کیا۔ آب و غذا بند ہونے پر ذکر الٰہی کیا شب عاشور ذکر الٰہی کیا صبح عاشور ذکر الٰہی کیا اصحاب کی لاشوں پر ذکر الٰہی کیا اعزا کی میتوں پر ذکر الٰہی کیا وقت ظہر ذکر الٰہی کیا وقت عصر ذکر الٰہی خیمہ سے رخصت ہوتے ہوئے ذکر الٰہی کیا فرس پر سوار ہوتے ہوئے ذکر الٰہی کیا گھوڑے پر ذکر الٰہی کیا زمین پر گر کے ذکر الٰہی کیا خنجر کے نیچے ذکر الٰہی کیا۔ فاطمہ کی گود میں ذکر الٰہی کیا۔ جہاں گرے وہاں ذکر الٰہی کیا غار میں لاشے نے ذکر الٰہی کیا پامال سم اسپاں ہوتے ہوئے ذکر الٰہی کیا بے کفن لاشے نے ذکر الٰہی کیا جسد بے سر نے ذکر الٰہی کیا نیزۂ خولی پر ذکر الٰہی کیا طشت طلا میں ذکر الٰہی کیا درخت پر لٹکے ہوئے ذکر الٰہی کیا۔ یزید کے دروازہ پر ذکر الٰہی کیا۔ کربلا سے کوفہ تک ذکر الٰہی کیا کوفہ سے شام تک ذکر الٰہی کیا۔ خزانۂ یزید میں ذکر الٰہی کیا کوئی منزل ایسی نہیں جہاں سید الشہداء نے ذکر الٰہی نہ کیا ہو کسی نے امام زین العابدین سے پوچھا کہ آپ کے پدر بزرگوار کس قدر قلیل الاولاد تھے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ بھائی قلیل الاولاد ہونے پر تعجب کیا ہے ارے میرا باپ ہر شب ایک ہزار رکعت نماز پڑھتا تھا۔ ہمارے امام نے اس مخصوص طریقہ سے ذکر الٰہی کیا کہ دنیا اس کی مثال سے خالی ہے۔ ساری عمر میں صرف آخری دن یعنی یوم عاشور کی اگر عبادت ملاحظہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ از آدم تا عیسیٰ کسی نے ایسی عبادت نہ کی جس کی ایک دن کی عبادت کا انبیاء مقابلہ نہ کر سکیں اس کی تمام

عمر کی عبادت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے اس پُرخطر اور وحشت انگیزیوں میں بھی آپ نے یوں ذکرِ الٰہی کیا کہ آخر معبود کہنے لگا۔ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي

عبادت کے جتنے اقسام تھے امام نے سب پورے کر دیئے پہلے صلوٰۃ وداع ہے۔ سید الشہداء نے اسی آخری عبادت کے لئے شب عاشور مہلت مانگی تھی کہ اے اشقیاء ہمیں اتنی مہلت دیدو کہ ہم آج شب کو جی بھر کے خدا کی عبادت کرلیں۔ دوسری صلوٰۃ خوف ہے۔ ہمارے امام نے وقت ظہر صلوٰۃ خوف ادا کی لیکن ابھی کچھ احباب زندہ تھے۔ جو سینہ سپر ہو گئے تھے اور عرض کیا تھا مولا آپ نماز ظہر پڑھیں ہم تو اب آپ کے نانا کے ساتھ جنت میں نماز پڑھیں گے دونوں جوان دل مضبوط ایمان والے اپنے جسم پر تیر روکتے رہے۔ اور امام نے نماز ادا کر کے ذکر الٰہی کی تکمیل کی ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر دونوں نے آواز دی۔ مولا آخری سلام قبول ہو یہ جاں نثار آپ سے رخصت ہوتے ہیں۔ تیسری نماز سید الشہداء نے ایسی پڑھی کہ دنیا میں کسی نے ایسی نماز نہ پڑھی ہوگی۔ اذان نئی تکبیر نئی قیام نیا رکوع نیا سجدہ و تشہد نئی قسم کا سلام نئی طرح کا جب وقت عصر قریب آیا۔ تو امام نے یہ خیال کر کے اب علی اکبر زندہ نہیں ہیں جو اذان دیں کوئی ماموم موجود نہیں ہے۔ جو اقامت کہے امام خود اذان دینے کے لئے ایک بلندی پر کھڑے ہوئے فرماتے ہیں هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا هَلْ مِنْ مُعِينٍ يُعِينُنَا هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يُغِيثُنَا أَنَا ابْنُ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَىٰ أَنَا ابْنُ عَلِيٍّ الْمُرْتَضَىٰ أَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ

جب کسی نے جواب نہ دیا تو آپ لاشہائے شہداء کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یَا اَبْطَالَ الصَّفَا وَیَا فُرْسَانَ الْهَیْجَاءِ مَا لِی اُنَادِیْکُمْ فَلَا تُجِیْبُوْنِیْ وَاَدْعُوْکُمْ فَلَا تَسْمَعُوْنِیْ اے میرو شیرو اے میرے دلیرو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ حسین پکارتا ہے اور جواب نہیں دیتے جس نے سب سے پہلے لبیک کہی وہ خود معبود تھا آواز آئی لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ یَا عَبْدِیْ اے میرے بندے میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا کہ خداوندا مجھے اپنی حجت تمام کرنا ہے یہ نہ کہہ سکیں کہ حسینؑ نے ہم سے مدد نہیں مانگی تھی دوسری مرتبہ جب آواز دی تو ملائکہ اور جن کہتے ہوئے آئے لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَنَا نَاصِرُوْکُمْ اے فرزند رسولؐ ہم مدد کو تیار ہیں آپ نے فرمایا تم لوگ جاؤ میں تو اپنی حجت تمام کرنا ہے۔ جب تیسری آواز دی تو اب کون جواب دینے والا تھا۔ مگر خیمہ سے گریہ و بکا کی آواز بلند ہوئی امام در خیمہ پر آئے فرمایا بیبیو ابھی حسین زندہ ہے تم تڑپ تڑپ کر کیوں رو رہی ہو جناب زینب نے فرمایا۔ جیسا آپ کی آواز استغاثہ سن کر علی اصغر نے اپنے کو گہوارہ سے گرا دیا ہے امام بچے کو لائے تیر حرملہ کا نشانہ بنے بانو کی گود خالی ہوئی باپ کا بازو چھدا علیؑ اصغر نے منہ کھلا ہوا تھا ڈھلا ہوا بجائے دودھ کے خون اگلتے ہوئے مظلوم باپ کے ہاتھوں پر جان دی۔ جب تیسری بار آواز استغاثہ بلند کی تو بیمار کربلا نے تلوار اٹھالی ٹیکتے ہوئے نکلے پیچھے پیچھے ام کلثوم کہتی ہوئی اے بیٹا واپس آؤ تم بیمار ہو تم سے جہاد ساقط ہے۔ سید الشہداء نے جو دیکھا کہ بیمار بیٹا میدان کی طرف چلا آرہا

ہے پکار کے کہا بہن امِ کلثومؑ زین العابدینؑ کو روک لو ایسا نہ ہو نسل امامت منقطع ہو جائے جب بیمار کربلا کسی طرح واپس نہ ہوئے تو آپ نے آکر فرمایا بیٹا اگر تم زندہ نہ رہو گے تو ان رانڈوں کو لے کر مدینہ کون جائے گا ابھی تم کو اس سے زائد مصیبتیں جھیلنا ہیں۔ لیکن اب جو امام نے آواز استغاثہ بلند کی تو کوئی جواب دینے والا نہ تھا۔ اذان و اقامت نئی قیام بھی عجیب طرح کا قیام تھا۔ گھوڑے سے گرنے کے بعد زخموں کی تکلیف سے کبھی اٹھتے تھے کبھی گرتے تھے۔ تیروں پر امام کا جسم معلق تھا۔ سجدہ ایسا کیا کہ دنیا میں اس طرح کسی نے سجدہ نہ کیا ہوگا۔ شمر لعین راوی ہے کہ جب حسینؑ کے قریب آیا دیکھا کہ سر سجدہ میں رکھے ہوئے لب جنبش کر رہے ہیں سمجھا کہ شاید حسینؑ میرے لئے بددعا کر رہے ہیں میں اپنا کان قریب لے گیا تو کیا سنتا ہوں کہ آپ فرما رہے ہیں خداوندا حسینؑ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اب تیرا وعدہ باقی ہے میرے نانا کی امت کو بخشدے۔ کون مددگار باقی تھا جو مدد کرتا ہاں زینبؑ خیمہ سے سر برہنہ نکل پڑیں بہن خوشامد کرتی جاتی تھی۔ یَا بْنَ سَعْدٍ اَیُقْتَلُ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنُ وَاَنْتَ تَنْظُرُ ابھی امام نے سجدہ ختم نہیں کیا تھا کہ فرات کا پانی اچھلنے لگا۔ فتح کے باجے بجنے لگے آفتاب کو گہن لگا۔ زمین خون کے آنسو رونے لگی دنیا میں اندھیرا چھا گیا منادی نے ندا دی اَلَا قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَا اَلَا ذُبِحَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلَا

انصار المتکلمین فخر المحققین جناب لیجنا مولینا سید آغا ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی مد ظلہ العالی صدر الافاضل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا

خلاق عالم ارشاد فرماتا ہے کہ خدا جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے ۔ جسے حکمت ایسی چیز دی گئی اس کو خیر کثیر یا وہ چیز مل گئی جس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہوسکتی ۔ مفسرین نے اختلاف کیا ہے کہ حکمت سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے لکھا ہے ھِیَ طَاعَۃُ اللّٰہِ حکمت سے مراد اطاعت خدا ہے ۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ ھِیَ مَعْرِفَۃُ اللّٰہِ حکمت معرفت خدا کا نام ہے بعض نے لکھا ہے کہ ھِیَ طَاعَۃُ اللّٰہِ وَمَعْرِفَۃُ الْاِمَامِ حکمت خدا کی اطاعت اور امام وقت کی معرفت کا نام ہے ۔ میری مراد حکمت سے وہ حکمت نہیں ہے جو چند انسانوں کے دماغی اختراعات کا نتیجہ ہو ۔ جس کے نتائج کبھی صحیح ہوتے ہیں ۔ کبھی غلط ہوتے ہیں میں اس حکمت کو حکمت نہیں سمجھتا ۔ جس کا قدامت روح و مادہ ہو جس کا حاصل ضلالت ہو بلکہ میری مراد حکمت سے وہ حکمت جس کا مقصد عبادت مراد جس سے اطاعت ہو مطلب جس کا معرفت ہو غرض جس کی جنت ہو طریقہ جس کا خفانیت ہو حاصل جس کا ہدایت ہو منشا جس کا مودت ہو وہ حکمت بے کار ہے ۔ جو ضلالت میں اضافہ کردے ۔ حقیقتہً نفع

وہ حکمت ہے۔ جس سے آخرت میں نجات حاصل ہو دنیا میں باعث فلاح ہو موت کے وقت تکلیفیں آسان کرنے والی ہو قبر میں نور بن جائے۔ برزخ میں ہمدم رہے حکمت وہ نہیں ہے جو بھی کسی خیالی نتیجہ تک پہنچائے حکمت وہ ہے جو معرفت خدا تک پہنچا دے۔

وہ حکمت جو آج مدارس میں پڑھائی جاتی ہے جو کتابوں کے اوراق پر لکھی ہے اس حکمت کو آپ حکمت کہئے۔ ہم تو اس حکمت کو حکمت سمجھتے ہیں۔ جو خدا کی بارگاہ سے انبیاء و اوصیا کو ملی تھی۔ جس کا گھر خاتم المرسلین تھے دروازہ امیرالمومنین تھے۔

آج دنیا میں ہر طرف حکمت کی پکار ہے۔ حالانکہ جس حکمت کا چرچا ہے اس کی اصل وہی یونانین کے قیاسات و خیالات ہیں درحقیقت یہ حکمت رہی ہے حقیقی حکمت نہیں یہ تو وہ ہے جس میں روزانہ رائے بدلتی رہتی ہے۔ آئے دن تغیرات ہوتے رہتے ہیں اصلی حکمت وہی ہے جو خدا کی درگاہ سے عطا ہوئی ہو وہ حکمت ہر شخص کو حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ وہی پا سکتا ہے۔ جسے ادھر سے عطا ہو دنیا میں یونانی حکمت اور ان کے غلط یا صحیح نتائج کو لے کر بڑے حکیم بن جانا اور بات ہے اور وہ واقعی الٰہی حکمت جس میں نہ تغیرات ہوتے ہیں نہ اس کے نتائج غلط ہو سکتے ہیں۔ نہ وہ نظر ثانی کی محتاج ہے۔ ایسی حکمت کا حاصل کر لینا اور بات ہے افسوس ہے کہ دنیا والوں کے توہمات سے جو حکمت حاصل ہو یونانیین کے قیاسات کا اختراع جو حکمت ہو اس کے مان لینے میں کسی کو عذر نہیں ہوتا اور خدائی حکمت جس کا نظریہ کبھی غلط نہیں ہوتا اس میں

گنجائش کلام سمجھی جاتی ہے وہ حکمت جو انسانی دماغوں کی محنت کا نتیجہ ہے اسے معقولات کہا جاتا ہے اور وہ حکمت جو علم الٰہی کا نتیجہ ہے اسے منقولات کہا جاتا ہے۔ میں نہ ایسی حکمت رسمیہ کو حکمت حقیقیہ سمجھتا ہوں نہ پسند کرتا ہوں کہ میں اس جدیدہ یا قدیم فلسفہ سے شریعت کو مطابق کر کے فلسفہ کو اصل اور شریعت کو اس کا تابع بنانے کی کوشش کروں۔ اس لئے کہ اگر فلسفہ ہی اصل ہو گیا۔ اور شریعت اس کی تابع ہو گئی تو پھر جب فلسفہ کے نظریات میں اختلاف ہو تو چاہیئے کہ شریعت میں بھی اسی لحاظ سے ترمیم ہو جائے۔

یہ انسانی فلسفہ جہاں سے شروع ہوتا ہے اس میں پہلے ہی قید لگی ہوئی ہے کہ بِقَدَرِ الطَّاقَۃِ البَشَرِیَّۃِ اعیان موجودات کو انسانی طاقت کے مطابق سمجھا چونکہ انسان میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں اس لئے لازمی طریقہ پر ان کے فلسفہ میں بھی تغیرات ہوں گے لیکن وہ الٰہی فلسفہ جسے اس نے اپنے مخصوص بندوں کو مرحمت فرمایا وہ عَلَّامُ الغیوب کا مقرر کیا ہوا فلسفہ ہے۔ جو ان اسرار و حِکَم پر مشتمل ہے۔ جس کا بشری طاقت احاطہ نہیں کر سکتی۔ پھر ایسے فلسفہ کو ہم کیا کریں جو روزانہ نئی تحقیقات کے بعد غلط ثابت ہو جاتے ہیں تو اس فلسفہ کو دیکھنا ہے جو کسی حالت میں غلط ثابت نہیں ہو سکتا۔

یونانیین کے گیارہ حکیم جنہوں نے مل کر اس حکمت کی بنیاد ڈالی۔ ان پر اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ وہ کسی ایک شعبے کے ماہر تھے اور جو کمال اس شعبے میں ان کو حاصل تھا۔ ویسا اقتدار دوسرے شعبے میں نہ تھا

مثلاً افلاطون الٰہیات میں اور ابوالحسن و بطلیموس رصد و ہیئت میں بقراط
اور جالینوس طب میں ارشمیدس اقلیدس ملیوس ریاضی ارسطو طبیعیات و
منطق میں سقراط و فیثاغورث اخلاق میں ماہر تھے جو جس فن میں کمال رکھتا
تھا اتنا کمال دوسرے فنون حکمیہ میں نہ تھا اسی طرح اگر کسی کو ہیئت و رصد
وغیرہ میں کمال تھا تو ریاضیات میں وہ کمال نہ تھا۔ اگر ایک کو ریاضی میں
کمال حاصل تھا دوسرے کو الٰہیات میں اگر ایک کو منطق میں کمال حاصل
تھا۔ تو طب میں وہ بات نہ تھی جس کو حکمت کی ایک صنف میں کمال حاصل
تھا تو دوسری صنف میں ماہر نہ تھا کوئی حکیم ایسا نہ ملے گا جو تمام اصناف
حکمت میں کمال رکھتا ہو۔ جس طرح نزول قرآن سے پیشتر فصاحت و بلاغت
کلام کا حال تھا۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جسے رزمیہ
کلام میں کمال حاصل تھا اگر وہ کسی بزم میں قصیدہ پڑھتا تھا تو اس
پائے کا کلام نہیں ہوتا تھا۔ اگر غزل میں کسی کو کمال حاصل تھا۔ تو رزمیہ
کلام اس پائے کا نہیں ہوتا تھا۔ ایک ایک صنف سخن میں ہر ایک کو
کمال حاصل تھا۔ اگر وہی شخص دوسری صنف میں کہنے بیٹھتا تھا۔ تو وہ
بات باقی نہیں رہتی تھی۔ آخر جب قدرت کو منظور ہوا کہ ان کے کمال پر
پانی پھیر دے تو قرآن معجز نازل کیا جو تمام اصناف سخن کا مجموعہ ہے
اور جو کمال ایک صنف میں ہے وہی دوسری صنف میں بھی موجود ہے
جب عرب کی حالت دیکھتے ہوئے ایسی کتاب کی ضرورت ہوئی جو بلحاظ
فصاحت و بلاغت جمیع اقسام میں حد اعجاز پر فائز ہے جو تمام اصناف

سخن کا کمال پیش کر کے ان کی طاقتوں کو توڑ دے تو علماء یونانیین جن میں سے ہر شخص حکمت کی ایک خاص صنف کا ماہر تھا ان کی حالت دیکھتے ہوئے ایسی ذات کی ضرورت بھی ہو گی جو تمام اصناف حکمت کا ماہر ہو تاکہ ان کی قوتوں کا مقابلہ کر کے ان کی حکمتوں کو عاجز کر دے۔ یہ نہ خیال کیجیئے گا۔ کہ ائمہ یا انبیاء آپ کی اس حکمت سے ناواقف تھے۔ وہ خوب جانتے تھے۔ مگر ان کو اس حکمت کی ضرورت نہ تھی ایک ماہر طبعیات صرف ظاہری اور سطحی نظر سے دیکھ کر آثار کے ذریعے ماہیت پہچانتا ہے مگر علی اس کی ماہیت کو دیکھ کے اس کا واقعی علم رکھتے تھے

ایک ماہر عنصریات کون و فساد عالم پر بحث کر کے علم حاصل کرتا ہے مگر علی کا علم وہ تھا جس میں فساد ہی نہ تھا۔ ایک مہندس غور و فکر کے بعد علم حساب سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ مگر علی کا علم بے حساب تھا ان کی قوۃ علمیہ اور ہے اور علی کی قوت منظریہ اور تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے عالم کو دیکھ کے علم حاصل کیا وہ وہ صاحب علم تھے کہ جن کے سامنے عالم بنا تھا پھر یونانیین کی حکمت کا علی کی حکمت سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔

ایک دن امیرالمومنین منبر کوفہ پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ایک یہودی جو عالم فلسفہ تھا ادھر سے گزرا خطبہ کی فصاحت و بلاغت نے قدم روک لئے الفاظ سنتے ہی مجمع کے قریب آیا خطیب کی شان بیان دیکھ کر حیران ہو گیا۔ کچھ دیر سننے کے بعد کہنے لگے لَوْ تَعَلَّمْتَ الْفَلْسَفَةَ لَيَكُونَ شَانٌ مِنَ الشَّانِ اگر آپ فلسفہ سیکھ لیتے تو آپ کی شان دوبالا ہو جاتی یہ سننا تھا کہ آپ اس کی

طرف متوجہ ہو گئے اور فرمایا تیرا فلسفے سے کیا مطلب ہے۔ ممکن تھا کہ انتظار کرتے کہ وہ کچھ کہے مگر مناسب نہ سمجھا بلکہ خود آپ نے ارشاد فرمایا اَلَیْسَ مَنِ اعْتَدَلَ طِبَاعُہٗ صَفٰی مِزَاجُہٗ وَمَنْ صَفٰی مِزَاجُہٗ قَوِیَ اَثَرُ النَّفْسِ فِیْہِ الْحَدِیْث کیا ایسا نہیں ہے کہ جس کی طبیعت معتدل ہو گی اس کا مزاج بھی صاف ہو گا۔ اور جس کا مزاج صاف ہو گا اس میں اس کے نفس کا اثر بھی قوی ہو گا۔ اور جب ایسا ہو گا تو وہ ترقی کے آخری نقطے تک پہنچ سکے گا اور جب نقطۂ ارتقاء پر فائز ہو گا تو وہ اخلاق نفسانیہ سے متخلق ہو گا اور جب ایسا ہو گا وہ انسان بحیثیت انسان موجود ہو گا۔ نہ بحیثیت حیوان کیونکہ وہ باب ملک صوری میں داخل ہو گیا۔ اس کے آگے ترقی کی گنجائش نہیں یہ سن کر یہودی عالم متحیر ہو گیا اور کہنے لگا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِب لَقَدْ نَطَقْتَ بِالْفَلْسَفَۃِ کُلِّھَا بِھٰذِہِ الْکَلِمَات۔ یعنی اے ابوطالب کے فرزند آپ نے تو سارا فلسفہ ان چند جملوں میں ظاہر کر دیا۔ علی نے کس قدر جامع مقدمات مرتب کر کے کتنے نتائج ذکر کر دیئے اور بتا دیا کہ ہم تمہارے فلسفے سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس کا اگر ایک ایک جملہ بیان کیا جائے تو طوالت ہو گی۔ لیکن کتنے مفید نتائج اس مختصر عبارت سے نکل سکتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ جس کی طبیعت میں جتنا اعتدال تھا اتنا ہی مزاج صاف تھا۔ اور جتنا مزاج صاف تھا اتنی ہی مادیت گھٹی ہوئی تھی اور عالم بالا سے قریب ہوتا گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس قدر مادیت گھٹی کہ اب اختیار

حاصل ہوگیا کہ جب دل چاہے زمین پر رہے اور جب دل چاہے۔ تو عالم بالا میں رہے۔ ہمارے پیغمبر کی مادیت اتنی گھٹی صفا مزاج اس حد پر پہنچا عالم بالا سے اتنا قریب ہوا کہ جہاں ملک کے لئے بھی دروازہ بند تھا فرشتوں کا جہاں گذر نہیں ہوسکتا تھا صفاء مزاج کی حد ہوگئی کہ اس نے اپنی حکمت کے اظہار کے لئے نبی کی زبان کو اپنی زبان بنالیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وہ خدا ہے جس نے زمین میں اپنا رسول بھیجا جو ان پر آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے نبی کی زبان کو خدا نے اپنی زبان بنالیا کہ اگر مجھے اپنے بندوں کو مخاطب بنانا ہو تو اس کی زبان سے کلام لوں بول رہا ہو محبوب کلام حبیب کا کہلائے۔ لیکن ابھی ایک زبان کی اور ضرورت تھی اس لئے کہ اگر محبوب سے خطاب کرتا تو کس کے لہجے میں کرتا۔ اس لئے علی کی زبان کو اس نے اپنی زبان بنایا کہ جب بندوں سے کلام کرنا ہو تو نبی کی زبان سے کام لوں اور جب نبی سے باتیں کرنی ہوں تو علی کی زبان سے کام لوں۔ کون قدرت رکھتا ہے کہ ایسے مختصر اور جامع الفاظ میں اتنے کثیر مطالب بیان کردے۔ یہ صرف علی کا کام تھا۔ جن کی فصاحت و بلاغت پر انسان تو انسان ملائک بھی مخر و مباہات کرتے تھے ایک دن فرشتوں میں مفاخرت و مباہات ہو رہی تھی۔ ہر ملک اپنا اپنا فخر بیان کر رہا تھا کوئی کہہ رہا تھا کہ میرا ثانی کون ہوسکتا ہے۔ میں نے حسینؑ کا جھولا جھلایا۔ کوئی

کہتا تھا مجھ سے زیادہ کس کو فخر حاصل ہوگا۔ میں نے جام کوثر وضو کے لئے حاضر کیا اتنے میں ایک مَلک آیا اور کہنے لگا کہ سنو مجھ سے زیادہ کس کو فخر حاصل ہوگا جس دن علیؑ منبر کوفہ پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ خداوند عالم اپنی مدح و ثناء سن کر ملائکہ پر فخر و مباہات کر رہا تھا اس وقت مجھے حکم دیا کہ جا میری طرف سے علیؑ کا منہ چوم لے اردو کی اصطلاحیں جو آپ مجازاً استعمال کرتے ہیں علیؑ کے یہاں وہ سب حقیقت بنی ہوئی تھیں مَلک خدا کا نائب بن کر آیا اور علیؑ کے دہن اقدس پر بوسہ دے کے واپس ہوا۔ جہاں دیکھیے ہم کو تو علیؑ کی یہی شان نظر آتی ہے۔ امام ہو تو ایسا ہو کہ مَلک دہن چومے مہر نبوت قدم چومے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس حکمت سے ناواقف تھے پھر ہم ان سے حکمت لیں جو صرف انسان کی اختراعی حکمت سے واقف ہوں یا ان سے جو خدائی حکمت کی منزل ہوں۔ حکمت کا دار و مدار اعتبارات پر ہوتا ہے۔ لَوْلَا الْاِعْتِبَارَاتُ لَبَطَلَتِ الْحِکْمَۃُ اگر اعتبارات نہ ہوتے تو حکمت باطل ہو جاتی۔ انہیں اعتبارات پر حکمت ہے۔ اگر اعتبارات کا لحاظ نہ ہو تو حکمت کا باب ہی بند ہو جائے واحد منشاء انتزاع اعتباراتِ امور کثیرہ ہوتا ہے۔ انہیں اعتبارات کے ذریعہ سے شی بلحاظ جزء مرکب بالفعل کا رکن ہے بلحاظ ابتدائے ترکیب عنصر ہے بلحاظ انتہائے تحلیل اسطقس بلحاظ قابلیت صور غیر معینہ ہیولیٰ بلحاظ صورۃ معینہ مادہ بلحاظ اس کے کہ مرکب اس سے ماخوذ ہے اصل محل بلحاظ قیام جوہر ہے موضوع بلحاظ عروض عرض شئی واحد ہے۔ مگر اعتبارات لاحقہ سے تعدد احکام و اسماء لازم ہوئے

چنانچہ ہر چیز میں اعتبارات کو دخل ہوتا ہے۔ توحید میں بھی اعتبارات کو دخل ہوگا۔ اس لحاظ سے کہ اس کے صفات عین ذات ہیں ہمارا خدا ہوگا۔ اور اس لحاظ سے کہ اس کے صفات زائد بر ذات ہیں۔ اوروں کا خدا ہوگا اس اعتبار سے کہ وہ عادل ہے ہمارا خدا ہوگا اس اعتبار سے کہ وہ ظالم ہے اوروں کا خدا ہوگا۔ اس لحاظ سے کہ جسم و جسمانیت سے منزہ ہے ہمارا خدا ہوگا۔ اس لحاظ سے کہ وہ مجسم ہے اوروں کا خدا ہوگا اس اعتبار سے کہ وہ ترکیب سے مبرہ قدیم ہے ہمارا خدا ہوگا۔ اس لحاظ سے کہ مرکب و حادث ہے اوروں کا خدا ہوگا۔ اسی طرح رسول میں بھی اعتبارات ہوں گے۔ جو معصوم ہے وہ ہمارا رسول ہے جو خاطی ہے وہ اوروں کا رسول جو صادق ہے وہ ہمارا رسول جو جھوٹ بولتا ہو وہ اوروں کا رسول جو اخلاق عظیم ہے۔ وہ ہمارا رسول جو بد اخلاق و سخت طبیعت ہو وہ اوروں کا رسول پیغمبر میں خود کئی اعتبارات موجود تھے ایک بشری جنبہ دوسرا نبوی جنبہ نبوت کا جنبہ اور تھا بشری جنبہ اور تھا جیسے قرآن نے ذکر کیا ہے اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اَنَّمَا یُوْحٰی اِلَیَّ کہ بظاہر میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ کہہ کے بشری پہلو پر نظر ڈالی۔ مگر اس کے بعد انما یوحی الی سے فرق کر دیا کہ میری طرف وحی ربانی آتی ہے اور نبوت کے پہلو پر روشنی ڈالی جب نبی میں دو اعتبار ہوں گے تو اہلبیت بھی دو طرح کے ہوں گے۔ ایک اہلبیت بشری حیثیت کے ایک نبوی حیثیت کے جو اہلبیت بشری حیثیت سے ہوں گے وہ اور ہوں گے اور جو نبوی حیثیت سے ہوں گے

وہ اور ہوں گے۔ بشری حیثیت کے اہلبیت خطاکار ہوں گے۔ نبوی اعتبار کے اہلبیت معصوم ہوں گے جو اہلبیت آپ کے بشری اعتبار سے ہونگے وہ صرف گھر میں رہیں گے جو اہلبیت نبوی اعتبار سے ہوں گے وہ میدان مباہلہ میں لانے کے قابل ہوں گے اسی طرح امامت میں بھی اعتبارات ہوں گے۔ خطاکاروں کی امامت اور ہوگی معصومین کی امامت اور ہوگی۔ ریاکاروں کی امامت اور ہوگی خلوص والوں کی امامت اور ہوگی۔ بزدلوں کی امامت اور ہوگی۔ شجاعوں کی امامت اور ہوگی شک والوں کی امامت اور ہوگی یقین والوں کی امامت اور ہوگی یہ غلط کہتے ہیں کہ خدا ایک رسول ایک شخص کسی چوراہے پر علیحدگی نہیں ہوئی بلکہ شروع ہی سے خط مذہب بدلا ہوا ہے اس لئے کہ نہ ہم نے جاہل وظالم کو خدا مانا نہ گنہگار کو رسول مانا نہ کفر لپند کو امام بنایا۔ معلوم ہوا کہ حکمت کا دارومدار اعتبارات ہی پر ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ ذات احد ہو اور مختلف اعتبارات سے اس کے نام مختلف ہوں یہی وجہ تھی کہ ذات ایک تھی۔ مگر آوازیں بدل گئیں کبھی ارشاد ہوتا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الرُّوحَ سب سے پہلے میں نے روح کو پیدا کیا کبھی ارشاد ہوتا ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ کہ سب سے پہلے خدا نے جس کو پیدا کیا وہ قلم ہے کبھی ارشاد ہوتا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْمَاءَ سب سے پہلے خدا نے پانی کو پیدا کیا کبھی ارشاد ہوتا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَرْشَ سب سے پہلے خدا نے عرش کو پیدا کیا کبھی ارشاد

ہوتا ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ الْعِشْقَ سب سے پہلے خدا نے عشق کو پیدا کیا۔ کبھی یوں ارشاد ہوتا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ النُّوْر سب سے پہلے خدا نے نور کو پیدا کیا کبھی یوں ارشاد ہوتا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ سب سے پہلے خدا نے میرے نور کو پیدا کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سب مخلوق اوّل نہیں ہو سکتے نہ اس لئے کہ اَلْوَاحِدُ لَا یَصْدُرُ عَنْہُ اِلَّا الْوَاحِدُ ایک سے ایک ہی صادر ہو سکتا ہے بلکہ بلحاظ فضیلت اوّل ایک ہی ہوگا۔ اس لئے کہنا پڑے گا کہ ماہیت ایک تھی اعتبارات مختلف تھے۔ اسی کو جب اس اعتبار سے دیکھا کہ اس پر امور غیب نقش ہیں اس کو لوح کہدیا۔ جب اس اعتبار سے دیکھا کہ نقاش علوم ہے قلم کہہ دیا۔ جب اس اعتبار سے دیکھا کہ ابتدائے خلقت اس سے ہے عنصر کہہ دیا جب اس اعتبار سے دیکھا کہ وجہ بقاء عالم ہے پانی کہدیا جب علوِ مرتبہ پر نظر ڈالی۔ عرش کہدیا جب دفع ظلمات پر نظر ڈالی نور کہدیا۔ اور جب ماہیت کے اعتبار سے دیکھا تو نور محمد کہدیا۔ ذات ایک ہے اعتبارات بدلے ہوئے ہیں جتنے اس ماہیت کے لئے اعتبارات تھے اتنے ہی نام رکھدیئے تاکہ اسماء صفات پر گواہ رہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر منزل پر اعتبارات کو دخل ہے۔ اس لئے کہ اگر اعتبارات نہ تسلیم کئے جائیں۔ تو حکمت کا دروازہ ہی بند ہو جائے منزل توحید پر اعتبارات کے لحاظ سے اسماء بدلے بلحاظ اس کے کہ وہ دنیا و آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔ رحمٰن کہلایا اس اعتبار سے کہ وہ گنہگاروں پر عذاب نازل کرنے گا۔ قہار کہلایا۔ اسی طرح رسول میں بھی اعتبارات کے

بدلنے سے احکام بدلیں گے بشری اعتبار سے زوجہ کا فرد اہلبیت میں داخل ہوسکے گی نبوت کے اعتبار سے فرزند غیر صالح اہلبیت سے خارج ہوجائیگا اور اسی طرح ائمہ میں بھی اعتبارات ہوں گے۔ جس طرح نبی میں دو جنبے ایک بشری جنبہ دوسرے نبوت کا جنبہ اسی طرح ائمہ میں بھی دو جنبے تھے ایک جنبۂ امامت دوسرے جنبۂ شہادت باعتبار امامت اور فوائد ہوں گے اور باعتبار شہادت اور ثمرات ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں واحد نہیں ہیں۔ امامت اور چیز ہے۔ شہادت اور چیز ہے ہوسکتا ہے کہ شہید ہو اور امام نہ ہو۔ امام ہو اور شہید نہ ہو امام بھی ہو اور شہید بھی ہو۔ جناب ابراہیم امام تھے شہید نہ تھے شہدا بدر و احد شہید تھے امام نہیں تھے اور حضرت سید الشہدا امام بھی تھے۔ شہید بھی تھے امامت کا مقصد بندوں کو اعمال سکھانا اور رہا امر شہادت پس اگر اس کے مقابلہ میں بھی محض وہی مقاصد پیش کئے جائیں جو امامت کے متعلقات تھے تو پھر شہادت و امامت ایک ہی قرار پائیں گے۔ لہذا تعزیہ و اقامت عزا ضروری ہوا تاکہ دامن عصیاں کا دھونا بھی ہمارا فرض رہے۔ کہ ہم اپنے ائمہ سے دونوں فائدے حاصل کریں جس طرح وصف امامت کی رو سے بندوں کا فرض ان سے اپنے علوم و اخلاق کی تکمیل کرنا ہے اسی طرح وصف شہادت کی رو سے ان پر آنسو بہا کر وسیلۂ مغفرت حاصل کرنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جو فائدہ حاصل ہوسکتا ہے چھوٹ جائے۔ ہم ہرگز نہیں کہتے کہ مجالس کا مقصد رونا رلانا ہے۔ ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ ان کی ذات صرف اس لئے تھی کہ دو آنسو بہا دو ائمہ میں دونوں پہلو

تھے امام بھی تھے شہید بھی تھے۔ علیؑ کی سیرت سن کر شجاعت سیکھو حسنؑ کے حالات سن کر خلق حسن سیکھو حسینؑ کے کارنامے سن کر قوت عمل پیدا کرو۔ زین العابدینؑ کی اطاعت سن کر اطاعت الٰہی میں ذوق شوق پیدا کرو۔ امام محمد باقرؑ کے کارنامے سن کر علم سیکھو امام جعفر صادقؑ کے کارنامے سن کر صدق قول و عمل سیکھو۔ موسیٰ کاظمؑ کے کارنامے سن کر ضبط غصہ سیکھو امام رضاؑ کے کارنامے سن کر راضی بہ رضا رہنا سیکھو لیکن اس کے ساتھ ان کی مصیبتوں پر رو کر آنسوؤں سے دامنِ عصیاں کا پاک کرنا بھی سیکھو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جاری مجلسوں کا مقصد صرف رونا رلانا ہے۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان مجلسوں سے دونوں فائدے حاصل کرو۔ کارنامے سن کر قوت عمل پیدا کرو تاکہ ان کی ہدایت سے فائدہ ہو۔ مصائب سن کر آنسو بہاؤ تاکہ دامن عصیاں پاک ہو۔ نماز پڑھتے جاؤ، روتے جاؤ روزہ رکھتے جاؤ روتے جاؤ حج کرتے جاؤ روتے جاؤ عزت داروں کی عزت بچاتے جاؤ روتے جاؤ۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے جاؤ روتے جاؤ مظلوموں کے ساتھ ہمدردی کرتے جاؤ روتے جاؤ۔ پیاسوں کو پانی پلاتے جاؤ روتے جاؤ میدان عمل میں بڑھتے جاؤ روتے جاؤ۔ اگر یہ طریقہ سیکھنا ہو تو امام زین العابدینؑ سے سیکھو کہ جنہوں نے زندگی کے چالیس سال رونے میں گذارے کیا وہ نماز نہیں پڑھتے تھے یا استغفراللہ روزہ نہیں رکھتے تھے۔ ایسا نہ تھا بلکہ وضو کرتے جاتے تھے روتے جاتے تھے عبادت کرتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے روتے جاتے تھے عبادت کرتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ

اگر یوں زندگی گذار دیجئے تو عمل بھی قبول ہو۔ رونا بھی کام آجائے۔

بہرحال اعتبارات ہر موقع پر ملتے ہیں۔ عمل میں اعتبار کو دخل ہوتا ہے۔ فہم میں اعتبار کو دخل اور اک میں اعتبار کو دخل پیغمبر سے لے کر امام آخرالزمان تک ۱۴۔ افراد ہیں اور ایک معصوم ہے۔ رجال و تسارل کے تباہیں کہ کس کی پیروی کریں۔ رسول نے تیرہ ۱۳ سال صلح میں گذارے اس کے بعد جنگ میں عمر گذاری۔ علیؑ نے تین عہد صلح میں گذارے۔ اس کے بعد جنگ کی نبی و علیؑ کے دو ورثہ دار حسنؑ نے تمام زندگی صلح میں گذار دی۔ حسینؑ نے جنگ کی امام زین العابدینؑ نے گوشہ نشینی کی زندگی گذاری امام محمد باقرؑ نے تقیہ کی حالت میں زندگی بسر کی۔ امام جعفر صادقؑ نے تعلیم و تبلیغ کی زندگی گذاری امام موسیٰ کاظمؑ نے قید خانہ میں عمر گذار دی۔ امام رضاؑ نے ولیعہدی قبول کر لی۔ یہاں تک کے آخری امام نے غیبت اختیار کی اب تبائیے کس کی متابعت کیجئے گا۔ یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے کہ ان میں ایک صواب پر تھا اور دوسرا خدانخواستہ خطا پر تھا۔ کہنا پڑے گا کے سب حق پر تھے پھر جب سب حق پر تھے تو مواقع الگ الگ ہوں گے جس کے لئے جس وقت تک صلح کا موقع تھا اس وقت تک صلح کی اور جب جنگ کا موقع آگیا۔ جنگ کی جس کے لئے خاموشی کا موقع تھا۔ خاموشی اختیار کی جس کے لئے تبلیغ کا موقع تھا۔ تبلیغ کی پھر یہ موقع آپ کو کون پہنچوائے۔ ان سے پوچھئے گا کہ جو سیرت امام سے بے خبر ہو۔ احکام قرآن سے جاہل ہو احادیث نبوی سے

ناواقف ہو فرمان ائمہ سے مطلع نہ ہو یا اس سے پوچھے گا کہ جو ان کا کلام
سمجھنے والا ہو۔ آپ خود غور کریں کہ مجتہدین سے پوچھنے کی ضرورت ہے
یا نہیں اگر آپ نے اپنی رائے سے عمل کیا تو عمل نہ ہوگا۔ کہ معصومین کی
رائے کے مطابق اور منشا۔ کے موافق نہ ہوگا۔ اگر منشاء اور حکم کے
موافق عمل کرنا ہے۔ اگر ان کے نشان قدم بقدم رکھتے ہوئے چلنا ہے تو
ائمہ کے علوم جاننے والوں سے حاصل کر کے عمل کیجئے؛

معمولی سی بات ہے۔ کہ کمہار آبخورہ بناتا ہے صراحی بناتا ہے
گھڑا بناتا ہے مٹی سے بہت سی چیزیں بنا کے رکھ دیتا ہے آپ اس کے
یہاں جاتے ہیں نہ پرکار سے ناپتے ہیں۔ نہ زاویے دیکھتے ہیں نہ تناسب
پر نظر ڈالتے ہیں۔ آبخورہ صراحی پرکھ دیتا ہے۔ آپ کورانہ تقلید کئے
ہوئے لئے چلے آتے ہیں۔ نہ اس سے پوچھتے ہیں کہ آبخورہ اس طرح کا
کیوں بنایا نہ یہ سوال کرتے ہیں کہ صراحی اس قسم کی کیوں بنائی نہ اعتراض
کرتے ہیں نہ وجہ دریافت کرتے ہیں جیسی بنا دیتا ہے لے آتے ہیں۔ ایک
جاہل کمہار کی تریوں کورانہ تقلید کرتے ہیں۔ کہ کمہار کا جو دل چاہا اس نے
بنا دیا آپ لے آئے اور وہ مفت نہیں بلکہ دام دے کر اور یہی کیا اپنے
جملہ معاشرتی معاملات میں تقلید ہی پر بنا کی جاتی ہے خواہ لباس ہو یا طعام
بلکہ انتہا یہ ہے کہ تہذیب و اخلاق میں بھی بلا غور و فکر تقلید کرتے ہیں
نہ اصراف پر نظر نہ گھر مٹنے کی خبر مگر یہاں شریعت بنانے والوں نے
شریعت بنائی کسی جاہل نے نہیں بنائی بلکہ حکیم نے بنائی کسی سفیہ نے

نہیں بنائی بلکہ حکیم نے بنائی تو آپ سوال پر سوال کرنے کے لئے تیار نماز صبح کی دو رکعتیں کیوں ہوئیں نماز مغرب کی تین رکعتیں کیوں ہوئیں کتا نجس کیوں ہوا گائے حلال کیوں ہوئی۔ شراب حرام کیوں ہے۔ پردہ واجب کیوں ہے۔ بنانے والے نے جیسی مصلحت دیکھی بنا دیا گو صراحی اور آبخورہ ایک جاہل کمہار کا بنایا ہوا ہے جسے نہ مصلحت کا ادراک نہ علم سے واسطہ مگر کچھ سمجھ ہی کے بنایا ہے۔ صراحی کو خزانہ بنایا تاکہ پانی اپنے مرکز میں جمع رہے اور اس پر ایک آبخورہ رکھ دیا۔ آپ لائے اور لا کر بزم میں رکھ دیا تاکہ ہر شخص بقدر ظرف اس سے پانی حاصل کرے جسے جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ اس آبخورہ میں لے کر پی لیتا ہے۔ ایک پانی کا مرکز ہے۔ دوسرا تقسیم کرنے والا ہے۔ ہمیں تو بحمد اللہ نہ ساغر کی ضرورت نہ صراحی کی نہ آبخورہ کی۔ ہمیں تو خم کے خم ملیں گے۔ یہاں بزم میں صراحی مرکز بنتی ہے۔ آبخورہ مُقسِّم بنتا ہے۔ جو آتا ہے اسی آبخورہ کے ذریعہ سے پانی حاصل کر لیتا ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ ہم صراحی سے پئیں گے یہ نہیں کرتا کہ صراحی کو منہ سے لگا لے۔ بلکہ اسی آبخورہ کے ذریعہ سے پانی حاصل کرتا ہے قدرت نے بھی ایک مرکز بنایا ہے دوسرے کو تقسیم کرنے والا اَنَا دَارُ الْحِکْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ چیز جب ملتی ہے دروازہ سے ملتی ہے۔ اس لئے خدا نے پیغمبر کو حکمت کا خزانہ بنایا اور علی کو اس کا قسیم اب جسے خدائی حکمت لینا ہو۔ اس باب حکمت تک آئے ورنہ حکمت الٰہیہ حاصل نہ ہوگی۔ اسی طرح ہر قائم مقام

اپنے عہد میں حکمت کو تقسیم کرتا رہا۔ آج بھی ان کے کلمات حکمت کے خزانے بنے ہوئے ہیں۔ ان کے ارشادات حکمت کے دریائے بیکراں ان کے فرمان حکمت کے بحر مواج ہیں۔ دنیا کیا ایسی حکمت پیش کر سکتی ہے جو حکمت محمد وآل محمد کے دروازے پر مل سکتی ہے۔ یہ علم کا زمانہ تھا۔ باب علم مفتوح تھا۔ ہر آنے جانے والا علم قطعی لیکے پلٹتا تھا۔ جس مسئلہ کی جس وقت ضرورت ہوئی دریافت کر لیا کوئی وقت نہ تھی کوئی مشکل نہ تھی۔ حکمت الٰہی کے رکھنے والے سامنے موجود تھے۔ اب جس وقت سے باب علم مسدود ہو گیا علم کا دروازہ بند ہو گیا صاحب حکمت الٰہیہ پردہ غیب میں چھپ گیا۔ علم ناممکنات سے ہو گیا اب بتائیے کیا وہم پر عمل کیجئے گا۔ اگر کہیں وہم پر عمل کیا تو ساری شریعت وہمی بن کے رہ جائے گی یا شک پر عمل کیجئے گا۔ اگر شک پر عمل کیا تو ساری شریعت مشکوک ہو کے رہ جائے گی لامحالہ ظن پر عمل کرنا پڑے گی۔ اس لئے کہ علم مسدود ہے اب سوا اس کے کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ظن پر عمل کیجئے جو اقرب الی العلم ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادراک کی چار منزلیں ہیں۔ وہم۔ شک۔ ظن علم ان چاروں منزلوں میں ابتدائی تین منزلیں ناقص نکلیں۔ چوتھی منزل کامل نکلی اس وقت اصولیین کے اختلافات اصالت حرمت عمل علی الظن اِلَّا مَا اَخرَجہ الدلیل یا اصالت جواز عمل علی الظن سے بحث نہیں ہے۔

بہر صورت جب علم ناممکن ہے تو جو اس سے اقرب ہے اس پہ

عمل کرنا پڑے گا۔ اب بتایئے کس کے ظن پر عمل کیجئے گا۔ جو لوگ احادیث سے بے بہرہ ہوں قرآن کے مطالب سے بے خبر ہوں۔ اولہ اربعہ سے ناواقف ہوں۔ ایسوں کا ظن کیا حقیقت رکھتا ہے۔ اس لئے ان کے ظن پر عمل کرنا ناگزیر ہوگا۔ جو احادیث معصوم کے سمجھنے والے ہوں اولہ اربعہ سے واقف ہوں علم درایت رکھنے والے ہوں علم رجال سے باخبر ہوں فرمان پیغمبر سے آگاہ ہوں قرآنی آیات کے سمجھنے والے ہوں فقہ جاننے والے ہوں انھیں کو مجتہد کہتے ہیں۔ اب مجتہدین میں بھی مراتب ہوتے ہیں۔ جس کا علم زیادہ ہوگا اُس کا ظن اقرب الی الصواب ہوگا جس کا ظن اقرب الی الصواب ہوگا اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا یہی وجہ ہے کہ تقلید اعلم واجب ہے آپ تقلید سے مستغنی اُس وقت ہو سکتے ہیں جب خود اتنا علم ہو کہ کلام معصوم سمجھ سکیں علم درایت و رجال سے باخبر ہوں ضعف و قوت احادیث کا پتہ چلا سکیں لیکن جب علم نہیں ہے۔ تو لا محالہ ایسوں کی تقلید کرنا پڑے گی جو فقہ اہلبیت سے واقف ہوں۔ تاکہ آپ کی عبادت حکم خدا و رسول و طریق اہلبیت کے موافق ہو جائے۔ ہم کو ہر وقت ضرورت ہے کہ ائمہ سے معلوم کرکے اعمال کریں جب امام نہ ملے تو اقلاً اُس کا ظہور ہی ملے۔ یہ علماء و مجتہدین بلحاظ نیابت منظاہر ہیں یہی وجہ ہے کہ جب ہم میں سے کوئی عالم و نائب امام اٹھ جاتا ہے تو ہم غمزدہ نظر آتے ہیں ہم کیا وہ مقام روتا ہے جہاں وہ عبادت کرتا تھا وہ مسجدیں روتی ہیں جہاں وہ نماز پڑھتا تھا وہ درس گاہ ماتم کرتے

میں جہاں وہ نشر علوم کرتا تھا۔ وہ طلاب روتے ہیں۔ جو اس سے علم اہلبیت
حاصل کرتے تھے بالخصوص اگر وہ زاہد بھی ہو دنیا سے کنارہ کش بھی تو اس
کا غم اور زیادہ ہو جاتا ہے اور اگر غریب الوطن بھی ہو تو پھر نہ پوچھئے کیا غم
ہوتا ہے۔ غربت وطن عجیب چیز ہے خدا نہ کرے کہ کسی کو یوں موت آئے
اعزا سے دور قرابت داروں سے بعید وطن سے جدا عالم غربت میں
آئیے ہم اور آپ مل کر اس وقت خراسان چلیں اور سلام کریں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ
یَا غَرِیْبَ الْغُرَبَاءِ تنہا غریب بھی نہیں بلکہ غریب الغرباء بادشاہ وقت
کے سامنے زہر سے موت واقع ہوئی۔ فوراً ایک قبہ نظر آیا۔ غسل وکفن کا
انتظام بھی ہو گیا۔ آپ کے صاحبزادے دور تھے وہ بھی آ گئے نماز جنازہ
بھی پڑھائی اتنی باتوں پر بھی غریب الغرباء ہائے اس وقت یاد آتا ہے
مجھے اپنا غریب حسینؑ وطن سے دور عالم مسافرت کربلا کا میدان جلتی
ہوئی زمین بہنوں کے ہاتھ رسن سے بندھے ہوئے ایک بیٹا ساربان
بنا ہوا۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پاؤں میں بیڑیاں گلے میں خاردار طوق
کہتا ہوا اُقَادُ ذَلِیْلًا فِیْ دِمَشْقَ كَاَنَّنِیْ مِنَ الزَّنْجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصِیْرٌ
دمشق میں مجھے یوں کھینچے کھینچے پھرے۔ جیسے غلام حبشی جس کا کوئی مددگار
نہو۔ وَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِیْ كُلِّ مَشْهَدٍ وَشَیْخِیْ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ زَعِیْمٌ
حالانکہ میرے جد رسول اللہ ہیں اور میرے دادا امیر المومنین علی ابن
ابی طالبؑ ہیں۔ خیال ہوا ہو گا کہیں اس حال میں دیکھ کے واقعاً کوئی
غلام نہ سمجھ لے اس لئے اپنا نسب نامہ بھی بیان کر دیا کہ اے اہل کوفہ و

شام مجھے کچھ اور نہ سمجھ لینا میں رسول اللہ کی نشانی علی المرتضیٰ کا پوتا ہوں اسی حالت میں دربار شام تک پہنچے۔ جمعہ کا دن تھا۔ مسجد میں سب لوگ جمع تھے۔ ہمارا امام بھی موجود تھا اہل شام نے اصرار کیا اسے یزید بہت دن ہوگئے خاندان اہلبیت سے خطبہ نہیں سنا زین العابدینؑ کو اجازت دے کہ وہ خطبہ ارشاد فرمائیں۔ یزید نے مجبور ہو کر اجازت دی ہمارا امام منبر پر آیا آپ عالم کے ہاتھوں پر بوسہ دیتے ہیں یہاں کون بوسہ دینے والا تھا۔ ہاتھوں کی ہتھکڑیاں امام وقت کے ہاتھوں کو چوم رہی تھیں۔ عالم کے گلے میں خطبہ پڑھتے وقت تحت الحنک ہوتا ہے یہاں بجائے تحت الحنک خاردار طوق تھا

امام نے خطبہ شروع کیا مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا اُعَرِّفُہٗ جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہ پہچانتا ہو اسے میں پہچنوا دوں اَنَا ابْنُ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی اَنَا ابْنُ عَلِیِّ نِ الْمُرْتَضٰی اَنَا ابْنُ فَاطِمَۃَ الزَّھْرَاءِ میں محمد مصطفےٰ کا بیٹا ہوں علی مرتضیٰ کا بیٹا ہوں میں فاطمہ زہرا کا فرزند ہوں۔ ابھی ہمارا امام کلام بھی پورا کرنے نہ پایا تھا کہ سامعین میں تلاطم برپا ہوگیا ہر شخص نے چیخیں مار مار کے رونا شروع کیا۔ غالباً اہلبیت کا اگلا زمانہ یاد آگیا ہوگا کہ کیا شان تھی اور اب کیا ہوگیا۔ یزید کو خوف ہوا کہ کہیں مجمع ان کا طرفدار نہ ہو جائے کلام قطع کرنے کے لئے مؤذن کو اذان کا حکم دیا۔ ہمارا امام خاموش ہوگیا۔ مؤذن نے اذان شروع کی اللہ اکبر

کہ کے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا۔ اس کے بعد جب مؤذن نے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہ کہا امام یزید کی طرف مخاطب ہوئے اے یزید اذان میں کس کا نام لیتا ہے۔ یہ محمد کس کے جد تھے اگر تو یہ کہے کہ تیرے جد تھے تو جھوٹا ہے اور اگر یہ کہے کہ ہمارے جد تھے تو کیوں یزید نانا کا نام تو اذان میں لے اور نواسوں کو ذبح کرے۔ بیمار امام کا کلام قطع تو ہوا مگر غنیمت تھا کہ اذان کے ذریعہ قطع کیا گیا ہائے حسین کا کلام کیونکر قطع کیا گیا حرملہ کے تیر نے معصوم کا گلا چھین کا بازو چھید کر حسین کا کلام قطع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدر المتکلمین فخر المحققین مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی دام ظلہ

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ؀

پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے اولاد آدم کو شرافت عطا کی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواریاں مرحمت کیں اور ہم نے اپنے خوان نعمت سے ان کو اچھے اچھے رزق عطا کئے اور بہت سے مخلوقات پر ان کو فضیلت دی پروردگار عالم نے انسان کو مکرم و مختار بنایا اور ایسے خصوصیات کا حامل قرار دیا۔ جس کی وجہ سے وہ اکرم موجودات

سے اشرف ہوگیا لیکن جو کچھ فضیلت دی تھی وہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے انسان وہ منازل ترقی حاصل کرے اور اس عمل ارتقاد پر فائز ہو جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ شرافت عطا کی تھی۔ رہ جانے کے لئے فضیلت عطا کی تھی۔ دنیا سے آخرت تک باقی رہنے کے لئے نعمتیں دی تھیں۔ شکر گزار بنانے کے لئے تاج کرامت عطا کیا تھا ہدایت کے لئے انسان بھیجا گیا تھا کہ اگر ناقص جائے تو کامل بن کے آئے اگر جاہل جائے تو عالم بن کے آئے اگر قطرہ گندیدا انتدا ہو تو طاہر بن کے آئے لیکن افسوس انسان نے آنے کے بعد جس لئے آیا تھا وہ بھول بیٹھا اور ضلالت کے گہرے پردہ اس کی آنکھوں پر پڑ گئے چاہیئے تو یہ تھا کہ دنیا کو سرائے سمجھتا۔ آخرت کو قیامگاہ جانتا۔ دنیا کو راستہ۔ آخرت کو منزل دنیا کو بازار آخرت کو گھر۔ دنیا کو ذریعہ۔ آخرت کو مقصد۔ دنیا کو طریق عمل آخرت کو اس کا نتیجہ حاصل ہونے کی جگہ سمجھتا مگر انسان دنیا میں آنے کے بعد سب کچھ بھول گیا۔ جو شرافت لے کے آیا تھا۔ اسے پسِ پشت ڈال کے ایسا کھویا کہ مقصد فراموش ہوگیا۔ منزل یاد نہ رہی۔ بغرض حاقت سے غافل ہوگیا۔ شریعت چھوٹنے لگی۔ اعمال سے بے پرواہ ہوگیا۔ واجبات ترک ہونے لگے۔ محرمات کا ارتکاب شروع ہوگیا غفلت کے ایسے پردے پڑے کہ روحانیت رخصت ہونے لگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عادل کا سامنا ہی نہ ہوگا کسی قہار کے سامنے پیشی ہی نہ ہوں گے کوئی پرسش کرنے والا اعمال سے سوال

ہی نہ کرے گا۔ آئے تھے اس لئے کہ ہدایت رسولؐ سے مستفید ہوتے
علیؑ کے مواعظ سے اپنے اعمال درست کرتے خلق حسنؑ سے اپنے
اخلاق کی اصلاح کرتے صبر حسینؑ سے شکر سیکھتے۔ بجائے اس کے جہل
قدرسن بڑھتا گیا۔ اعمال خراب ہوتے گئے۔ معروف سے دور ہوتے گئے
منکر سے قریب ہوتے گئے احکام شریعت چھوٹتے گئے خواہشات
کے تابع ہوتے گئے افسوس کوشش کرکے کم سے کم ہم ایسے تو بن جائیں
کہ رسولؐ شفاعت کرسکیں۔ اہلبیت سفارش کرسکیں ائمہ نجات دلاسکیں یا
بخشش کو ذریعہ مل جائے۔ مغفرت کو سہارا مل جائے۔ رحمت کو بہانا مل جائے
ہمارا پیغمبر اس عہد سے غافل نہ تھا۔ یہ پرآشوب زمانہ وہی ہے جس کی خبر
ہمارا رسول دے گیا تھا۔ کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں شریعت
محو ہو جائے گی احکام خدا معطل ہو جائیں گے ارکان دین مضمحل ہو جائینگے
محرمات کا علی الاعلان ارتکاب ہوگا۔ واجبات سے تنفر ہوگا معروف
منکر ہو جائے گا۔ منکر معروف ہو جائے گا۔ اسلام برائے نام رہ جائیگا
دینھم دنانیرھم ان کا دین دینار بن جائیں گے ایمان دلوں سے
یوں اڑ جائے گا۔ جیسے سرمہ کی تحریر آنکھوں سے کس قدر لطیف مثال
ہے۔ جس طرح رات کو سرمہ لگاتے وقت معلوم ہوتا ہے کہ سرمہ لگایا
مگر صبح کو جب دیکھتے ہیں تو وہ غائب۔ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کس وقت
غائب ہوا اسی طرح ایمان لوگوں سے رخصت ہو جائے گا اور معلوم
بھی نہ ہوگا۔ کہ کب رخصت ہوا۔ اس لئے کہ معروف جب منکر سمجھ کے

ترک ہو جائے گا۔ اور منکر معروف سمجھ لیا جائے گا۔ تو پھر عمل کرے گا۔ معروف سمجھ کے ضل ہو گا۔ منکر ایمان رخصت ہو جائے گا۔ میں موعظ نہیں کر رہا ہوں کیونکہ یہ تو علماء کا منصب ہے۔ بلکہ ایک درد دل ہے جس کا اظہار کر رہا ہوں لیکن اسی کے ساتھ اہل علم سے درخواست بھی ہے کہ آپ منزجر نہ ہوں اگر لوگ نہیں سنتے اگر دنیا والے احکام شریعت سے نفرت کرتے ہیں۔ تو کرنے دیجئے آپ کا فرض ہے موعظہ کرتے جائیے آپ کا منصب ہے ہدایت فرماتے رہیئے کوئی سُنے یا نہ سُنے تاکہ کل خدا کے سامنے یہ کوئی نہ کہہ سکے ہماری کسی نے ہدایت ہی نہ کی۔ ہم تک تیرے احکام کسی نے پہنچائے نہیں ہم کو حلال وحرام بتانے والا کوئی تھا ہی نہیں آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیئے اگر کوئی نہیں سنتا تو تعجب کیا ہے جن کی ڈیوڑھی کے آپ خادم ہیں وہ چاہتے تھے کہ کوئی سننے والا ہوتا تو احکام خدا سناتے کوئی لینے والا ہوتا تو اسے علم دیتے کوئی سمجھنے والا ہوتا تو اسے راہ حق سمجھاتے۔ چنانچہ امیرالمومنین علیہ السلام منبر کوفہ پر ارشاد فرماتے تھے کہ کاش لوگ علم لینے والے ہوتے تاکہ میں انہیں علم تقسیم کرتا ائمہ کے دلوں میں تمنائیں تھیں کہ ہم حق کا راستہ دکھائیں ہم وہ علم لوگوں تک پہنچائیں جو ہمارے پاس ہے اور علم لینے والے نہیں ملتے تھے امام جعفر صادقؑ دعا فرماتے تھے لوگوں کو توفیق عطا کر کہ وہ مجھ سے اس علم کو حاصل کریں جو میرے پاس ہے پھر آج اگر علماء سے موعظہ سننے والے نہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ انسان کو وہ دن

نہ بھولنا چاہیئے۔ جب عمل کی منزل ختم ہو گئی ہو گی۔ نتیجہ کے دیکھنے کا دن ہو گا۔ موقف حساب ہو گا اولین و آخرین کا مجمع ہو گا اعمال سے سوال ہو گا کوئی مدد کرنے والا نہ ہو گا نہ کوئی ساتھ دینے والا ہو گا۔ یگانے بیگانے بنے ہوں گے اپنے پرائے ہوں گے اعضا گواہ ہوں گے۔ خدا کا سامنا ہو گا۔ سوا عمل کے کوئی کام نہ آئے گا۔ پیغمبر فریاد کر رہا ہو گا فاطمہ میدان حشر میں آئیں گی۔ خدا نے کس لئے دنیا میں بھیجا تھا اور کیا کیا آئے تھے کس لئے اور گئے تو کیا لے کے گئے۔ حلال خدا قیامت تک حلال رہے گا۔ حرام خدا قیامت تک حرام رہے گا دین اس نے کامل کر کے دیا تھا نعمتیں اس نے تمام کر کے دی تھیں۔ شریعت میں اس نے کوئی کمی نہیں کی تھی تاکہ آپ کو اضافہ کی ضرورت ہو احکام میں کوئی نقص نہیں تاکہ آپ کو رد و بدل کی ضرورت ہو شریعت میں کوئی فساد نہیں تاکہ اصلاح کی ضرورت ہو۔ پھر عبادت کے معنی تو یہی ہیں کہ جو اس کے احکام ہیں ان کی من و عن تعمیل کی جائے۔ اطاعت اسی کا نام ہے۔ کہ احکام مولا کی پابندی کی جائے۔ نہ اپنی جانب سے ترمیم ہو نہ اپنی طرف سے اصلاح ہو بتانے والے جو بتا گئے ہیں اسی پر عمل ہو جو نشانات مقرر کر گئے ہیں۔ انہیں کی پابندی ہو جو آگے راستہ سمجھا کے گئے ہیں انہیں کے نشان قدم پر قدم ہو تاکہ جہاں آگے جانے والے پہنچے ہیں وہی ہماری بھی منزل ہو اور خواہشات جو قوۂ غضبانی کا نتیجہ ہیں اس میں دھنس کے رہ جائے مادیت اپنی طرف نہ کھینچے بلکہ روحانیت اپنی طرف

کھینچ لیجائے۔

بہر حال ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ ہم نے اولاد آدم کو مکرم کیا کاش انسان اس ملی ہوئی فضیلت کو آخر تک کھینچ لے جائے حقیقتہً منزل فضیلت نباتات سے شروع ہوتی ہے۔ یہ ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ جہاں سید فیاض نے نمو عطا فرما کر فضیلت مرحمت فرمائی جو چھوٹا پودا ابتداءً ظاہر ہوتا ہے قوۃ نامیہ کے ذریعہ سے ترقی کر کے تناور شجر بن جاتا ہے اشجار ظاہرا تو صف بستہ قائم نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں یہ سربسجود ہیں اگرچہ شعراء نے ان کی شاخوں کو سروں کی تمثیل میں صرف کر دیا ہے مگر حقیقتہً یہ شاخیں سر نہیں ہیں۔ سر کے بمنزلہ ان کے وہ نیچے کے حصے ہیں جو زمین سے ملے ہوئے ہیں کیونکہ سر کٹ جانے کے بعد موت طاری ہوجاتی ہے۔ مگر یہاں اس کے برعکس جس قدر شاخیں چھٹتی جاتی ہیں جس قدر قطع ہوتی جاتی ہیں اسی قدر شادابی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی قدر قوۃ نامیہ کا اثر بڑھتا جاتا ہے اسی قدر اشجار سرسبز ہوتے جاتے ہیں اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر فروع بمنزلہ رؤس ہوتے تو یہ کیفیت نہ ہوتی ہاں اگر اشجار پر موت طاری ہوتی ہے تو اصول کے قطع ہوجانے سے ادھر جڑیں کٹیں ادھر موت طاری ہوئی معلوم ہوا کہ اشجار کے اصول ہی بمنزلہ سروں کے ہیں۔ اشجار جب سے پیدا ہوئے انہوں نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا بلکہ زمین ہی پر سربسجود پیدا ہوئے اور آخر تک سربسجود رہے ایک دم کے لئے تراب سے سر اٹھانا نہ چاہا یہ تواضع یہ انکساری یہ فروتنی۔ یہ اشجار کا سر جھکانا معبود کو

اس قدر پسند آیا کہ اس نے بھی غذا وہیں دی۔ جہاں وہ سربسجود تھے اگر تم خود سجدہ سے سر اٹھانا نہیں چاہتے ہو تو میں بھی نہیں چاہتا ہوں کہ تم کو سجدہ سے سر اٹھانا پڑے یا اپنی غذا کے لئے ہاتھ پھیلانا پڑے۔ لو وہیں غذا لو جہاں سجدہ میں سر ہے۔ جڑوں کے ذریعہ سے غذا پہنچائی اور یوں چھپا کے کہ آج تک نہ کسی نے اشجار کو مانگتے ہوئے دیکھا نہ غذا پاتے ہوئے دیکھا۔ غذا جڑ وں تک پہنچی اور جڑوں کے ذریعہ سے شجر تک پہنچی۔ شاخوں میں سبزی آئی پھولوں میں خوشبو آئی۔ ثمرات میں شیرینیت آئی پورا چمن لہلہا اٹھا۔ مگر آج تک کسی نے نہ دیکھا کہ غذا کب ملی کس وقت ملی۔ کہاں سے ملی غذا ملی مگر اس طرح کہ نہ دینے والے کا ہاتھ نظر آیا نہ پانے والے پاتے ہوئے نظر آتے اگر نظر آیا تو اتنا کہ غذا پاتے ہی سبز خون نے رگوں میں دوڑ کے خوشبو نے پھیل کے سبزہ نے لہک کے پھولوں نے مہک کے دینے والے کا شکریہ ادا کیا عطا کرنے والا عطا کرے تو یوں اور پانے والے پائیں تو یوں کہ جھولی بھر جائے مگر دینے والے کا ہاتھ نظر نہ آئے اشجار خاک کے دامن میں پلے۔ آغوش زمین میں تربیت ہوئی۔ مگر اتنی اچھی تربیت کہ نہ کبھی ناشکری کی نہ اطاعت سے منہ موڑا نہ غیر کے سامنے پیشانی خم کی۔ نہ خدا کے سجدہ سے سر اٹھایا۔

اس کے بعد حیوانات ہیں جو ارتقاء کی دوسری منزل پر ہیں حیوانات کو خداوند عالم نے نباتات پر فضیلت دینے کے لئے ان کے سر کو بلند کیا

لیکن انسان کی طرح مستقیم القامت نہیں بنایا یعنی اشجار جو سربسجود تھے ان کے بہ نسبت حیوانات کو گو سربلند پیدا کیا لیکن حالتِ رکوع میں قرار دیا نہ اشجار کی طرح سربسجود نہ انسان کی طرح مستقیم القامت بلکہ دونوں کے درمیان رکوع کی کیفیت طاری کر دی۔ اس کے بعد انسان کی منزل ہے یہ ترقی کا انتہائی درجہ اور مخلوقات ارضی کا آخری زینہ ہے۔ جسے خداوند عالم نے شرافت و کرامت عطا کر کے سربلند پیدا کیا نہ اشجار کی طرح سربسجود نہ حیوانات کی طرح حالت رکوع میں بلکہ مستقیم القامت پیدا کر کے بتایا کہ اے انسان میں نے تیرے سر پہ تاج کرامت رکھ کے تجھے جمادات و نباتات، و حیوانات سے سربلند کیا ہے۔ تیری پیشانی میں نے خم نہیں کی پھر اگر انسان کی پیشانی جھکے تو کس کے سامنے اور اس کا سر خم ہو تو کس کے آگے کیا جمادات اس کا سر جھکا سکتے ہیں۔ یا نباتات اپنے سامنے اس کا سر خم کر سکتے ہیں یا حیوانات کی طرف یہ پیشانی جھکنا چاہیے ہرگز نہیں۔ اب یہ پیشانی اگر جھکے تو اسی پیدا کرنے والے کی درگاہ میں اگر خم ہو تو اسی معبود کی ڈیوڑھی پہ۔ لیکن اسی پر اکتفا نہ کی۔ اگر صرف مستقیم القامت ہی پیدا کر دیتا تو جس طرح حیوانات کو اس نے حالتِ رکوع میں پیدا کیا۔ مگر آب و طعام کے سامنے انہیں اپنا سر جھکانا پڑتا ہے انسان کو بھی اگر پیشانی جھکانا پڑتی تو پھر فضیلت کیا ہوتی۔ اس لئے دو ہاتھ عطا فرما دیئے کہ لقمہ انہیں ہاتھوں کے ذریعہ سے پہونچے۔ ایک لقمہ جو ہاتھوں کے ذریعہ بطن تک پہنچتا ہے۔ جسے اس نے غذا کا گھر

بنایا ہے۔ یہ نا چاہا کہ یوں ہی پہنچ جائے۔ جب تک اس کی جانچ کرنے والے جانچ نہ کرلیں۔ لامسہ لمس کے ذریعہ معلوم کرے کہ گرم و سرد میں اعتدال ہے یا قوتِ شامہ سونگھ کے معلوم کرلے کہ بدبو تو نہیں ہے۔ اگر بدبو ہو تو وہیں سے واپس کردے۔ باصرہ دیکھ کے پتہ چلالے کہ یہ قابل اکل ہے یا نہیں اگر قابل اکل نہ ہو تو وہیں سے واپس کردیا جائے۔ اگر ان سے غلطی ہوجائے تو ذائقہ چکھ کے پتہ چلالے کہ اس میں کوئی فساد تو نہیں ہے۔ پھر دانتوں کو اس نے بطن کے لئے پہرہ دار بنادیا کہ جب تک جانچ نہ کرلی جائے اس وقت تک یہ لقمہ آگے نہ بڑھنے پائے۔ یہ حواس جانچ کرنے والے اس جسمانی غذا کے لئے اس نے بنائے کہ پہلے غذا ان پانچوں کے سامنے پیش ہولے جب یہ پانچوں جانچ کرلیں کہ اس میں اصلاح ہے فساد نہیں ہے۔ تب لقمہ بطن تک پہنچے۔ جب جسمانی غذا بلا جانچ کئے ہوئے آگے نہ بڑھنے دی تو پھر ہمارے اعمال کی جب تک جانچ نہ ہوجائے وہ خدا تک کیونکر پہنچ سکتے ہیں۔ پہلے کچھ لوگوں کے سامنے پیش ہولیں گے تب اس قابل ہونگے کہ درگاہ الوہیت میں پیش ہوں بہرحال اس نے آپ کے گھر یعنے پیٹ میں نہ چاہا کہ فساد رہے اور اگر کچھ فاسد اشیاء پہنچ جاتے ہیں تو وہ قوۃ دافعہ کو مقرر کردیا ہے جو دفع کرتی رہتی ہے تاکہ فساد نہ رہنے پائے۔ یہاں تک کہ پانی میں بھی جو چیز فاسد ہوتا ہے اسے نہیں رہنے دیتا۔ یا وہ ہوا جو فاسد ہوجاتی ہے اس کے دفعہ کرنے کے لئے انتظام کیا پھیپھڑوں کو

مقرر کر دیا۔ تاکہ ہر وقت تازی ہوا پہنچاتے رہیں اور فاسد ہوا خارج ہوتی رہی۔ یہ سارا انتظام صرف اس لئے ہے کہ اس انسانی گھر میں فاسد شئے نہ رہنے پائے تاکہ فساد برپا کر دے جب اس نے کچے گھر میں نہ چاہا کہ فساد رہے تو وہ گھر جسے اس نے وحی کی منزل بنائی ہو قرآن اتارنے کے لئے منتخب کیا ہو۔ شریعت کا محل بنایا ہو رسالت کا مستقر قرار دیا ہو۔ جسے بیت عصمت قرار دیا ہو۔ کب گوارا کریگا کہ وہاں کوئی فسادی رہنے پائے اور اگر فسادجمع ہو جائے گا تو اسکے دفع کا انتظام یوں کیا جائیگا کہ پیغمبر حکم دیگا تو تو اخرجنی میرے گھر سے دور ہو جاؤ۔ خداوند عالم نے پیکر انسانی کو عناصر اربعہ سے بنا کر اس میں نفس کو قائم کیا وہ حکماء جن کا فیض آج تک جاری ہے۔ جن کے بتائے ہوئے نشانات پر آجتک لوگ حکیم بنتے ہیں۔ جن کی حکمت پر دنیا والیں کرنا ز ہے اس موقع پر ایک ان کا قول ذکر کرنا چاہتا ہوں تاکہ مطلب واضح ہو جائے وہ لکھتے ہیں کہ نفس انسانی کے لئے چار بیڑیاں ہیں جب قدر ان بیڑیوں کو قطع کرتا جائے گا۔ اسی قدر اس کی ترقی میں اضافہ ہوتا جائے گا آب و باد خاک و آتش یہ عناصر اس نفس کے لئے بیڑیاں ہیں یہ نہ سمجھئے گا کہ نفس اعضاء و جوارح رکھتا ہے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ معنوی اقدام ہیں جنہیں یہ نگاہیں نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ بلکہ نگاہ عقل سے اگر دیکھئے گا۔ تو نفس انسانی تو ائم اربعہ پر قائم ہے ایک قدم اس کا خاک پر ہے ایک قدم آب پر ایک قدم باد پر ایک قدم آتش پر یہ

چاروں عناصر اس کے اقدام رد کئے ہوئے ہیں۔ اب جتنی بیڑیاں قطع کرتا جائے گا۔ اس قدر بلند ہو جائے گا۔ اگر آتشی بیڑیاں قطع کر بچا تو آگ اس کے لئے گلزار بن جائے گی اور اگر آبی بیڑیاں قطع کر چکا تو پانی پر چلتا نظر آئے گا۔ اور اگر بادی بیڑیاں قطع کر لیں تو ہوا پہ چلتا ہوا ملے گا۔ لشکر در پہ ہوگا در خیبر ہاتھ پر ہوگا۔ قدم ہوا پر ہوں گے دیکھنے والے دیکھ رہے ہوں گے عمل ہوا پر قائم ہوں گے اور اگر ترابی بیڑیاں قطع کر دیں۔ تو پھر ابوتراب بن جائے گا۔ زمین کا ورق اس کے اختیار میں ہوگا۔ تمامی اس کے ہاتھ میں ہوگی وہ لوگ جنہوں نے چاروں بیڑیاں قطع کر دیں ہیں نہ خاکی بیڑیاں ان کو روک سکتی ہیں نہ آبی بیڑیاں نہ بادی نہ آتشی ان کا نفس آزاد تھا مادیت کے تعلقات ضعیف ہو چکے تھے روحانیت غالب آچکی تھی۔ اس لئے وہ ترقی کی آخری حد تک پہنچے۔ آسمان ان کے تحت میں ہو گیا۔ عرش ان کے قدم کے نیچے آگیا اور اس بام ترقی تک پہنچے جس کے بعد ترقی کی کوئی حد نہیں ممکن کے لئے جو ترقی ممکن تھی اس حد پر پہنچے جسے منزل قاب قوسین کہتے ہیں اب انسان کی ترقی کا یہ آخری نقطہ ہوگا۔ اس کے بعد ترقی کی گنجائش نہیں ہے ہمارے امام کی فضیلت جہاں نکل سکتی ہو ہم کیوں نہ بیان کریں جہاں فضیلت خود موقع دے قرآن خود گنجائش پیدا کر دے۔ پیغمبر خود جگہ دے دے ترقی کرنے دیجئے رسول کو جہاں تک ترقی کرتا جائے لیکن ایک قدم آدم اور ترقی کی گنجائش نکل آئے گی پیغمبر کے قدم جتنے بھی بلند ہوں علیہ ہونگے دیکھئے خود

خود پیغمبرؐ اپنے کاندھے پر سوار کر کے علی کی بلندی دکھا دیں گے فرق یہ ہوگا کہ کسی کے قدم عرش پر کسی کے قدم مہر نبوت پر انسان کو خداوند عالم نے فضیلت دے کر دنیا میں بھیجا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ ہم نے بنی آدم کو مکرم کیا آئے تو سبھی کرامت لے کے لیکن دنیا میں وہ کہاں گئی کرامت ایسی جگہ نہیں ٹھہر سکتی جہاں پیشانیاں اصنام کے سامنے جھک گئی ہوں ایسی جگہ کرامت نہ ملے گی جہاں پیشانیاں اشجار کے سامنے جھکی ہوں کرامت وہیں ملیگی جہاں پیشانی سوائے معبود کسی کے سامنے نہ جھکی ہو۔ غیر کے سامنے سر جھکانے سے یوں انکار کیا ہو کر دنیا آج صرف اسی کے لئے كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهُ استعمال کر رہی ہو صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں يُقَالُ لِعَلِيٍّ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهُ لِأَنَّهُ لَمْ يَعْبُدِ الْأَصْنَامَ قَطُّ علی کو کرم اللہ وجہہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی پیشانی کبھی اصنام کے سامنے نہیں جھکی اس کرم اللہ وجہہ میں مجھے تو رائحہ خلافت ملتا ہے اس لئے کہ جب صدر خلقت انسانی میں فرشتوں کو حکم ہوا کہ مختلف مقامات کی مٹی جمع کرو اور اس سے پیکر انسانی تیار ہوا روح کا اس ترابی انسان سے تعلق ہوا فرشتوں کو سجدۂ آدم کا حکم ہوا تاکہ فضیلت انسانی واضح ہو جائے سب نے سجدہ کیا ابلیس نے انکار کیا کہ میں سجدہ اس خاکی پیکر کو روا نہ کرونگا۔ اور خداوند عالم نے پوچھا کہ اے ابلیس تو نے آدم کو سجدہ کیا کیوں نہیں کیا۔ اس موقع پر ابلیس نے آدم کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا أَهٰذَا الَّذِي

کَرَّمْتَہُ عَلَیَّ یہی وہ ہے جسے تونے مجھ پر کرامت عطا کی معلوم ہوا
کہ صدر میں خلیفۃ اللہ کے لئے لفظ کَرَّمَ کا لفظ استعمال کیا گیا وہی عنوان
علیؑ کے لئے بھی ہے کرم اللہ وجہہ آج تک نام کے ساتھ کہا جاتا ہے
وہ کرامت آج تک خدا کی طرف سے اولاد آدم کو عطا ہو رہی ہے مگر
ایسے کم ہیں جنہوں نے اس کرامت کو باقی رکھا۔ ضرورت تو یہ تھی۔ کہ
انسان آخر عمر تک باقی رکھتا آکر دینے والے کی درگاہ میں اس کرامت
کو لے کے جاتا۔ احسان ہے ان لوگوں کا جنہوں نے اس کرامت کو خود
بھی باقی رکھا اور دوسروں کو بھی ایسی تعلیم دی کہ اس سے ان میں وہ
کرامت باقی رہ جائے ایسے اخلاق سکھائے کہ اگر انسان اپنی ذات میں
پیدا کرلے۔ تو تہذیب نفس کے بلند مرتبہ پر فائز ہو جائے۔ ایسے
تدابیر اصلاح تعلیم کیئے جو تدبیر منزل کے لئے کافی ہیں۔ اگر آج انہیں اصول
پر عمل ہوتا جو علی نے تعلیم کئے تھے۔ تو دنیا میں اصلاح ہوتی فساد نہ ہوتا
یہ سارا فساد اسی کا ہے کہ جو ہم نے ان کے اقوال کو چھوڑ دیا جہاں سے
علم کا چشمہ جاری تھا وہاں سے علم نہ لیا بلکہ علم کو دوسرے دروازوں سے
لینا شروع کر دیا جہاں منزل عصمت تھی ان کے اقوال کو چھوڑ دیا خطا کار
کے اقوال کو صواب سمجھ لیا دنیا میں فساد ہونا چاہیئے ایک حدیث ناسخ
التواریخ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب
رسالتمآب نے ارشاد فرمایا کہ چار گروہ انسان کے جب تک صلاح پر
باقی رہتے ہیں اس وقت تک عوام بھی صلاح پر باقی رہ سکتے ہیں لیکن

اگر ان میں سے ایک گروہ میں خود فساد برپا ہو گیا تو پھر عوام میں صلاح نہیں رہ سکتیں۔ ان چاروں گروہ کی تفصیل آپ نے ذکر فرمائی ہے۔ اَلْمُلُوْکُ وَالْعُلَمَاءُ وَالْعِبَادُ وَالتُّجَّارُ پہلا گروہ بادشاہوں کا ہے۔ جب تک ملوک وسلاطین میں اصلاح رہتی ہے عوام بھی صلاح پر رہ سکتے ہیں۔ دوسرا گروہ علماء کا ہے۔ جب تک علماء کے آپس میں صلاح رہتی ہے۔ عوام بھی صلاح پر رہتے ہیں۔ تیسرے عباد ہیں کہ یہ گروہ عبادت گزاروں کا جب تک صلاح پر رہتا ہے عوام میں بھی صلاح رہتی ہے چوتھا گروہ تاجروں کا ہے کہ جب تک ان میں اصلاح رہتی ہے عوام بھی ایمانداری پر رہتے ہیں تجار کا قَالَ اَلْمُلُوْکُ رُعَاتُهُمْ چونکہ ملوک راعی ہوتے ہیں۔ رعایا کے اگر راعی خود ہی صلاح پر نہ ہو تو رعایا صلاح پر کب باقی رہ سکتی ہے اس لئے کہ اصلاح رعایا کی راعی پر موقوف ہوتی ہے۔ جب راعی خود ہی فاسد ہو جائے تو رعایا میں صلاح کہاں سے آئے اس گلے میں صلاح کہاں سے پیدا ہو سکتی ہے۔ جس کا راعی خود صلاح پر نہ ہو وہ عوام جن کا انتظام والنصرام ملوک پر موقوف جن کا انضباط ملوک پر موقوف جن کی تنظیم ملوک پہ موقوف وہ ملوک اگر اپنی ذات میں صلاح نہ رکھ سکیں تو پھر رعایا میں کہاں اصلاح رہ سکتی ہے وَالْعُلَمَاءُ اَطِبَّاءُ هُمْ اور علماء طبیب ہیں عوام کے جب تک علماء صلاح پر رہیں گے اس وقت تک عوام کی بھی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ علماء بمنزلہ طبیب ہیں۔ جب طبیب خود صحیح المزاج ہوگا تو مریض کا مرض معلوم کر کے اس کا علاج کر سکتا ہے اگر طبیب خود مریض ہو جائے تو پھر بیماروں کی کیا دوا

کرے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس گروہ کے علماء ہی بے عمل ہو جائیں علماء ہی
میں فساد برپا ہو جائے علماء خود باہمی صلاح نہ رکھ سکیں۔ تو عوام کب
صلاح پر باقی رہ سکتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ کسی قوم کے علماء میں وہ خرابیاں
پیدا ہو جائیں۔ جن سے شیرازۂ قومی منتشر ہو جاتا ہے۔ جس کے علماء علماء
سو بن گئے وہ قوم کیا دنیا میں فلاح و بہبود حاصل کر سکتی ہے۔ علم وہ
عظیم ذمہ داری ہے جس کا حامل بننے کے بعد انسان خود اپنی ہی ذات
کا ذمہ دار نہیں باقی رہتا ہے۔ بلکہ عوام کی ہدایت و تبلیغ کا بار بھی ان
کی گردن پر ہوتا ہے۔ عوام تو صرف اپنی ذات کے جواب دہ ہوں گے
لیکن علماء سے تو جہاں یہ سوال ہوگا کہ موافق علم عمل کیا یا نہیں وہاں یہ
بھی سوال ہوگا کہ جو امانت علم و ہدایت تمہارے سپرد کی تھی اس سے
بندوں کو کیا فائدہ پہنچایا میرے عباد تک وہ امانت کیونکر پہنچائی۔
عوام کی ہدایت کی یا نہیں۔ فریضۂ تبلیغ و اصلاح خلق ادا کیا یا نہیں پھر
اگر وہ اپنی ہی اصلاح نہ کرسکے تو جہاں کو صلاح پر کیونکر لا سکتے ہیں۔

تیسرا گروہ وہ عباد کا گروہ ہے جس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے
وَالعُبَّادُ اَولَادُھُمْ عباد عوام کے لئے اولاد ہوتے ہیں رہبر ہوتے ہیں
جو اپنی عبادت و عمل و ادا فرائض کے ذریعہ سے عوام کی رہبری کرتے
رہتے ہیں۔ چوتھا خواص کا گروہ تجار ہیں۔ جن کے متعلق ارشاد فرماتے
ہیں۔ وَالتُّجَّارُ اُمَنَائُھُمْ۔ تجارت پیشہ لوگ امانت دار ہیں میں اس
سے زیادہ تجارت پیشہ لوگوں کی کیا تعریف کر سکتا ہوں کہ رسالتمآب

نے اُن کو خواص اُمت میں داخل فرمایا ہے اگر آج کوئی جاہل کہدیتا تو اور بات تھی وہ نقاد کہہ رہا ہے۔ جس کی نظر خطا نہیں کر سکتی جس کا کلام وحی جس کی ہر بات فرمان الٰہی ہوتی تھی کہ میری امت کے تجارت پیشہ لوگ امین ہیں۔ دنیا انہیں بازاری سمجھے۔ یا ان کو کم وقعت خیال کرے لیکن وہ ایسے عزت دار ہیں۔ جنہیں رسُول خواص امت میں داخل سمجھتا ہے وہ چار گروہ جن کی اصلاح سے دنیا کا اصلاح قائم ہے تجار کو ان میں داخل فرماتا ہے وہ صلاح کے عناصر اربعہ جس میں ایک طرف ملوک ہیں دوسری طرف علماء تیسری طرف عباد انہیں میں تجار کو قرار دیتا ہے پھر اس تجارت کو کون ذلیل پیشہ سمجھ سکتا ہے۔ جو صلاح عوام کا ایک رکن اور دفع فساد کا ایک عنصر ہو یہ چار گروہ ہیں۔ جن سے دنیا کی صلاح وابستہ ہے ملوک و علماء و عباد و تجار گو اصلاح کا تعلق چاروں سے ہے مگر ان میں دو گروہ وہ ہیں جن سے صرف دنیاوی اصلاح حاصل ہو سکتی ہے یعنی ملوک و تجار سے تیسرا گروہ وہ ہے جس سے صرف دینی اصلاح ہو سکتی ہے وہ عباد کا گروہ ہے۔ ایسا ان میں کوئی نہیں ہے جس سے دین: دنیا کی اصلاح حاصل ہو سوا علماء کے کہ یہ اپنے علم سے دین و دنیا معاش و معاد دونوں کی اصلاح کر سکتے ہیں علم سے اصلاح کرتے جائیں گے۔ عمل سے راستہ دکھاتے جائیں گے اگر آپ تلاش کرنا شروع کریں تو آپ کو یہ چاروں ذرائع اصلاح چار جگہ ملیں گے۔ اگر ملوکیت ملے گی تو علم نہ ملے گا اگر علم ملے گا تو عبادت نہ

ملے گی اگر علم و عبادت دونوں ملیں گی تو تجارت نہ ملے گی اگر تجارت ملے گی تو ملوکیت نہ ملے گی آپ ان چاروں چیزوں کو حاصل کرنا چاہیں گے تو چار دروازوں پر جانا پڑے گا۔ ایسا کوئی دروازہ نہ ملے گا جہاں ملوکیت بھی مل جائے علم بھی ملے عبادت بھی ملے تجارت بھی ملے ایسی ذات جو ملک بھی ہو عالم بھی ہو عابد بھی تاجر بھی ہو کوئی نہ ملے گا سوا ہمارے آپ کے مولا علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے کہ آپ بادشاہ بھی تھے عالم بھی تھے عابد بھی تھے تاجر بھی تھے چاروں اصلاح کے ذرائع آپ کی ذات میں جمع تھے اگر کسی شخص کو چاروں چیزیں ایک ڈیوڑھی پر لینا ہوں تو علی کی ڈیوڑھی پر آئے آپ عالم تو ایسے تھے کہ پیغمبرؐ نے خود ارشاد فرمایا اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا میں شہر علم ہوں اور علی اس کے دروازہ ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ شہر کے علوم جس قدر ملتے ہیں وہ در ہی سے لہذا اس پیغمبرؐ کے علوم جو تمام معلومات کا عالم تھا لینا ہوں تو علی کے دروازہ پر آئیے آج جس قدر بھی علوم جاری ہیں وہ کل علیؑ کی ذات کا فیض ہیں۔ سیاست والوں کو علم سیاست سے آگاہ کیا اخلاق اس در سے ملے حکمت اس در سے ملی اہل فقہ کو فقہ سکھائی اصولیین کو اصول تعلیم کیئے اہل نحو کو قواعد بتائیے۔ علمائے تفسیر کو تفسیر تعلیم کی علمائے حدیث کو احادیث نبی بتائے اہل حکمت کو حکمت کے طریقے تعلیم کیئے جس علم کے ماہر کو دیکھیے اپنا استناد علی کی ذات کی طرف کرتے ہیں۔ علی کا علم اس قدر مشہور و ثابت ہے کہ جسے طول دینے کی ضرورت نہیں۔ حد یہ ہے کہ تمام انبیاء کے پاس

جو متفرق علم تھا۔ علی ان سب کے جامع تھے۔ اسی طرح آپ بادشاہ بھی تھے آپ کا مشہور لقب جناب امیر بتاتا ہے کہ کچھ تو تھا جو آپ امیر کہلائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ کی امارت اسباب ظاہری کی محتاج نہ تھی۔ کہ جب آپ تخت شاہی پر رونق افروز ہوں۔ جب ہی امیر ہوں تاج شاہی ہو جب ہی امیر ہوں آپ ان چیزوں کے اپنی امارت میں محتاج نہ تھے بلکہ آپ خدا کے بنائے ہوئے امیر تھے جس طرح خدا اپنی شاہی میں تاج و تخت اور فوج و لشکر کا محتاج نہیں ہے۔ اسی طرح آپ بھی اپنی امارت میں کسی چیز کے محتاج نہ تھے فوج نہ تھی۔ مگر امیر تھے لشکر نہ تھا مگر امیر تھے۔ تاج شاہی نہ تھا مگر امیر تھے۔ ٹوٹے ہوئے گھر میں تھے مگر امیر تھے۔ بوسیدہ لباس پہنتے تھے۔ مگر امیر تھے۔ فقرو فاقہ کی حالت میں تھے تو امیر تھے علاوہ بریں آخر عمر میں بھی دنیا نے آپ کو بادشاہ ایک نہ ایک وقت تسلیم کیا ہے اس لئے ماننا پڑے گا۔ کہ آپ ملوک میں بھی داخل تھے کوئی اس سے انکار کر سکتا ہے۔ اگر انسان دنیاوی ترقی کرنا شروع کرے تو اس کی آخری منزل یہ ہو گی۔ کہ بادشاہ ہو جائے اور دین کی ترقی آخری منزل الوہیت ہے۔

علیؑ کی ذات وہ تھی کہ دنیاوی ترقی کے آخری نقطہ پہ فائز تھے یعنی بادشاہ تھے۔ اب رہ گئی دینی ترقی اگر اس کا آخری نقطہ دیکھنا ہو تو نصیریوں کو دھوکا ہو نے دیجئے۔ ہم جسے اپنا امیر سمجھتے ہیں نصیری خدا کہہ دیں گے۔ اسی طرح آپ عابد بھی تھے۔ عابد ایسے کہ دنیا

بہا جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ دیکھنے والے جن کی عبادت کو دیکھ کے خاموش ہو جاتے تھے۔ ملائکہ جن کی عبادت دیکھ کے حیرت میں تھے مسجود جن کی عبادت پر فخر کرتا تھا ہر محل پر عبادت کی ہر منزل پر عبادت کی ایسی عبادت کہ جن کی ایک ایک عبادت ثقلین کی عبادت پر گراں ہو گئی اسی طرح تاجر بھی تھے ایسا تاجر جس کی مثال پیش نہیں ہو سکتی علیؑ نے بھی تجارت کی جو آج تک جلی حروف میں موجود ہے۔ پیغمبرؐ کا گھر تھا۔ نبیؐ کا بستر تھا رسولؐ کی چادر تھی توکل پر تکیہ تھا ہجرت کی رات تھی خلیل توفیق بستر کو منیٰ بنائے ہوئے لیٹا اور یوں لیٹا کہ پتہ چلنا مشکل ہو گیا علی سو رہے یا خاتم المرسلین سو رہے ہیں۔ علیؑ نے اپنا قیمتی نفس لا کے رکھ دیا تھا۔ اس بیش بہا جوہر کی کون قیمت لگاتا۔ انبیاء کیا قیمت لگا سکتے ہیں آدمؑ کیا لیکے آتے اگر علم لیکے بڑھتے ہیں تو یہاں شکر بھی موجود ہے اگر نوحؑ شکر لے کے آئیں تو یہاں ہیبت بھی موجود ہے اگر موسیٰ ہیبت لے کے آئیں تو یہاں زہد بھی موجود ہے۔ جو نبی خریدنے کے لئے آگے بڑھ سکے پاس ایک وصف موجود ہو گا اور یہ نفس تمام صفات کا مجموعہ ہے پھر کیسے خرید سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ثمن کیا قرار دیں، ملائکہ کیا خرید سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے پاس جو علم موجود ہے وہ انہیں کا سکھایا ہوا ہے خاتم المرسلینؐ نے تو تربیت کر کے اس نفس کو آراستہ ہی کیا ہے آخر جب اس نفس کے قابل ثمن کسی کے پاس نہ نکل سکی تو خداوند عالم نے کہا تم سب ہٹ جاؤ۔ لو میں اپنی رضا کو ثمن بنائے دیتا ہوں یا علیؑ

میری رضا تیری ہو جائے ۔ تیرا نفس میرا ہو جائے ۔ علیؑ بستر رسول پر سوئے اور اس طرح کہ اپنے نفس سے بے پروا ہو کے سوئے چاہے میرا نفس نہ رہے مگر رسولؐ کی جان بچ جائے چاہے میری جان نہ رہے مگر دین خدا کی حفاظت ہو چاہے میں نہ رہوں ۔ میری جان نہ رہے مگر شریعت پھیل جائے چاہے میرا نفس نہ باقی رہے ۔ مگر خدا کا مذہب رہ جائے اس جرأت کے ساتھ جہاں کفار تلواریں لئے ہوئے گھر گھیرے ہوئے تھے ۔ مشرکین قتل کر دینے پر آمادہ تھے ۔ علیؑ آرام کر رہے تھے ۔ حسینؑ اسی باپ کے بیٹے تھے وہی جری دل پہلو میں تھا وہی دین بچانے کا شوق دل میں تھا کچھ ہو مگر دین بچ جائے ۔ علیؑ نے بستر رسولؐ پر سو کے دین کو بچایا حسینؑ نے کربلا کے میدان میں آکے بچایا علیؑ نے شب ہجرت سو کے دین خدا کی حفاظت کی حسینؑ نے لب فرات میں کربلا میں اپنا گھر لٹا کے دین خدا کی حفاظت کی جب کوئی نہ رہا تو حرم سے رخصت ہو کر مظلوم امام میدان میں آیا اس تنہائی کے عالم میں اپنے جاں نثار رفقاء ایک ایک کر کے یاد آنا شروع ہوئے آواز دی یَا مُسْلِمَ ابْنَ عَوْسَجَہ یَا حَبِیْبَ ابْنَ مَظَاہِر اے مسلم ابن عوسجہ اے حبیب ابن مظاہر اے میرے انصار اٹھو اٹھ کے اپنے امام کی مدد کرو جب انصار کو یاد کر چکے تو اب اعزا کی لاشیں نظر پڑیں جو نصرت کر کے اپنا گلا کٹائے ہوئے پڑے تھے آواز دی اے علیؑ اکبر اے قاسمؑ اے عباسؑ ابن علیؑ اٹھو

اٹھ کر حسینؑ کی مدد کرو آخر جاہا کہ اب سب کو ایک ساتھ آواز دیں پکار کے فرمایا اے میرے شیرو اے دلیرو اب کیا ہو گیا کہ میں تم کو پکارتا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے جب اس پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو آپ خود فرماتے ہیں کہ کیا تم کرو۔ تمہیں تمہاری موت نے مجبور کر دیا ورنہ تم ضرور میری مدد کرتے یہ فرما کر آپ نے عجب بے کسی کا جملہ فرمایا خیموں کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں هٰذِهٖ ذُرِّيَّةُ نَبِيِّكُمْ ارے یہ تمہارے نبی کی ذریت ہے۔ جن کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے اٹھو اٹھ کر مدد کرو آخر آپ نے آواز استغاثہ بلند کی هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا هَلْ مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنَّا ہے کوئی مدد کرنے والا جو مجھ غریب کی مدد کرے ہے کوئی دفع کرنے والا جو ہم سے مصیبتوں کو دفع کرے آخر خود پروردگار عالم نے جواب دیا لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ عَبْدِيْ اے میرے بندے میں تیری مدد کو موجود ہوں افسوس غریب مظلوم فرزند رسولؐ کی کسی نے مدد نہ کی چاروں طرف سے اشقیاء نے حملے شروع کر دیے آثار قیامت نمودار ہو گئے آواز آئی اَلَا قُتِلَ الْحُسَيْنُ بِكَرْبَلَا کاش اسی ظلم پر اکتفا کرتے رانڈوں کو تو خیموں میں بیٹھا رہنے دیتے بچوں کو نہ ستاتے بیمار کو قیدی نہ بناتے مگر قتل حسینؑ ہی پر اکتفا نہ کی اسباب لوٹا خیموں میں آگ لگا دی۔ جب ایک خیمہ جلتا تھا تو بیبیاں بچوں کو لے کر دوسرے خیمہ میں چلی جاتی تھیں جب سب خیمہ جل گئے اور صرف ایک خیمہ رہ گیا

تو جناب زینبؑ بیمار کربلا کے قریب آئیں۔ بیٹا سید سجاد کیا غش میں پڑے ہو تم امام زمانہ ہو اٹھو اٹھ کر بتاؤ اسی میں جل کر مر جائیں یا خیمے سے باہر نکل جائیں فرمایا اب یہ وقت خیمہ میں بیٹھنے کا نہیں ہے۔ اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالنا چاہیئے۔ خیمہ سے باہر نکل جائیے۔ شہزادیاں نبی زادیاں خیمہ سے باہر نکلیں اسی حال میں نہ معلوم کس طرح ایک بچے کے دامن میں آگ لگ گئی جس قدر وہ بچہ دوڑتا جاتا تھا آگ کا شعلہ اور بھڑکتا جاتا تھا راوی کہتا ہے کہ میں نے دوڑ کے دامن کی آگ بجھا دی بچے نے اپنے حال پر شفیق پا کے مجھ سے پوچھا اے شیخ اگر تجھے نجف کا راستہ معلوم ہو تو بتا دے میں نے پوچھا صاحبزادے نجف جا کے کیا کیجئے گا۔ جواب دیا اپنے دادا علیؑ مرتضیٰ سے فریاد کروں گا۔ تمت بالخیر